عصمت

جلد ۱ — نمبر ۱
یعنی
جون ۱۹۰۸ء

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے

اردو میں

پاکیزہ خیالات علمی اور ادبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے

اور

ہر پرچہ ملک کے ممتاز اہل قلم کے مضامین کے علاوہ معزز خواتین کے

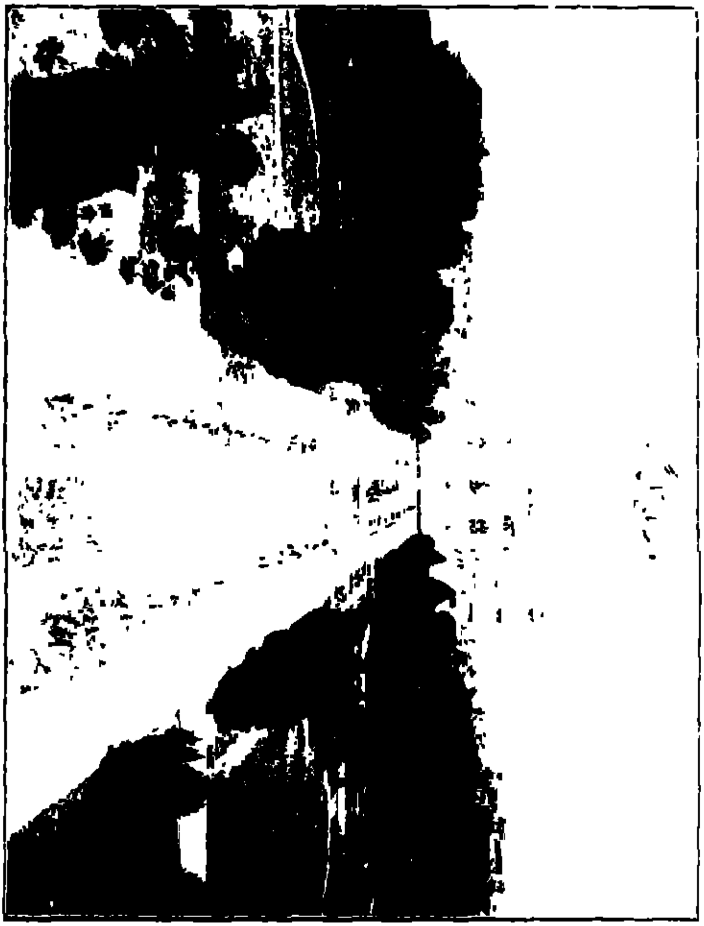
طبعزاد مضامین اور مشہور مقامات اور مناظر کی تصاویر سے بھی مزین ہوتا ہے

ایڈیٹر شیخ محمد اکرام — جائنٹ ایڈیٹر مسز محمد اکرام

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ے فی پرچہ ۴ر

فہرست مضامین رسالہ عصمت ماہ جون ۱۹۰۸ء



عصمت

آجکل ہندوستان پر عجب زمانہ گذر رہا ہے جو باتیں اگلے زمانہ میں بغیر بحث کے مسلمہ تھیں۔ آج بحث کے بعد بھی مشکل سے تسلیم ہوتی ہیں۔ جو چیزیں دوسرے ممالک میں اصولِ موضوعہ کی طرح بلا اختلاف مانی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں بڑے بڑے اختلافات کا باعث ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر لڑکیوں کی تربیت اور تعلیم ہی کو دیکھئے۔ اسی ہندوستان میں ایسی ایسی خوش تربیت اور تعلیم یافتہ عورتیں ہندوؤں میں بھی اور مسلمانوں میں بھی گذری ہیں کہ آجکل اُن کی نظیر ملنی ممکن نہیں۔ مگر آج وہی ہندوستان وہ ستونتیاں پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ کیا زمینِ ہند بدل گئی ہے یا آسمان بدل گیا ہے؟ وہی زمین ہے وہی آسمان۔ وہی سردی وہی گرمی۔ ہندوستان وہی ہے۔ مگر اس میں رہنے والوں کی ہمتیں وہ نہیں رہیں۔ مسلمانوں کے ہاں ہندوستان سے باہر بھی عرب میں۔ ایران میں۔ مصر میں۔ اندلس میں ایسی ایسی خواتین ہو گذری ہیں جن سے علما سبق پڑھتے تھے۔ اور اب تک بھی تعلیم اور تربیت کے بارے میں اسلامی ممالک میں وہ تنگ خیالی نظر نہیں آتی۔ جو ہندوستان پر مسلط ہے۔

برسوں کی بحث کے بعد ہندوستان میں مردوں کے تعلیم یافتہ گروہ نے یہ آخر تسلیم کیا ہے کہ عورتوں کو بھی دولت علم سے بہرہ ور کرنا چاہیئے اور انہیں پڑہانا لکھانا نہ صرف اُن کے حقوق کے لحاظ سے واجب ہے بلکہ اپنی اولاد اور آیندہ نسل کی بہتری کے لئے ضروری ہے۔ اب بحث ہے تو فقط اس قدر کہ انہیں کس درجہ تک کیا پڑہانا لازم ہے؟ کیا مضامین اُن کے لئے مفید ہیں؟ غرض کس قسم کی تعلیم ہونی چاہئے؟ یہ مسئلہ حقیقت میں نہایت غور طلب ہے۔ اور اس کے حل کرنے میں خود خواتین کی رائے کو بہت دخل ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی ملک میں ایسی خواتین کی تعداد محدود ہے۔ جو اہل الرائے ہوں اور ایسے معاملات پر مفید اور صائب رائے دے سکیں۔ لیکن پھر بھی گذشتہ چند سال کی کوششوں سے ایک معقول تعداد ایسی خواتین کی موجود ہوگئی ہے جو مستورات کی بھلائی کے متعلق سب معاملات پر معقول رائے دے سکتی ہیں۔ اور اپنی رائے کو ظاہر بھی کرنا چاہتی ہیں۔ یہ ماہوار پرچہ اس غرض سے جاری کیا گیا ہے کہ اس رائے کو مناسب اظہار کا موقع دے۔ اس رسالہ کا نام **عصمت** رکھا گیا ہے کیونکہ ہر شریف بی بی کی سیرت کے لئے عصمت سے زیبا تر زیور دنیا میں نہیں حُسن صُورت کے ساتھ حُسن سیرت ہو اور حُسن سیرت زیور عصمت سے آراستہ ہو تو

زن نیک فرمانبر و پارسا کند مرد درویش را بادشا

ایسی عورت ماں باپ کے لئے سرمایۂ ناز، شوہر کے لئے حرزِ جان، اور بچوں کے لئے مقصود ہر دوجہان ہوتی ہے پس ایسے رسالہ کے واسطے جس کا مقصد ہندوستان کی شریف بیبیوں کی ترقی اور اُن کی تعلیم و تربیت ہو یہی نام موزوں تھا کہ عورت کی بہترین صفت کو ہر وقت اِن لڑکیوں اور عورتوں کے جو اس کے مطالعہ سے فائدہ اُٹھائیں پیش نظر رکھے۔

جُوں جوں ملک میں تعلیم نسوان کا چرچا ہوتا جاتا ہے اور گھر گھر پڑھی لکھی لڑکیاں اور عورتیں موجود ہوتی جاتی ہیں۔ یہ دقت محسوس ہو رہی ہے کہ اُن کے وقتِ فرصت کے دل بہلاؤ کے لئے کتابیں کہاں سے آئیں۔ وُہ کتابیں جو عورتوں کے واسطے خاص طور پر لکھی گئی ہیں ابھی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ عام کتابوں میں بھی تھوڑی ہی ایسی نکلتی ہیں جو ہر بی بی کو پڑھنے کے لئے بلا تامل دی جا سکیں۔ اخبارات اور رسائل بھی چونکہ مردوں کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ عموماً عورتوں کے پڑھنے کے لائق نہیں ہوتے۔ پس لے دے کر تہذیب، خاتون اور پردہ نشین ہیں کہ ایک تو عورتوں کا اخبار ہے۔ دُوسرے عورتوں کے رسالے ہیں۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اُن بیبیوں کے لئے جنھیں پڑھنے کا شوق ہو گیا ہے۔ یہ سامان کافی نہیں کم از کم اور دو ایک عمدہ رسالوں کی ضرورت ہے۔ عصمت کے اعلان میں جو چند ہفتے ہوئے مشتہر ہوا۔ یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ رسالہ خود مستورات کے تقاضے سے جاری ہوا ہے۔ چنانچہ

کئی معزز خواتین نے نہایت ہمت بند ہانے والے خطوط اسکے اجرا کو پڑھتے ہی لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک میں ایسے رسالے کی واقعی مانگ تھی۔ اور اس کا ایک مزید ثبوت اِس سے بھی ملتا ہے۔ کہ درخواستوں کی ایک معقول تعداد پہلا پرچہ شایع ہونے سے پہلے ہی دفتر میں موصول ہوگئی۔ مستورات میں یہ بیداری اور مستعدی ملک کے لئے ایک مبارک فال ہے۔ اور اُمید ہے کہ عورتوں کے لئے مناسب لٹریچر مہیا ہونے کے ساتھ ہی اِس ترقی کی رفتار اور بھی تیز ہو جائے گی۔

علاوہ اس عام ضرورت کے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ایک خاص ضرورت اِس رسالہ کے جاری کرنے کی پیدا ہوئی اور وہ مقامی ضرورت ہے یہ خوشی کی بات ہے کہ دلی کے شریف خاندانوں میں پرانی شرافت کا ایک نشان یہ باقی ہے کہ عورتوں کی خواندگی کسی حد تک جاری ہے۔ اور اِس لئے اِس رسم میں تھوڑا سا تغیر و تبدل کرنے سے بہت سی لڑکیاں مروّجہ تعلیم سے بھی کم و بیش بہرہ یاب ہوگئی ہیں۔ اُن کو آرزو تھی کہ ایک پرچہ دلی میں ایسا ہو جسے وہ آسانی سے پڑھ سکیں اور جس میں وہ اپنے مضامین بھی شایع کرائیں۔

ان تربیت یافتہ معزز خواتین نے مسز رضا اللہ صاحبہ کی کوشش اور تحریک سے اپنی ایک انجمن بھی یہاں قائم کی ہے جس میں وہ ہر آٹھویں دن جمع ہوتی ہیں۔ مضامین بھی کبھی کبھی پڑھتی ہیں۔ اور دوسری

بہنوں کی ترقی کی تدابیر سوچتی ہیں اس انجمن کا منشا تھا کہ اس کے پاس اپنے خیالات کے اظہار کا کوئی مستقل ذریعہ ہو۔ اور عصمت کی اشاعت اس معزز جماعت کے ارشاد کی تعمیل ہے۔

یہاں اُن مقاصد کا جو عصمت کے اعلان میں بیان ہو چکے ہیں دہرانا ضروری نہیں خدا ہمیں توفیق دے کہ اُن مقاصد کی تکمیل میں کامیاب ہوں۔ اور اُن صاحبان اور خواتین کو جو اس رسالے کی اغراض سے ہمدردی رکھتے ہیں اور نسوان کی تعلیم اور ترقی کے حامی ہیں ہمت دے کہ اسکی مدد کر کے کارکنوں کا حوصلہ بڑھائیں۔

چونکہ یہ رسالہ بیبیوں کا رسالہ ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اول بیبیوں کے مضامین اس میں درج ہوا کریں اور مردوں کے اُنکے بعد۔ اس سے یہ بھی مقصود ہے کہ جو بیبیاں مضمون نگاری کی ہمت کریں اُن کا حوصلہ بڑھایا جاوے۔ یہ کوشش کی جائیگی کہ بیبیوں کے مضامین میں سوائے نہایت ضروری اصلاح کے کوئی تغیر تبدل نہ کیا جائے اسلئے اگر کمی مشق کی وجہ سے بعض مضامین میں لغزش اور بعض خیالات میں خامی نظر آئے تو وُہ قابل معافی ہوگی کیونکہ اگر زیادہ اصلاح سے کام لیا جاوے تو پھر مضمونوں کی اصلی حالت قائم نہ رہیگی۔ اور تحریر کی جو قابلیت اُن میں نظر آئے گی وہ اُنکی اصلی قوت تحریر کا نمونہ ہوگا۔ ہمیں اس رسالہ میں یہ دیکھنا اور دکھانا مقصود ہے کہ خواتین بغیر مردوں کی زیادہ امداد کے خود کس قدر کام کر سکتی ہیں۔ مردوں کے مضامین صرف نمونہ اور مثال کے طور پر یا معلومات میں مدد دینے کے لئے ہونگے کیونکہ یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ علمی دنیا میں ہماری مستورات ابھی نوآموز ہیں۔ (ایڈیٹر)

ہمارا تعلیمی نصاب

یہ مضمون ٹونک کے ایک شریف خاندان کی ایک خاتون نے عنایت کیا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلا مضمون ہے جو عصمت کے اعلان کے شائع ہوتے ہی ہمیں ملا۔ اور اس کی لکھنے والی وہ پہلی خاتون ہے جس نے اس رسالہ کے جاری کرنے کی ضرورت پر زور دیا +

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پیدا کیا۔ کسی کو مرد بنایا کسی کو عورت۔ انسان ہی کے لئے ساری دُنیا اور دُنیا کی نعمتیں پیدا کیں دُنیا کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت انہیں کے لئے خاص کیا۔ انصاف تو یہ ہے کہ اس قدرتی عطیہ میں انسان ہونے کے حساب ں عورت و مرد دونوں شریک ہوں۔ اور ہیں بھی۔ رہی کمی و بیشی تو ہر ایک کی قسمت جُدی جُدی ہے نصیبا جُدا جُدا۔ ہمیں حصہ کم ملا تو یہ اپنا ہی قصور ہے۔ ہم اپنے بھائیوں کو الزام نہیں دیتیں۔ اگر کہو کہ وہ ایک زمانہ تک ہمیں اپنے حصہ سے روکتے رہے۔ تو وہ ہمیں اپنے واجبی حصہ سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دے کر زمانہ ہوا کہ اس الزام سے صاف بری ہو گئے۔ اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ہماری تعلیم کی خاطر کیسے کیسے مدرسے کھڑے کئے۔ کیسے کیسے اخبار نکلے کہ ان کے اس احسان

بالائے احسان کا کسی طرح شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ اب اس گتھی کا سلجھانا
کہ ہمارا تعلیمی نصاب کیا ہو خود ہمارا اپنا کام ہے۔ کیونکہ انسان اپنی ضرورتوں
کو آپ ہی خوب سمجھتا ہے اور اپنا کام کچھ اپنے ہی ہاتھوں اچھا بھی ہوتا ہے۔
آؤ بہنو! مل کے کام کریں اور ذرا خدا کی خدائی میں نظر ڈالیں۔ اللہ
اللہ! کیا نظام ہے اور کیسا انتظام ہے۔ کیسا زبردست قانون ہے
جس نے تنکے تنکے کو جکڑبند کر رکھا ہے۔ ایک ذرا سا ذرّہ بھی اپنی
بتائی ہوئی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو سکتا؟ دیکھتی نہیں ہو کہ
ہر ذرہ کو اسی کے لائق کوئی نہ کوئی خدمت ضرور سپرد ہے؛ ہر ایک
کا کام علیحدہ ہر ایک کی نوکری الگ۔ نظر جھکاؤ زمین کا بچھنا اور اُگانا
پہاڑ کا جمنا اور تھامنا۔ دریا کا بہنا اور سیراب کرنا۔ دیکھو نظر اُٹھاؤ
آفتاب کا چمکنا اور پکانا۔ ماہتاب کا دمکنا اور بڑھانا۔ سوچو رعد کا گرجنا
بجلی کا تڑپنا بادل کا برسنا غور کرو تو دیکھو گی کہ جو ہے بس اپنے کام
میں بھاگا جا رہا ہے بتاؤ تو کوئی کسی دوسرے کا کام کرتا یا کر سکتا ہے؟
دُور کیوں جاؤ اپنی اسی ایک ننھی سی جان کو دیکھ لو نا۔ سو ٹکڑے ہیں تو
سو کام بٹے ہوئے ہیں جسے دُوسرا کرتا کیا معنی کر ہی نہیں سکتا۔ آنکھ
دیکھنے کے لئے ہے تو کان سننے کو۔ آنکھ سے سُن لیں کیا ممکن۔ کان
سے دیکھ لیں کیا امکان۔ زبان چکھنے کے لئے ہے ناک سونگھنے
کو۔ نہ تو ناک سے چکھنا ممکن نہ زبان سے سونگھنا۔ جب خدائی
سلطنت میں اس کثرت سے بٹوارہ جاری ہے تو ضرور ہے کہ

ہم دونوں کے کام بھی یقینی علیحدہ علیحدہ ہونگے۔ اتنی کرید کیوں ؟ وہ تو ہم دونوں کے بناوٹوں ہی کا صاف فرق پکارے سے کہے چلا رہا ہے کہ ہر ایک کی حد و سرحد الگ ہے۔ ہماری کمزور خلقت صاف بتا رہی ہے کہ باہر کے کام کاج۔ دوڑ دھوپ۔ اپنے کمزور ہوتے ہیے زیادہ محنت و مشقت کے کاموں۔ ضروریات زندگی کے مہیا کرنے اور معاش کے بندوبست کرنے کی سخت ریاضتوں اور دماغی موشگافیوں کے لئے ہم مخلوق نہیں ہوئی ہیں۔ اور مردوں کی مضبوط و توانا بناوٹ کہے دیتی ہے کہ وہ گھر میں رہ کے پکانے ریندھنے سینے پرونے کوٹنے چھاننے کے لئے موزوں نہیں ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے ۔ جس چیز کے تائیں کوئی قابل نظر آیا

جب یہ بات ہے کہ ہر ایک کو خدمت الگ الگ سپرد ہے تو ہر ایک کو ایسی ہی علم کی ضرورت ہوگی جو اُس کو اپنے ذمہ کی خدمت کے بخوبی انجام دینے میں مدد دے۔ پس ہمارے ذمہ جو بہت سی خدمتیں ہیں آؤ ان کی اجمالی فہرست تیار کرلیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کیا ہیں۔ بس ہمارے تعلیم کے نصاب کی گتھی سُلجھ جائے گی۔ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ ایک آدمی ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتا۔ مرد محنت و مشقت کر کے روپیہ کما تو لاتے ہیں مگر اُس کے جمع و خرچ کا حساب بھی اپنے ذمہ رکھیں تو انکے اور کاموں میں براحرج ہونے لگے اس لئے وہ اپنی گاڑھی کمائی عورتوں کے حوالے کر دیتے ہیں اور جتا دیتے ہیں کہ

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

اب یہ ہمارا فرض ہوگا کہ اُسے ایسی خوش سلیقگی و انتظام سے اُٹھائیں کہ وہ جب گھر میں آئیں۔ خانہ داری کی ساری ضروریات مہیا پائیں۔ خدا نہ کرے جب وہ اتفاق سے مصیبت میں گھر جائیں۔ تو گھر میں ایسے وقتوں کے مقابلے کے لیے کچھ بچا کچھا پس انداز جمع پائیں۔ اس کے لیے بڑا ضرور ہوگا کہ ہم ضروری حساب و کتاب بخوبی جانتے ہوں فضول خرچی کا نقصان کفایت شعاری کا فائدہ پہچانتے ہوں۔ خانہ داری کا سلیقہ ہو۔ بہنو انھیں کیا خبر ہو کہ اس چار دیواری کے باہر مرد کیسی کیسی جاں جوکھوں کی محنتیں کرتے ہونگے اور اس روپیہ کے پیدا کرنے میں جنھیں تم نہایت آسانی و اطمینان سے اپنے ہاتھ میں لیے ہو انھیں کیسے کیسے دانتوں پسینے آئے ہونگے؟ دیکھتی نہیں ہو کہ اس چلچلاتی، کڑکڑاتی دھوپ میں کیسے حیران و پریشان تھکے ماندے آتے ہیں، چہرہ تمتمایا ہوتا ہے، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوتی ہیں اور آنکھیں سُرخ بھبوکا۔ گھڑوں پسینے چل رہے ہیں پیشانی سے تلووں تک بہہ رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ کسی طرح سے روپیے پیدا کر کے تمھارے ہاتھ میں دیں۔ تو کیا ہم پر یہ فرض نہیں ہے کہ اُن کی دلدہی و خوشی کا پورا بندوبست اور اُن کی پریشانی کے گھٹانے اور فکر کے مٹانے کی کوشش کریں، جس وقت گھر میں آئیں گھر بھر میں خوشی برستی پائیں۔ جس چہرہ کو دیکھیں ہشاش بشاش۔ جس لب پر نظر پڑے مسکراہٹ، جو نسی آواز کان میں آئے کان کو بھلی معلوم ہو۔ دل میں رنج گھٹائے۔ خوشی بڑھائے

اس کی تشفی و تسلی کی جائے۔ جس چیز کو دیکھیں صاف و ستھری قرینہ سے اپنی جگہ۔ پانی ملے تو سرد و شیریں۔ غذا ملے تو سادی سہی مگر لذیذ۔ کب سے کیا ہوگا؟ جس وقت وہ گھر میں آئینگے اور اُنہیں معلوم ہوگا کہ یہ گھر گھر ہے اور یہاں کوئی میری غمخوار دُکھ کی ساتھی سُکھ کی ساجھی بھی ہے بس تُرت اُن کا سب رنج و کلفت دُھل جائیگی۔ بھوک جاتی رہیگی پیاس بجھ جائیگی۔ زندگی چین سکھ سے بسر کر دینے کے اگر طریقے ہیں تو صرف یہی ہیں لیکن آپ کیا سمجھیں؟ ایسا ہونا ممکن بھی ہے جب تک ہم اخلاق کی اچھی اچھی کتابیں نہ پڑھے ہوں اور اچھے اخلاق سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اُسکے اُصول سے واقف نہوں اور دلچسپ مفید ادب کی اچھی کتابوں سے موقع و محل کی گفتگو کرنے کا طریقہ اخذ نہ کیا ہو۔ اور دل خوش کن حکایات و تاریخی چٹکلے دلچسپ و برمحل مہذب لطیفوں کا کافی ذخیرہ دماغ میں نہ ہو اپنی زبان کے دلچسپ محاوروں، کہاوتوں، مثالوں، اشعاروں پر قدرت حاصل نہو۔ خدا نے ہمیں نرم اور غمگسار دل کیا بخشا کہ اپنے بیماروں کی تیمار داری کی مشکل خدمت سپرد فرما دی۔ اس میں شک نہیں کہ بیمارداری کی جیسی اچھی خدمت کا حق ہم عورتوں سے ادا کیا مردوں سے نہیں ہو سکتا پھر بھی حفظان صحت کے قاعدے اور اُصول نہ جاننے سے آئے دن ہزاروں پھول سے بچے ہماری گودوں میں کملا جاتے ہیں۔ خود ہماری لاکھوں جانیں اپنی طبی جہالت کے صدقے دق میں، اور سیکڑوں مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو ہو کر جاں بحق ہوتی رہتی ہیں۔ اور کروڑوں اُن بیماریوں کا

خون ناحق ہماری جہالت کی گردن پر رہتا ہی جن کی بیمارداری ہمارے سر تھی اس لیے ضرور ہی کہ حفظان صحت کے اُصول نرتی صحت کے قاعدے ہمارے نصاب تعلیم کے جزہوں۔ سب سے کٹھن خدمت ہمیں اولاد کی تربیت سپرد ہی۔ آہ! اس کی تو ہمجھے اصلا خبری نہیں۔ جس کا یہ کڑوا پھل ہو کہ جو حیات سے زبردست بچے ہمارے خطرناک ہاتوں سے بچ بھی جاتے ہیں۔ اُن کی اُٹھان ہمارے ہاتوں ایسی ہوتی ہی کہ اگر وہ فطرت سے جوہری طبیعت بھی لاتے ہیں تو ہماری گودوں میں کوڑی کے تین ہو جاتے ہیں۔ ہماری ناقص تربیت کا یہ اثر ہوتا ہی کہ وہ پرلے درجے کے نافرمان سُست بیمار، کُند ذہن، غبی، کام چور، غصہ ور، مغرور، خودغرض، پست ہمت اور اُن کے خیالات بالکل ذلیل ہوتے ہیں۔ ہمیں سب سے پہلا فرض تربیت اولاد کا اُصول۔ ما درانہ حکومت و تعلیم کے قواعد کا سیکھنا ہی اکثر وقت ہمارا خانہ ان بخت غریب ہو جائے۔ ایسے حال میں بہت ضروری ہی کہ دستکاری، سوزن کاری کا کچھ ہنر ہات پلے ہو۔ یہ بھی بڑے صدمے اور افسوس کی بات ہی کہ چونکہ ہمیں مذہبی تعلیم پوری نہیں ملتی اور نماز و روزے کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے کہ ہمارے پاک مذہب نے ہمیں اور کیا کیا اچھی باتیں بتائی ہیں اس لیے ہمارے اخلاق و عادات اچھے نہیں ہوتے۔ لڑائی، جھگڑا فساد، دنگا، جھوٹ، غیبت، حسد، ڈاہ، کینہ، بغض، ناشکری، بے صبری۔ یہ سب ہمارے نولکھا ہار سمجھتے ہیں۔ نہ ہمیں حقوق اللہ کی تمیز ہوتی ہی نہ حقوق العباد کی پہچان۔ اس کا

دفعیہ سوا مذہبی تعلیم پوری کرنے کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی کیا وجہ ہی کہ اکثر ہم اپنے کو بالکل غمگین و سست پاتے ہیں۔ بلا وجہ بھی وجہ یہ ہی کہ ہمیں خبر ہی نہیں کہ دل کیسے خوش رکھا جا سکتا ہی اور اس کا کیا اثر ہی۔ کاش ہمیں پھول پتیوں کا شوق پیدا ہو جائے۔ باغ و چمن، گل و گلدستے کے متعلق فرحت بخش تعلیم حاصل ہو جاوے تو زندہ دلی و دلی خوشی کا کیسا اچھا مشغلہ ہی۔ ہماری اس گلستاں کا خلاصہ یہ ہی کہ مذہبی تعلیم کی تکمیل۔ زبان دانی و انشا پردازی۔ ضروری حساب و کتاب۔ مختصر دلچسپ معلومات تاریخی، اُصول ترقی و حفظان صحت، اُصول تربیت اولاد۔ اُصول خانہ داری۔ دستکاری و سوزن کاری۔ اُصول معاشرت۔ ہماری تعلیم کا شروع سے لیکر انتہائی درجہ کے معراج تک کا یہ مختصر خاکہ ہی۔ کاش مجھے وقت فرصت دیتا تو اس نصاب کے نو بابوں میں سے ہر باب پر الگ الگ تفصیل سے بحث کر کے اس کی ضرورت اور اُن سب کے سوا کی عدم ضرورت ثابت کرنے کی کوشش کرتی۔ اب میں امید کرتی ہوں کہ اپنے تعلیمی نصاب کو جو میں نے ان نوؔ مضمونوں میں منحصر کر دیا ہی اور عصمت کے ذریعہ اپنے قابل بھائی بہنوں کی مجلس میں سب سے پہلے پیش کرنے کی جرأت کی ہی تو اس پر بحث شروع کی جائیگی کہ یہ نوؔ باب کا نصاب اس وقت کافی اور ضروری ہی یا کچھ ترمیم کی ضرورت ہی اور ہر پہلو پر نظر ڈال کے انصاف و اعتدال کے ساتھ بحث و مباحثہ کر کے بہت جلد اس ضروری کام کو طے کر لیا جائے۔

اور مجھ سے غلطی ہوئی ہو تو عصمت کی معرفت اس کی اصلاح سے عزت بخشی جائے۔

سیدہ امجد یہ
(از ٹونک)

کنور عنایت علیخاں صاحب رئیس کاندہلہ کا ہمیں ممنون ہونا چاہیئے کہ انھوں نے رسالہ عصمت کا اعلان دیکھتے ہی ہمیں لکھا ہے کہ سات پرچے ان کی طرف سے ان مستورات کے نام جاری کردیئے جائیں جن کو لکھنے پڑھنے کا شوق تو ہے لیکن بوجہ نا داری ایسے مفید اخبارات و رسائل کے مطالعہ سے محروم رہتی ہیں۔ اس لیے جو مستورات اپنے آپ کو اس رعایت کا مستحق سمجھیں یکم جولائی ۱۹۰۸ء تک دفتر عصمت میں درخواست بھیجدیں۔ پہلی سات درخواستیں مقدم سمجھی جائینگی۔ جو درخواستیں بچ رہینگی ممکن ہے کہ انکے لیے بھی گنجائش نکل آئے۔ کیونکہ کنور صاحب نے ایسی مثال نہیں قائم کی جس کی تقلید نہ ہو سکے۔

ہماری موجودہ تعلیم

رسالہ عصمت کا پراسپکٹس دیکھا میں اُس مسرت کو بیان نہیں کرسکتی جو مجھے اس کا اعلان دیکھکر ہوئی گو ملک میں پہلے بھی دو ایک اخبار اور رسالے موجود ہیں لیکن وہ ہماری ضرورت کے لیے کافی نہیں ہوسکتے خدا آپ کا بھلا کرے کہ آپ کو یہ خیال آیا اور آپ نے ہماری بیکسی کی حالت پر رحم کھایا مجھے بیکسی تو نہیں کہنی چاہیے کیونکہ چاروں طرف سے ہماری ترقی تعلیم بہتری و بہبودی کی تجویزیں سوچی جارہی ہیں اور عملی طور پر بھی کچھ نہ کچھ ہورہا ہے لیکن میرے خیال ناقص میں موجودہ تعلیم نے خاطر خواہ نتائج نہیں پیدا کیے۔ ہر شخص دل سے ہماری اصلاح کی فکر میں تو ہے لیکن مرض کی تشخیص ہی جب صحیح نہیں ہوتی تو علاج کیا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہورہا ہے کہ ہم پہلے سے بھی گئے گزرے میں یہ نہیں کہتی کہ تعلیم بُری چیز ہے نہیں تعلیم ہی ہماری اصلاح کا ایک ذریعہ ہے لیکن تعلیم کے ساتھ ہیں تربیت کی زیادہ ضرورت ہے ہماری تعلیم ہی کیا ہے۔ معمولی نوشت و خواند کوئی خط پڑھ لیا یا زیادہ سے زیادہ معمولی حساب کتاب وہ بھی ضرورت سے کم تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا آتے ہی ہم اپنے آپ کو تعلیم سے فارغ سمجھنے لگتے ہیں، بجائے اسکے کہ ہم اپنی تعلیم جاری رکھیں۔ معلومات وسیع کریں کئی بہنیں تعلیم سے فقط یہی فائدہ اُٹھاتی ہیں کہ بکثرت ناول پڑھنے لگ جاتی ہیں۔ بُرے ناول

جسقدر اخلاق کو بگاڑتے ہیں میں نہیں سمجھتی کہ کوئی اور چیز بگاڑ سکتی ہو۔ اور بے سمجھ لڑکیاں کتاب کے شوق میں ناول دیکھنے لگتی ہیں اور ناولوں کی خاطر اپنی تعلیم کو ادھورا چھوڑ دیتی ہیں۔ فن خانہ داری اور دیگر ضروری علوم سے بے بہرہ رہجاتی ہیں۔ اخلاق ہمارے بگڑ جاتے ہیں، گھر کے سب کام کاج چھوڑ کر ناولوں سے دل بہلاتی ہیں۔ مذہب سے ہم جاہل، دنیا کے نشیب و فراز سے ہم ناواقف غرضیکہ کچھ بھی حاصل نہیں کرتے اور تعلیم یافتہ کہلاتی ہیں۔

آجکل ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی بعض اور بھی برائیاں ہم میں آتی جاتی ہیں تعلیم جس میں دوسری قوموں کی تقلید کرنی چاہیے وہ تو پوری نہیں ہوتی لیکن فضول شوق خواہ مخواہ سیکھتی جاتی ہیں سیر و تماشہ کا شوق زیادہ غالب آیا جاتا ہے۔ تعلیم کا اثر ہم پر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہمارے مذہبی عقائد زیادہ مضبوط ہوتے ہم اپنے مذہب سے دوسری ان پڑھ عورتوں سے زیادہ اچھی طرح واقف ہوتے بلکہ اوروں کو سمجھاتے۔ کفایت شعاری ہمیں سیکھنی چاہیے تھی لیکن میں دیکھتی ہوں کہ ہم میں فضول خرچی کیطرف میلان بڑھتا جارہا ہے۔ فضول رسوم جن سے قوم کا روپیہ اور اخلاق خراب ہوں انکو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ہمارے پڑھے لکھے ہونے سے اتنا بھی فائدہ اگر نہ ہوا کہ جاہل اور ان پڑھ عورتوں کو بھی یہ تو ہماری تعلیم ہی بے سود رہی جہاں مرد کام نہیں کر سکتے وہاں ہمیں کرنا چاہیئے تھا ان باتوں کی اصلاح پر جدا جدا مضمون ہونے چاہئیں میں بھی انپر آئندہ لکھوں گی اور بہنیں بھی ایسے مفید مضامین پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔" (حمیدہ بانو از عصمت سرم)

تعلیم و تربیت

ریاست رامپور سے ایسے مضمون کا آنا جیسا کہ مضمون مندرجہ ذیل ہے
اس بات کی بین دلیل ہے کہ گزشتہ چند سالوں کی کوشش بیکار نہیں گئی
اور ملک میں ایسی خواتین پیدا ہوتی جاتی ہیں جو ضروری معاملات پر صائب
رائے دے سکیں اور جنھیں قوم کی ترقی سے سچی ہمدردی ہو۔ خدا ان کی
تعداد روز افزوں کرے اور ان کی ہمتوں میں برکت دے۔

ہمارے ہاں کچھ عرصہ سے عورتوں کی تعلیم کی طرف مردوں کو بہت توجہ ہوئی ہے اور ترقی بھی خاصی ہو رہی ہے مگر جس قدر پکار رہا اُس کا نصف حصہ بھی کوشش نہیں ہوئی ہے، زبانی جمع خرچ بہت ہے اور باقاعدہ تعلیم کا کہیں بھی بندوبست نہیں ہے۔ عام لوگوں کو عورتوں کی تعلیم پر توجہ نہیں ہے۔ اکثر لڑکیوں کو مولویوں سے پڑھایا جاتا ہے۔ جن سے زیادہ سے زیادہ لڑکیاں بارہ سال کی عمر تک پڑھ سکتی ہیں۔ اس عرصہ میں جیسا کہ پڑھانے کا قاعدہ ہے فارسی پر ڈال دی جاتی ہیں۔ اس سے خیر معمولی اُردو پڑھ سکتی ہیں اور کچھ لکھنا بھی آجاتا ہے۔ مگر حساب کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی جو کہ عورتوں کے واسطے بہت مفید ہے اور خانہ داری کے کاموں میں اس کی از حد ضرورت ہے۔ اب بھی بہت سے گھروں میں عورتوں کو پڑھانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر بہت سے لوگ جو تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں

اور چاہتے ہیں کہ اُن کی بیوی بہن بیٹی پڑہی لکھی اور لائق ہوں۔ وہ بھی صرف سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں مگر کسی قسم کی کوشش اُن کے پڑہانے لکھانے میں نہیں کرتے ہیں۔ اور خالی عورتوں کو کم عقل اور جاہل کہتے ہیں۔ اور اُن کو خیال نہیں ہوتا کہ یہ کس سبب سے جاہل ہیں۔ کیا شرع کی رُو سے تعلیم نسواں ممنوع ہی؟ ہمارے اسلاف کے وقت میں تعلیم نسواں کا رواج تھا یا نہیں؟ اور یہ کب سے اور کیوں موقوف ہوگیا؟ امر اول کی نسبت سب ہی کہینگے کہ تعلیم نسواں ممنوع نہیں شرع کی روسے عورتوں کو پڑہانا جائز ہی۔ اور اگر ناجائز ہوتا تو اہل اسلام کی عورتیں جو مقدسہ سمجھی جاتی ہیں۔ جو واقعہ میں اس لائق ہیں۔ کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلتے۔ اور اُن کی چال کو اپنا دستور العمل بناتے وہ علم اور فضل سے ضرور محروم رہتیں۔ ظاہر ہی کہ علم کے بغیر شرع کو مرد ہو یا عورت کوئی بخوبی نہیں جان سکتا اور جو بخوبی نہ سمجھیگا وہ ضرور دین میں ناقص رہیگا۔ پس دین کی ترقی کے لیے بھی لازم ہی کہ عورتیں تعلیم پائیں۔ اب تو یہ نوبت ہی کہ شریف بیبیاں نماز و روزہ کے سوا اپنے مذہب کی کوئی بات نہیں جانتی ہیں۔ بھوت پریت دیو و پری اور چڑیل کی قائل ہیں۔ جادو ٹونے بھی وہ اپنی مذہبی بات سمجھینگی تعلیم کی چاروں طرف پکار ہی۔ پھر بھی مناسب مذہبی تعلیم کا کسی کو بھی خیال نہیں ہی۔ جس سے عورتوں کے عقائد درست ہوں اور وہ توہمات سے نجات پائیں۔ مذہبی باتیں عورتیں بہت ہی کم سمجھتی ہیں وہ بھی سو میں چار آج کل تعلیم انگریزی کا بہت زور ہی۔ بیشک انگریزی تعلیم کی وقت کی مناسبت

سے ضرورت ہی اگر استقدر نہیں جتنی کہ مذہبی تعلیم کی جب تک عورتیں اپنے مذہب کو اچھی طرح نہ سمجھیں اور کسی قسم کی تعلیم ٹھیک نہیں۔ عورت اگر تعلیم یافتہ ہوگی تو بچے کو ابتدا سے عمدہ تعلیم دیگی اخلاق سکھائیگی۔ اچھی اچھی باتیں بتائیگی کیونکہ آٹھ نو برس کی عمر تک بچہ ماں ہی کے سپرد ہوتا ہی اور ماں کی تعلیم کا اُسپر اثر پڑتا ہی۔ اگر ماں تعلیم یافتہ ہی تو بچہ شروع میں جسقدر عمدہ تربیت ماں سے حاصل کرسکتا ہی اُس قدر کسی اور طرح ہرگز ممکن نہیں ہی۔

چھوٹی عمر میں لڑکے لڑکیاں ساتھ کھیلتے ہیں تو اُن کی ذہانت وغیرہ میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا۔

لڑکے جب بڑھتے ہیں تو اُن کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوجاتی ہی اور کالجوں میں داخل ہوکر مہذب اور تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ اور لڑکیاں گھر میں رہ کر بغیر تعلیم کے جاہل رہتی ہیں۔ خدا کا شکر ہی کہ علی گڑھ میں شیخ عبداللہ صاحب نے اپنی کوشش سے لڑکیوں کے واسطے اسکول کھولا ہی اُمید ہی کہ اس سے شریف لڑکیاں پڑھ لکھ کر نکلیں گی۔ جیسے علی گڑھ لڑکوں کے کالج کے سبب سے تعلیمی مرکز ہے۔ خدا کرے یہ چھوٹا سا زنانہ اسکول بھی اسی طرح عورتوں کے واسطے قابل فخر بنے اور وہاں کی تعلیم و تربیت ایسی ہی شہرت حاصل کرے جیسی علی گڑھ کالج کی تربیت کو حاصل ہی۔

دختر صاحبزادہ عبدالمجید خاں

(از رامپور)

گھر کی صفائی

مندرجۂ ذیل مضمون میں ایک نہایت ہی ضروری بحث شروع کی گئی ہے اور اس کی طرف جس قدر توجہ ہو کم ہے۔ ہم جناب خواجہ محمود حسین صاحب بی اے۔ رجسٹرار عدالت خفیفہ دہلی کے ممنون ہیں جن کی سفارش سے مسز خواجہ محمود حسین نے یہ مضمون ارسال کیا۔

ہماری بعض تعلیم یافتہ بہنوں کا یہ خیال ہے کہ سوائے انگریزی وضع کے مکانات یا کوٹھیوں کے دیسی طرز کے مکانات میں صفائی اور خوشنمائی پیدا ہونی ناممکن ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارا موجودہ طریق بود و باش سخت قابل اصلاح ہے اور تاوقتیکہ اس میں مناسب تبدیلیاں نہ کیجاویں انہیں آرام و آسائش کے ساتھ خوشنمائی اور خوبصورتی کی توقع کرنی لاحاصل ہے۔ مثلاً ہمارے گھروں کا بڑا دالان ذراسی تبدیلی سے بہت خوبصورت ڈرائینگ روم بن سکتا ہے لیکن اگر اسی ایک دالان سے اکٹھے اتنے کام لیے جائیں کہ کھانے سونے اُٹھنے بیٹھنے اور ملاقاتیوں سے ملنے کے کام میں لایا جائے بلکہ وہیں بیٹھکر ترکاری بنائی جائے اور جنس وغیرہ تولی جائے، کپڑا قطع اور سلایا کیا جائے تو ظاہر ہے کہ کتنی ہی صفائی وہاں کیوں نہ رکھی جائے کم ازکم وہاں کی ہوا صاف نہیں رہ سکتی پس سب سے مقدم یہ امر ہے کہ مکان کی تقسیم اس طور سے کیجاوے کہ اُسکا ایک حصّہ صرف ملاقاتیوں اور عزیز

سے ملنے اور فرصت کے وقت اُٹھنے بیٹھنے کے واسطے مخصوص رہے
اور اُسکو حسب حیثیت آراستہ رکھا جائے۔ کھانا کھانے کیواسطے علیحدہ
ایک جگہ ہونی چاہیئے اور اگر ممکن ہو سکے تو باہر کے رخ بہ صحنچی یا برآمدے
میں وہ جگہ ہونی چاہیئے۔ بعض انگریزی سفوف اور پوڈر اس قسم کے ہوتے
ہیں کہ اُنکے استعمال سے نہ صرف کمرہ کی بدبو جاتی رہتی ہے بلکہ اُسکی ہوا
بھی صاف ہوتی رہتی ہے انکا استعمال ضرور وقتاً فوقتاً کرنا چاہیے۔ سب سے
بڑی دشواری یہ ہے کہ ہماری اکثر بہنیں اپنی سستی اور کاہلی کیوجہ سے گھر کا
سامان ظروف وپارچہ جات وغیرہ اپنے بیٹھنے کے کمرہ میں رکھتی ہیں جسکی
وجہ سے خوشنمائی نہیں پیدا ہو سکتی پس اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ
گھرداری کے سب سامان علیحدہ کوٹھریوں میں رہیں۔ اس انتظام سے
نہ صرف کمروں کی صفائی میں سہولت ہو جاتی ہے بلکہ بہت سی چیزیں جو تتر
بتر پڑی رہنے کی وجہ سے گم یا چوری ہوتی رہتی ہیں حفاظت سے رکھی
رہتی ہیں۔ کھانا پکانے کے متعلق جسقدر سامان یا جنس ہو وہ باورچیخانہ
کے قریب کسی کوٹھری میں رکھی جائے۔

میری دانست میں اگر اس قسم کی تقسیم ہم اپنے مکانوں میں کریں تو
نہ صرف صفائی اور خوشنمائی حاصل ہو سکتی ہے بلکہ ہمارا بہت سا وقت ضائع
ہونے سے بچ سکتا ہے چیزوں کی حفاظت اور اُن کی صفائی کا بڑا اگر
یہ ہے کہ ہر ایک چیز کے واسطے ایک مخصوص جگہ ہو اور ہر چیز اپنی جگہ پر رہے
یعنی ایسی کوئی چیز خریدنی نہ چاہیئے جسکے رکھنے کیواسطے ہمارے پاس

گنجائش یا کافی جگہ نہ ہو اور جس جگہ سے جو چیز لیجائے بعد استعمال کے وہیں رکھدی جائے۔

قمر جہاں۔ کوچہ پنڈت۔ دہلی۔

فرانس کے نامور عالم پروفیسر رینان نے سپین کے مشہور مسلمان فلسفی ابن رشد اور اسکے فلسفہ پر جو کتاب لکھی ہے۔ اسمیں وہ لکھتا ہے کہ ابن رشد کی رائے عورتوں کی نسبت یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں جو اختلاف ہے وہ صلاحیت اور فطرت کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے ہے۔ عورتوں کی فطرت مردوں کی فطرت کے مشابہ ہے۔ مگر انکی موجودہ حالت مردوں کی حالت سے ادنیٰ درجہ کی ہے۔ بلاشبہ عورتیں مردوں کے سب کام انجام دے سکتی ہیں اور کبھی کبھی بعض کاموں مثلاً موسیقی وغیرہ میں اُنسے سبقت بھی لیجاتی ہیں۔ مگر ہماری موجودہ تمدنی حالت کا اقتضا یہ ہے کہ ہم عورتوں کی پوشیدہ اندرونی قوتوں کا خیال اور انکو ظہور میں لانیکی کوشش نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف بچے جننے اور پالنے اور گھر کے کام انجام دینے کے لیے پیدا ہوئی ہیں اور کسی کام کے لیے نہیں۔ عورتوں کی اس غلامانہ اور ذلیل حالت نے انکی اندرونی قوتوں کو پامال اور فنا کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ بڑے بڑے کام مردوں کی طرح بخوبی انجام دیسکتی ہیں۔ انکی زندگی ہمارے نزدیک گھاس پھوس کی زندگی سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ وہ مردوں پر بار ہیں اور انکی نظروں میں حقیر ہیں۔ ہمارے شہروں میں جو افلاس عالمگیر ہے اسکا سبب یہی ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہے اور انکو عام طور پر حصول معاش سے محروم کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی روزی مردوں کیطرح ہر قسم کا کام انجام دیکر بخوبی پیدا کرسکتی ہیں۔

شہرت کی خواہش

رسالہ خاتون کے ایڈیٹر شیخ عبداللہ صاحب بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی نے جو کوشش طبقۂ نسواں کی ترقی کے لیے کی ہے وہ محتاج توصیف نہیں۔ اُن کی اہلیہ اُن کی مساعی جمیلہ میں اُن کی شریک رہی ہیں۔ اور عصمت کے لیے جو اُسکے جاری ہوتے وقت مسز عبداللہ نے مضمون لکھا ہے یہ تعلیم نسواں سے اُن کی دلی ہمدردی کا عملی ثبوت ہے۔ ہم شکریہ کے ساتھ یہ مضمون درج کرتے ہیں۔

شہرت کی خواہش قدرتی طور پر ہر مرد اور عورت کو ہوتی ہے۔ ہر شخص کا یہ دل چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی بات میں اپنے اور غیر کی نگاہ میں ممتاز سمجھا جاؤں اور لوگ میرے مونہ پر اور میرے پیچھے میری تعریف کریں۔ جو سمجھدار لوگ ہیں وہ ایسے اچھے کام کرتے ہیں جن سے اُنکی شہرت ہو اور جسقدر جاہل لوگ ہیں وہ بجائے اس کے کہ اپنے اچھے کاموں سے نام حاصل کریں جھوٹی شیخی فضولخرچی وغیرہ سے اپنی ناموری چاہتے ہیں۔ کسی کو اور کوئی بات نہیں سوجھتی تو وہ اپنے باپ دادوں کی تعریف کرتا پھرتا ہے۔ جب کہ شہرت کی خواہش ایک قدرتی بات ہے تو بجائے اس کے کہ ہم شہرت کے طالبوں کو برا کہیں ہمیں چاہیے کہ جو شخص اچھے کام کرکے نام حاصل کرنا چاہے۔ فیاض دلی سے اُس کی

شہرت دوسروں میں پھیلائیں۔ اس کے اچھے کام کا بار بار ذکر کریں تاکہ اُس کی اور دوسرے لوگوں کی ہمت بندھے اور وہ خود اس سے زیادہ اچھے کام کرے اور دوسرے لوگ اس کی مثال کو اپنے سامنے رکھکر اچھے کاموں کی طرف مائل ہوں۔ ہم کسی کے دل کی باتیں جاننے کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ اگر ہم دیکھیں کہ کوئی شخص اچھا کام کررہا ہے تو پھر ہمکو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ یہ شخص جو اچھا کام کررہا ہے صرف اپنی شہرت اور ناموری کے لیے کررہا ہے۔ مردوں کے بارے میں تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ بیبیوں میں یہ بہت برا مرض ہے کہ جب کسی کو کوئی اچھا کام کرتے دیکھتی ہیں تو ناک بھوں چڑھا کر کہنے لگتی ہیں کہ یہ تو اپنے نام کے لیے کررہا ہے۔ اس کے دل میں سچی ہمدردی نہیں ہے اور نہ اس کی نیت بخیر ہے۔

شاید اس سے ان بیبیوں کا یہ مطلب ہو کہ کسی کو کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہیے۔ اگر کوئی کام نہ کرتا تو خود غرض اور شہرت کا طالب نہ کہلاتا۔ جہاں کام کرنا شروع کیا کہ لوگوں نے طعن اور تشنیع کی بوچھاڑ شروع کردی اگر کوئی شخص دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں یا کوئی نیک کام کرنے میں اپنی شہرت کا بھی خواہشمند ہو تو اس میں کسی کا کیا حرج ہے۔ دوسروں کو تو صرف اس کے کام سے غرض ہے۔ کہ اُسکے دل میں گھسنے کی کوئی ضرورت ہے۔ البتہ جو لوگ بلا کچھ کام کیے صرف جھوٹی شیخی یا باپ دادوں کے نام سے اپنی شہرت چاہتے ہیں وہ اسباب کے مستحق

نہیں ہیں کہ ہم لوگوں کے سامنے یہ کہتے پھریں کہ فلاں صاحب فلاں رئیس یا فلاں عالم یا شاعر کے صاحبزادے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کے متعلق ذکر کرنے میں ہم کو آپ کا وقت ضائع کرنا چاہیے جو محض نمود اور شہرت کی غرض سے بڑی دھوم دھام کی شادیاں کرتے ہیں۔

شہرت ایک تو سچی ہوتی ہی اور ایک جھوٹی۔ جو لوگ خالص نیت سے بے غرضانہ طور پر اچھے کام کرتے ہیں اور دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اُن کی شہرت ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہی اور جو لوگ محض نمود کے کام کرتے ہیں اُن کی شہرت اول تو کچھ بہت ہوتی نہیں۔ اور جو ہوتی بھی ہی تو چند روز میں اُسکا خاتمہ ہوجاتا ہی۔ اس لیے جو لوگ بلا خیال شہرت کے اچھے کام کرتے ہیں وہی زیادہ اور زیادہ دیر تک مشہور رہتے ہیں۔

مسز عبداللہ (از علی گڑھ)

سر ہنری کیمبل بینرمن آنجہانی وزیر اعظم انگلستان کی نعش پر اتنے پھول اور ہار چڑھائے گئے تھے کہ دو چھکڑے اُنسے بھر گئے اور راستے بھر پھولوں کی بارش ہوتی رہی۔ مگر ان معدودے چند ہاروں اور گلدستوں کو اُن کی قبر پر رہنے کا شرف حاصل ہوا ہی اُن میں ایک چھوٹا سا گلدستہ ایک غریب لڑکی کا بھی ہے۔ جو کئی میل پیدل سفر کرکے اُسے چڑھانے آئی تھی۔

اخبار و رسائل

مسز عبداللہ جن کا مضمون علی گڑھ سے آیا ہوا اسی پرچے میں شائع ہوا ہے دلی کے ایک تعلیم یافتہ خاندان سے ہیں اور جو ہمدردی انہیں تعلیم نسواں سے ہے۔ اُن کی بڑی بہن اور دیگر رشتہ دار سب اس میں شریک ہیں خصوصاً اُنکی ہمشیرہ صاحبہ جنکا مختصر سا مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ بہت ہی خلوص سے مستورات کی ترقی کی خواہاں ہیں اور دلی میں جو تحریک مستورات کے نفع کے لیے ہوتی ہے۔ اہیں وہ ضرور مدد دیتی ہیں۔

تعلیم کی ضرورت کو توسب نے مان لیا ہے۔ عورتوں کی تعلیم سے صفائی پاکیزگی بڑہیگی۔ اخلاقی حالت درست ہوگی۔ عمدہ اخلاقی تعلیم سے خیالات میں روشنی اور ترقی پیدا ہوگی۔ تعلیم سے انسان مہذب کہلاتا ہے خصوصاً بیبیوں کو اسوقت اس کی بڑی ضرورت ہے۔ مردوں کے لیے تو تعلیم و تہذیب سیکھنے کے لیے بہت سے ذرائع ہیں۔ کیونکہ وہ انگریزی جانتے ہیں اور انگریزی زبان میں بہت سی اخلاقی کتابیں ہیں۔ بہت سے معتبر اور مہذب اخبار و رسالے جاری ہیں مگر بیبیوں کے مہذب بننے اور دل بہلانے کو ابھی مفید کتابوں کی بھی کمی ہے۔ اور اخبارات اور رسالوں کی بھی۔ حالانکہ اخبارات اور رسالے تعلیم کے ذرائع میں ایک نہایت ہی ضروری ذریعہ ہیں۔ ناشکر گزاری ہوگی۔ اگر اس موقعہ پر

تہذیب النسواں لاہور اور رسالہ خاتون علی گڑھ کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے تعلیم نسواں کے جسم میں روح پھونکنے کا بیڑا اُٹھایا ہی اور تھوڑے عرصے میں چاروں طرف تعلیم کا شور مچا دیا۔ اور لوگوں کو تعلیم نسواں کیطرف متوجہ کر دیا ہی۔ تہذیب النسواں خاتون سے بہت پہلے اس خدمت میں مصروف ہی۔ اور خاتون نے چار رسال سے اس فرض کو اپنے ذمہ لیا ہی۔ گو اس تھوڑے عرصہ میں اُس نے جو ترقی کی ہی اس سے آیندہ بہت کچھ امید ہو سکتی ہی۔ مگر تعلیم نسواں کو ترقی دینے کے لیے حقیقت میں بہت سے اخباروں اور رسالوں کی ضرورت ہی۔ اسی لیے رسالہ عصمت کا اشتہار پڑھ کر مجھے نہایت خوشی حاصل ہوئی کہ دلی میں ایک رسالہ اس نام کا نکلنے والا ہی۔ دلی میں ایسے پرچے کی ضرورت تھی۔ میں مسرت کیساتھ اسکا خیر مقدم کرتی ہوں۔

سکندر جہاں بیگم

بیوہ ملکۂ اٹلی کی سادگی و خوش اعتقادی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہی کہ جب وہ اپنی موٹر گاڑی میں سیر و سفر کرتی ہیں تو اپنے مربی و ولی سینٹ کرسٹوفر کی تصویر جو چاندی کے پتر پر بنی ہوئی ہی گاڑی کے آگے لگا لیتی ہیں۔ تاکہ اُس کی برکت سے وہ ہر قسم کے حادثوں سے محفوظ رہیں۔ ملکہ موصوفہ کا اعتقاد ہی کہ سینٹ کی تصویر نے ابتک انکو گاڑی کے حادثہ سے بچائے رکھا ہی اور آیندہ بھی بچائیگی۔ اسلیے وہ اُسے بڑی حفاظت کیساتھ اپنے کمرے میں رکھتی ہیں اور اسکے بغیر کبھی باہر نہیں نکلتیں۔

عصمت کا خیر مقدم

مسز رضا اللہ جن کی ہمدردانہ کوششوں کا اس پرچے کے تمہیدی مضمون میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ایک روشن خیال خاتون ہیں۔ ان کے شوہر مسٹر رضا اللہ صاحب بی اے جو خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکا اللہ صاحب کے خلف الرشید ہیں۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اور رڑکی سے سند انجنیری حاصل کیے ہوئے ہیں۔ مسز رضا اللہ مستورات کی ترقی کی کوشش سے گویا اپنے معزز شوہر اور ممتاز خاندان کی شہرت میں معقول اضافہ کر رہی ہیں۔ اس مضمون میں انھوں نے اس رسالہ کے اجرا پر اپنی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

میں نے بہت خوشی سے رسالۂ عصمت کے جاری ہونے کا اعلان پڑھا اور اسکا خیر مقدم کرتی ہوں۔ کسی اخبار یا رسالے کے جاری ہونے کی خوشی کرنی بہت آسان ہے۔ لیکن اس کو مدد دینی بہت مشکل ہے۔ اگر ہمارے ملک میں تعلیم نسواں کو ترقی ہو جاے تو یہ چار پانچ اخبار یا رسالے چلنے کچھ مشکل نہیں۔ اخبار تہذیب نسواں دس گیارہ سال سے نکلتا ہے۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ بہت سے گھرانے ایسے ہیں جو تہذیب کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اسی طرح خاتون کئی سال سے جاری ہے لیکن بہت لوگ اس سے آگاہ نہیں۔ ابھی علم کا شوق پورا پیدا ہی نہیں ہوا۔ جن کے پاس اخبار یا رسالے جاتے ہیں ان میں سے بہت سی بیبیاں ایسی ہیں جن کے پاس

سال میں ایک مضمون لکھنے کے لیے بھی وقت نہیں ہے۔ عدیم الفرصتی کا استعمال آج کل فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ وقت کی کمی کی شکایت بنے لیے علیٰ درجہ کی طرز سمجھی جاتی ہے۔ بہت سی بیبیوں کے زبردستی عدیم الفرصت بننے کی ایجاد نے اُنکا بھی اعتبار کھو دیا ہے جو درحقیقت کم فرصت ہیں۔ میں جس بی بی سے مصروفیت کا لفظ سنتی ہوں اُن سے اُن کے سارے دن کے کاموں کی فہرست دریافت کرتی ہوں۔ اور اُن میں سے بہت کام ایسے معلوم ہوتے ہیں جو منٹوں میں ہو سکتے ہیں۔ مگر گھنٹوں میں پورے ہوئے اور وقت اسی طرح نکل گیا۔ اصل یہ ہے کہ کم فرصتی کا عذر ایک حد تک ٹھیک بھی ہوتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہاں عام رواج یہ ہے کہ کام کم باتیں زیادہ۔ ایک کام کرنے بیٹھے وہ بات میں ہے، زمانہ بھر کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وقت نکلا جا رہا ہے۔ کام بات میں رکھا ہے۔ پاؤ گھنٹے کے بدلے دو گھنٹے ہو گئے خبر نہیں۔ دن میں ایک کپڑا سیا یا ایک مضمون لکھا تو بس دن غائب ہے۔ گھر کے اور کام بھنڈ ہو گئے۔ نام کام کا ذکر دنیا بھر کا۔

اگر اخبار یا رسالوں کی کل خریداروں میں سے ہر ایک بہن کم از کم چار پانچ مضمون بھی ہر سال لکھیں تو بھی اخباروں کو خاصی مدد ملے۔ اور زنانہ اخبار خاصی ترقی کر جائیں۔

امید ہے کہ رسالہ عصمت کی بہت سی بیبیاں خریدار ہوں گی اور اس میں مضمون لکھ کر ایڈیٹر صاحب کی ہمت بڑھائیں گی۔ جس مفید کام

کے ساتھ نسواں کا نام آئے اُس کی مدد ہم سب کو ضرور کرنی چاہیے خصوصاً
دہلی کی بہنوں کو ضرور اس کی ترقی اشاعت میں کوشش کرنی چاہیے
کیونکہ دہلی میں کوئی اخبار یا رسالہ خاص مستورات کے لیے نہیں
نکلتا ہے۔ اور یہ اتنا بڑا شہر تعلیم نسواں میں بہت ہی پیچھے ہے۔ اُمید ہے
کہ رسالہ عصمت کے ایڈیٹر صاحب دہلی کی خاتونوں کی ترقی کے
لیے اس کا معقول حصہ صرف فرما کر اُن کو شکرگزاری کا موقعہ دینگے

سُلطان بیگم

فال نیک۔ ہم اسے عصمت کی کامیابی اور ہر دل عزیزی کی
فال نیک سمجھتے ہیں کہ پہلے ہی پرچے میں اسے مستورات کے اتنے مضامین
ہات لگے اور معزز خواتین کے اتنے خطوط اسکے حصۂ مراسلت کے لیے آئے
کہ مردوں کے کئی آئے ہوئے مضمون روک لینے پڑے اور اسپر بھی رسالے
کی مجوزہ ضخامت منظور شدہ مضامین کے لیے کافی نہ رہی۔ پراسپکٹس میں
رسالہ ۳۲ صفحے کا قرار دیا گیا تھا مگر پہلا پرچہ ۴۸ صفحہ کا نکلتا ہے یعنی ۱۶ صفحہ ناظرین
کو مفت نذر کیے جاتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ہم پرچے کو دلچسپ بنانے اور ناظرین
اور مضمون نگاروں کی خوشنودی کے لیے زائد مصارف کا بوجھ اٹھانے کو بھی حاضر
ہیں اور اگر ناظرین گرمجوشی سے رسالہ کی مدد پر کمر بستہ ہونگے۔ تو انشاءاللہ تعالےٰ
یہ ہر طرح کی خوبیوں سے روز بروز آراستہ ہوتا جائیگا اور عجب نہیں کہ اشاعت
کے بڑھنے پر ہم اسی قیمت میں صفحوں کی تعداد مستقل طور پر بڑھا سکیں۔

ایک دلچسپ مکالمہ

یہ مضمون ایک ایسی خاتون کا لکھا ہوا ہے جن کی تحریرات سے اخبار بین دنیا پہلے ہی سے واقف ہے۔ اور جنکے مضامین قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس لیے ناظرین عصمت سے اُن کی معرفی کی ضرورت نہیں۔ بہت سی اُردو پڑھنے والیاں انھیں جانتی ہیں اور جو نہیں جانتیں وہ اب واقف ہوجائینگی۔ کیونکہ وہ مستقل مضمون نگاری کا وعدہ فرماتی ہیں البتہ جو چیز انھیں خاص شکریہ کا مستحق بناتی ہے وہ یہ ہے کہ باوجود بیمار ہونے کے اُنھوں نے یہ مضمون لکھکر بھیجا۔

۷ بجے صبح کے وقت اپنے کمرے کے برآمدے میں بنت م۔ن۔ اور اُن کی ایک دوست بنت حیدر بیٹھی چاء پی رہی تھیں۔ ایک میز پر چاء کا سامان رکھا تھا۔ اور اُسکے ساتھ ہی ایک اور گول میز لگی تھی جسپر ایک سبز ورق کی کتاب رکھی تھی۔ بنت م۔ن کے ہات توچاءدانی پر تھے اور نظر اس سبز کتاب پر۔ اُن کی سہیلی خاموش دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں بنت م۔ن نے چاءدانی اٹھائی اور پیالی میں چاء ڈالنی شروع کی۔ چونکہ خیال اور آنکھ گول میز پر لگے تھے معلوم نہ ہوا کہ پیالی بھر گئی چاء جب پیالی کو لبریز کرکے میز پر سے بہتی ہوئی اُن کے لباس پر پڑی اور گرم معلوم ہوئی تب اوہ! اوہ!! کہتی ہوئی اُٹھیں اور بنت حیدر سے کہا۔ واہ آپ بھی خوب ہیں، تمام چاء گر گئی نہ تو مجھے ہی خبر کی نہ چاءدانی

میرے ہات سے لے لی"۔

بنت حیدر۔(زور سے جھنکراہیں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کہا تک آپ ایسی غافل رہینگی۔ آخر کتاب میں کیا رکھا تھا۔ رسالہ مخزن ہی ہے جو ہمیشہ آتا ہے۔ اس میں کیا تھا جو اسقدر محو ہو گئیں۔

بنت م۔ ن۔ آپ کیا جانتی ہیں کہ اس میں کیا ہے؟ یوں تو ہمیشہ ہی میں اس کو شوق سے پڑہتی ہوں۔ بعض اوقات چاء اور رکھنے کا وقت بھی ٹل جاتا ہے تو پروا نہیں کرتی جب تک کہ ختم نہ کر لوں لیکن آج ایک خاص بات ہے، چاء پی لو۔ تو سناؤں۔

بنت حیدر۔ پی کیا لوں۔ آپ نے چاء تو تمام گرا دی۔ بلکہ اسکے گرنے سے کیک اور بسکٹ بھی سب گل گئے۔ یہ طوطوں کا کھانا آپ ہی کھائیں۔

بنت م۔ ن۔ نے گھنٹی کے ذریعہ نوکر کو بلا کر دوبارہ چاء منگوائی اور وہ میز سنبھا دی گئی۔ چاء سے فراغت پا کر بنت م۔ ن۔ نے کہا۔ بہن سچ کہنا۔ مخزن کی عمدہ حالت اُس کے اعلیٰ مضامین دیکھکر تمھیں کبھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ کاش اسیں سے ہمیں بھی حصہ ملتا۔؟

بنت حیدر۔ بیشک بہت دفعہ۔ بلکہ میں تو ایک آرٹیکل میں لکھنا چاہتی تھی کہ یہ بخل اچھا نہیں۔ اس علمی دعوت میں ہمیں بھی شریک کیا جائے اور خصوصاً جب سے دفتر مخزن دہلی گیا ہے بے طرح دل کو لگی تھی کہ اپنا حق مانگیں کہ اور نہیں تو مخزن ہی کے کچھ اوراق ہمارے لیے مخصوص

کر دیئے جائیں۔

بنت م۔ ن۔ اور کچھ نہ ہونے سے تو یہ بھی غنیمت ہوتا۔ مگر یہ کچھ ٹھیک نہیں کہ مردانہ رسالہ میں زنانہ حصہ ہو۔ یعنی اب کچھ ورق ہمیں دلائے جائیں۔ یہ ہمارے لیے بھی کافی نہ تھا۔ اور اغلب ہے کہ بہت سے مردوں کو بھی اس پر اعتراض ہوتا۔ پس اس حالت میں ضروری تھا کہ ہمارے لیے الگ رسالہ ہو۔

بنت حیدر۔ لیکن اب تو اکثر بہنیں مخزن پڑھتی ہیں۔ پھر الگ رسالہ کی ایسی کیا ضرورت تھی ہے۔

بنت م۔ ن۔ وہی پڑھتی ہیں جو یا تو خود روشن خیال ہیں یا اُن کی سرپرست آزاد خیال ہیں اور بیشتر وں بھی نہیں پڑھ سکتیں کہ اس کے کئی مضامین اُن کی سمجھ سے اونچے ہوتے ہیں۔ دوسرے بعض حضرات بہ سبب غزلیات کے مخزن عورتوں کو پڑھنے کے لیے دینا بھی نہیں چاہتے۔

بنت حیدر۔ ہاں یہ درست ہے لیکن میرے ابا جان تو ہمیشہ مجھ سے ہی سنا کرتے ہیں۔ حالانکہ عام طور پر ایشیائی شاعری کے مخالف ہیں۔

بنت م۔ ن۔ ایک آپ کے ابا جان ایسے ہوئے اول تو وہ آزادی پسند تعلیم یافتہ ہیں۔ زیادہ روک ٹوک وہی کرتے ہیں جن میں خود اخلاقی کمزوری ہو۔ وہ غزل سے تو کیا نظم سے ڈرتے ہیں۔ تاہم سچ کہنا کبھی تم نے اپنے ابا جان کو کوئی غزل بھی سنائی ہے؟

بنت حیدر۔ یہی غزل سنانا گیا۔ میں نے خود بھی غزلیات کا حصہ کبھی نہیں پڑھا۔ حصہ نظم وہیں تک پڑھتی ہوں جہاں تک اخلاقی یا نیچرل نظمیں ہوتی ہیں۔"

بنت م۔ن۔ بس پھر ان وجوہات کے ہوتے ہوئے لازم ہی کہ ہمارا رسالہ الگ ہو۔

بنت حیدر۔ خیر یہ تو ہوا۔ اپنی اپنی رائے ہی۔ آپ یہ تو بتائیں کہ آج مخزن میں لکھا کیا تھا۔ جس سے آپ اسقدر بیخود ہو گئیں۔

بنت م۔ن۔ مطبع مخزن سے خاص ہمارے لیے ایک نیا رسالہ شائع ہوگا۔ جسکا نام "عصمت" ہی۔

بنت حیدر۔ عصمت؟ صرف عصمت یا عصمت النسا۔؟

بنت م۔ن۔ صرف عصمت۔

بنت حیدر۔ اچھا سارا مضمون سناؤ جسمیں یہ خوشخبری درج ہی

بنت م۔ن۔ نے مخزن اٹھا اور با آواز پڑھنا شروع کیا۔

بنت حیدر۔ آپ تو ضرور خریدینگی۔ آپ کو تو اخباروں۔ اور رسالوں کا خبط ہی۔ اور آپ کے ابا جان کو بھی۔ مخزن اور دیگر بے شمار پرچے الگ رہتے ہیں۔ تہذیب النسواں۔ پردہ نشیں۔ خاتون الگ، اندر آپ کی سنہری میز پر رہتے ہیں۔ مگر ہم سے یہ نیا پرچہ نہ خریدا جائیگا آخر اخباروں کے چندہ کی کوئی حد بھی ہی؟

بنت م۔ن۔ واہ یہ پرچہ تو میری تمام سہیلیوں کو لینا پڑیگا

جو عصمت کی حامی نہ ہوگی اُسکو میرا ہمیشہ کو سلام ہے۔

بنت حیدر ۔ بہن یہی حال ہو تو تمہاری سہیلیاں اب خود تمکو چھوڑ دینگی۔ پچھلے ہفتہ کا ذکر ہو کہ ایک شادی میں تمہاری کئی سہیلیاں ملیں جب باتوں باتوں میں آپ کا ذکر آیا تو کہنے لگیں۔ اُن سے دوستی نباہنا سخت مشکل ہے۔ جو اُنکے رسالے خریدے وہ دوست بنے پہلے تہذیب کا تقاضا تھا جیسے ایک ہی پرچہ تھا شوق شوق میں سب نے لے لیا پھر خاتون کا تقاضا آیا۔ اُس کے بعد پردہ نشین نکلا۔ وہ تو سب نے لیے۔ اب کوئی کہاں تک اُنکا ساتھ دے۔ سُنا ہے وہ "عصمت النسا" کے خیر مقدم کو بھی طیار ہیں اور ہمیں بھی استقبال کمیٹی کے ممبر (خریدار) بنانا چاہتی ہیں۔ اس کی بابت ابھی سوچ ہی رہی تھیں کہ پچھلے البشیر میں ولایت فاطمہ صاحبہ نے ایک اور پرچہ کی آمد کی خبر دی ہے بھلا کہاں تک روز نئے مہمانوں کی میزبانی کریں۔

یہ الفاظ اُن سب بہنوں کے تھے جو آپ کی سہیلیاں مشہور ہیں اور مجھسے شادی میں ملی تھیں۔

بنت عم ن ۔ افسوس کے ساتھ ٹھنڈا سانس کھینچکر۔ آہ یہی حالت ہے۔ تب ہی ذلت میں بسر ہو رہی ہے۔ جو ایسی باتیں کہتی ہیں وہ میری سہیلیاں نہیں ہیں میں دوست اُسی کو سمجھتی ہوں جو ہمخیال ہو یہ ملاقات کا جال صرف اسی لیے پھیلا رکھا تھا کہ چندہ وغیرہ ملیگا انجمن خاتونان ہمدرد اور نارمل سکول وغیرہ کے لیے آئے دن

ضرورت رہتی ہے۔ اگر وہ اُن کاموں میں جو اصل میں انہیں کے کام ہیں میرا ہاتھ نہ بٹائینگی تو میں بھی اُن سے زیادہ سروکار نہ رکھونگی۔ چار پانچ مخالف ہونگی تو دس میں موافق بھی نکل آئینگی۔ خدائی کارخانے کہیں بند نہیں ہوتے" ایک وہ ملک ہیں جہاں بیسیوں زنانہ رسالے ہیں جبتک ہندوستان میں سب سے زنانے پرچے نہ ہونگے پوری ترقی کی امید نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جبتک ترقی کی تدبیروں میں عورتیں مردوں کا ساتھ نہ دینگی۔ کیا ہوسکتا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم ہاتوں ہات اپنے رسالوں کے مالکوں کی مدد کریں اور پرچہ کو اپنا ذاتی پرچہ جانکر کوشش کریں۔ ہماری حالت پر افسوس ہوگا اگر ہم اتنا بھی نکر سکیں کہ چار پانچ زنانہ پرچے چلالیں مخزن کو عروج کیوں نصیب ہوا؟ صرف اسلیے کہ اسے مضمون نگار تعلیم یافتہ مل گئے اور پڑھنے والوں نے خریداروں کی تعداد بڑھائی۔ پس رسالہ عصمت کے لیے اگر ہم اپنے وقت کا تھوڑا سا حصہ قربان کردیں اور دل سے اُس کی مدد کریں تو یہ بھی اسی طرح عروج پاسکتا ہے کوئی شریف گھر تہذیب اور عصمت سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ میری دلی دعا ہے خدا کرے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں کوئی گھر ایسا نہ ہو جسکے زنانہ میل پر رسالہ عصمت نہو۔ میں حتی الوسع اسکی ترقی اشاعت میں کوشش کرونگی اور آپ بھی اپنے حلقہ اثر میں کہیں سنیں کوشش کرنا ہمارا کام ہے۔ کامیابی خدا کے ہات ہے۔ میں اب اپنی اُن بہنوں کو خط لکھتی ہوں جو دوسرے شہروں میں ہیں۔ اسکے بعد بنت م۔ اُن خط لکھنے بیٹھ گئیں اور اُنکی سہیلی بھی اُن کی گرمجوشی سے کچھ نہ کچھ متاثر ہو کر گھر گئیں۔

(بنت نذر الباقر)

بچوں کا رکھ رکھاؤ

ناسمجھ مائیں

ایک زمانہ ہوا دہلی میں عورتوں کے لیے ایک اخبار نکلا تھا جس کا نام اخبار النسا تھا اور مولوی سید احمد صاحب دہلوی فرہنگ آصفیہ کے مشہور مؤلف اسکے ایڈیٹر تھے۔ آج سے بیس برس پہلے اس ضرورت کیطرف متوجہ ہونا نہایت قابل داد ہے۔ اس اخبار میں مولوی صاحب نے مفید مضامین کا ایک سلسلہ "بچوں کے رکھ رکھاؤ" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اب چونکہ وہ مضامین کمیاب ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ انکے مفید مطالب سے موجودہ نسل کو بھی آگاہی ہو۔ ہم مولوی صاحب کے دل سے ممنون ہیں کہ انھوں نے ایک تازہ مضمون خاص عصمت کے لیے دیا ہے جو آیندہ درج ہوگا اور علاوہ اسکے عصمت میں بچوں کا رکھ رکھاؤ کسیقدر ترمیم کیساتھ شائع کرنیکے لیے عنایت کیا ہے جس کی پہلی قسط آج پیش کی جاتی ہے۔

شاید اس مقولے سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ "ماں سے سوا چاہے سو پھاپھا کٹنی کہلائے" کیونکہ ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ایک ہی طرح کی ماتا نہیں ہوتی۔ بلکہ اُسے بہت سی مختلف قسم کی محبتیں گھیرے رہتی ہیں۔ پیٹ میں رکھنے کی ماتا اُسے ہوتی ہے۔ نو مہینے تک محتاط رہنے اور طرح طرح کا پرہیز کرنے کی ماتا اُسے ہوتی ہے۔ اسکے بعد ہر وقت گود میں رکھنے خدمت کرنے سُوکھی

رمی سے بچنے بچانے راتوں کو جاگنے۔ دودھ پلانے گیلے میں آپ سوکھے میں اُسے سُلانے کی ماں تاب رکھتی ہے۔ اپنی بھری گود پر ناز اُسے ہوتا ہے۔ صاحب اولاد ہونے پر غرّہ کرتی ہے۔ ماں کہلانے سے پھولی وہ نہیں سماتی بچہ کی ضد سے وہ نہیں گھبراتی۔ جوں جوں بچہ ہنکارا بھرتا ہے ان کی جان میں جان آتی ہے جس قدر چونچال ہوتا ہے۔ دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی ہے سوتے بچہ پر پیار اُسے آتا ہے ہمکتے بچہ کو میٹھی میٹھی نظروں سے وہ دیکھتی ہے۔ بچہ گھٹنیوں چلتا ہے۔ یہ زمین صاف کرتی ہے۔ وہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ گڑولنا منگا دیتی ہے۔ اپنا بچہ کیسا ہی شریر خطاوار ہو۔ ماں کی نظروں میں سو خوبیوں کا ایک غریب اور ہزار بے قصوروں کا ایک بے قصور ہے۔ وہ خواہ مخواہ روٹھتا ہے یہ دوڑی منانے چلی جاتی ہے۔ وہ گھر کتا ہے یہ کھڑی ہنستی ہے۔ اگر اُسے ذراسی تکلیف ہو تو اس کی جان بے کل ہو جاتی ہے۔ جھونٹوں بھی نظر گزرے۔ سائے جھپیٹے کا وہم گزرتا ہے تو جس جس سیانے مُلّانے کے پاس کہتے ہیں لیے لیے پھرتی ہے۔ سیدوں کے تھان پیر پیغمبر کے مزاروں پر جا جا کر ناک رگڑتی ہے۔ مگر جاہو ذرا اس تکلیف اس دُکھ کے اصلی سبب پر غور کرے۔ ہرگز نہیں۔ یہاں تک کہ بچہ چند روز میں گھل گھل کر ہاتھ سے کھیل جاتا ہے۔ اس وقت باری باری سے ایک ایک محبت آ کر مقابلہ کرتی ہے۔ گھڑی خالی گود دیکھ کر روتی ہے۔ گھڑی بھرا بھرا گھر دیکھ کر پیٹتی ہے۔ کبھی اُس کی باتیں یاد کر کے دل مسوستی ہے۔ کبھی اُس کے کھلونے اُٹھا اُٹھا کر سینہ دھنتی ہے۔ اُس کے کپڑے کا ایک ایک تار اُسے زار و قطار رُلاتا

اور غمزہ کا تار باندھ دیتا ہے۔ لیکن جب وقت گزر گیا۔ سانپ نکل گیا۔ طوطا اُڑ گیا۔ پانی بہ گیا پھر کیا ہو سکتا ہے؟ اکثر بچے جو دس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ان کی جانوں کا عزرائیل ان کا چنگیز خاں، ان کا ہلاکو کون ہے؟ یہی ناسمجھ مائیں یا ناتجربہ کار طبیب یا نیم مُلّانے سیانے جن کی بے اعتدالیاں ہونہار پودوں کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیتی ہیں۔ ماں کی پاک محبت اور خالص الفت میں کچھ شبہ نہیں مگر اس کی جہالت اُس کے وہم اُس کے وسواس کا کیا علاج؟ یہ باتیں اس مضمون الفت فدائے محبت کو ایسا اندھا بنا دیتی ہیں کہ اُسے کچھ نہیں سوجھائی دیتا۔ ماؤں کو جو اولاد کے گزر جانے سے صدمہ پہنچتا ہے وہ انھیں کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ سنگین دل سے سنگین دل بھی اُن کے پھوٹ پھوٹ کے رونے کو نہیں دیکھ سکتا۔ سچ ہے پیٹ کی آگ بُری ہوتی ہے اور درد کی آواز غضب، مگر ہم پھر بھی کہتے ہیں کہ بچوں کی جانیں اُن کی بے دردا اور ناسمجھ مائیں کھوتی ہیں۔ کیونکہ وہ اُن چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف جن سے بچے بالکل تندرست رہیں ذرا توجہ نہیں کرتیں۔ اور نہ ایسی چُھٹی پٹی دوائیں اور ترکیبیں ہی دھیان میں رکھتی ہیں جن سے اپنے بچوں کا علاج وقت گزر جانے سے پہلے آپ ہی کر لیا کریں۔

ملہ یہ صحیح لفظ چُھٹی پُٹی یعنی جڑی بوٹی ہے۔ چنانچہ صاحبان ہنود میں اب بھی اسی طرح بولتے ہیں مگر مسلمانوں نے اس جیم کو جیم فارسی سے بدل کر فصیح خیال کر لیا ہے۔

اول کی روک تھام پیچھے کے بڑے بڑے علاجوں اور بے وقت کی دوڑ سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اپنے بچے کا علاج جیسا اُن کی درد مند مائیں آپ کریں گی دوسرا کب کرسکتا ہے۔ شائستہ ملکوں کی عورتیں اپنے بچوں کی غور و پرداخت ایسی عمدہ کرتی ہیں کہ لالچی طبیب اور حکیم نادان بھی ویسی نہیں کرسکتا۔ اگر ماں ذرا عقلمند ہو اور اتنا سمجھے کہ ہمارا بچہ ہمارا ہی گوشت پوست ہمارا ہی کلیجہ ہمارا ہی خون۔ ہماری ہی طبیعت ہماری ہی رنج ہے، تو وہ جان سکتی ہے کہ ہمارے ہی جسم کی ہر ایک چیز اس کی دوا۔ اور ہماری ہی ہر ایک تدبیر اُس کا ٹھیک علاج ہے۔ جہاں زہر ہوتا ہے وہیں کسی کونے میں تریاق بھی ضرور ہوتا ہے۔ مگر اس کی پہچان اُسی شخص کو ہوتی ہے جسے خدائے تعالےٰ اس کے دیکھنے اور پرکھنے کی آنکھیں دیتا ہے۔

پیرس واقع فرانس میں بچوں کی ایک پرورش گاہ بنی ہوئی ہے۔ جو شخص اپنے بچوں کو آپ پالنا دشوار سمجھتا یا اس مخمصہ سے علیحدہ رہنا چاہتا ہے وہ معمولی فیس دیکر اس پروش گاہ میں بھیجدیتا ہے۔ اس پرورش گھر میں وہاں کی کمیٹی کی طرف سے بڑی بڑی لائق اور کارگزار انائیں۔ دائیاں۔ کھلائیاں۔ حکیم۔ طبیب۔ ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ خوراک، پوشاک اور صحت کا انتظام ایسا ہے کہ شاید گھر میں ایک آدمی ویسا نہ کرسکے۔ اس میں ہر سال جتنے بچے پرورش کیواسطے داخل ہوتے ہیں۔ اُنھیں سے بہت تھوڑے ایک حقیقی درد مند ماں کے نہ ہونے کے دکھ [illegible]

کی عمر تک پہنچتے ہیں۔ کیا وہاں عمدہ ڈاکٹر نہیں ہیں؟ بیشک ہیں بلکہ بڑے بڑے تنخواہ دار اور تجربہ کار ہیں کہیں ایک ڈاکٹر ہوتا ہو یہاں سیکڑوں ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ کیا اُن بچوں کو اچھی خوراک اور پوشاک نہیں ملتی؟ بیشک ملتی ہے۔ بلکہ وہ حکمت کے موافق۔ اور طبی قاعدے کے اُصول پر ہوتی ہے۔ معمولی اوقات پر ہوا کھلانے بھیں لے جاتے ہیں مفید ورزش اُنسے کراتے ہیں۔ کھیلتے وہ ہیں کودتے وہ ہیں۔ مگر پھر کیا وجہ ہے کہ اس محافظت اور انتظام پر تھوڑے جیتے بچتے اور باقی قبرستان کی گود میں جا سوتے ہیں۔ یہی ہے کہ ماں سی درد مند انا، ماں کا سا دودھ۔ ماں کی سی طبیعت وہاں میسر نہیں آتی۔ کسی کا مزاج کچھ ہوتا ہے کسی کی طبیعت کچھ ہوتی ہے۔ پس اس وجہ سے کچھ انگ نہیں لگتا۔ اور بہت سے بچے تلف ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اکثر درد مند ماؤں کو اس امر کا مقر پایا اور کہتے ہوئے سُنا ہے کہ بیشک ہمارے بچے چھٹپن اور دودھ پینے کے زمانہ میں اکثر ایسے مرضوں میں گھر کر ناگہانی موت کے پنجے میں آجاتے ہیں۔ جو خاص اُن کی عمر کے تقاضے اور طفولیت کے زمانہ کے موافق پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ہم کیا کریں سمجھتے سب کچھ ہیں لیکن نہ تو ان مرضوں کو پہچان سکتے ہیں، اور نہ ان کا علاج ہی ہمیں آتا ہے۔ ناچار اپنے جگر کے ٹکڑوں آنکھوں کے تارے، کو یا تو اُن ملانوں۔ سیانوں کے سپرد کرتے ہیں جنھیں خدائی کا دعوے اور اپنے کیڑے مکوڑوں پر بڑا بھروسہ ہے یا اُن

حکیموں کے ہاں لیجاتے ہیں۔ جن کے پاس اور لوگوں کو بھی جاتے دیکھتے ہیں۔ ہمیں وہ تجربہ کار اور علم طب سے واقف ہوں یا نہوں۔ ہم جاہل ان پڑھ ہیں۔ ہمیں کیا خبر ہی کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہی۔ البتہ جہاں تک ہماری سمجھ پہنچتی ہی اُس میں ہم کوتاہی نہیں کرتے واقع میں اُنکا کہنا سچ اور قابل اعتبار ہی۔ اگر ہم آج کو علم سکھانے بیٹھیں اُن سے انکو نہ چڑاتے تو یہ باتیں نہ سُنتے۔ لیکن اس میں اُن کا گمان بھی ذرا غلطی پر ہی۔ کیونکہ ہر ایک ماں اگر دل پر رکھے تو وہ تین گھنٹے کے مطالعہ میں اُن باتوں کو جن سے وہ اپنی ناواقفیت ظاہر کرتی اور بہنے باتوں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کھوتی ہی معلوم کرسکتی ہی۔ ذرا سا پودا لگاتے ہیں تو اُسے بھی گرم و سرد ہوا سے بچاتے ہیں۔ کیا مائیں اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کرسکتیں؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک شخص جو طبیب یا حکیم کہلاتا ہی وہ بچوں کے علاج سے پورا پورا واقف نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ملکہ خاص خاص لوگوں کو جو اکثر اسی میں مصروف رہتے ہیں ایسا ہو جاتا ہی کہ اُن کے آگے طبیب بھی کان پکڑتے ہیں کیونکہ یہ باتیں تجربہ پر موقوف ہیں۔ ہم نے دیکھا ہی کہ بعض بڑی بوڑھیاں یا وہ عورتیں جن کے اکثر بچے مرتے رہتے ہیں اور انھیں اس طرف توجہ ہوتی ہی۔ چھٹی ہی سے طبیبوں کی نسبت اچھا علاج کرلیتی ہیں۔ لیکن ہم اُن کو بھی آگاہ کرتے ہیں کہ وہ بچوں کا علاج معدنیات یعنی دھاتوں سے بھول کر نہ کریں۔ مثلاً پارہ۔ شنجرف۔ سیسہ۔ ہرتال۔ سنکھیا۔ سہاگہ

نوشادر وغیرہ جس نسخہ میں ہو اُسے ہات سے نہ چھوئیں۔ کیونکہ بچوں
کے قوے ان چیزوں کے ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے۔ اکثر لوگ بچوں کو بنی
بنائی گولیاں تقسیم کرتے ہیں۔ چونکہ مُنڈاجوگی اور پسی دوا پہچاننے
میں نہیں آتی۔ اس لیئے تاوقتیکہ اس کے اجزا معلوم نہ کرلیں
اور ثابت نہ ہو جائے کہ اس میں کسی کافی چیز کی لاگ تو نہیں ہی مطلق
بچہ کو نہ کھلائیں۔ البتہ جن طبیبوں کا ہات بچوں کو راس ہو اور وہ خاص
اس کام میں کامل درک رکھتے ہوں انکا علاج بلاشبہ مفید اور فائدہ بخش ہوگا۔
پس ہم بچوں کی صحت لازم سمجھ کر زیادہ تر بچوں کے امراض کی شناخت، انکا
آسان معالجہ جو ہر ایک ماں اپنے آپ کرلے۔ خاص اس فن کے نامی حکما،
یورپ کے رسالوں کے حوالوں اور اپنے ہندوستانیوں کے ذاتی تجربوں سے
لکھیں گے۔ ہمارے نزدیک جس ماں کو اپنے بچے کی جان عزیز ہو وہ۔ اور جو
عورتیں، اناگیری یا بچوں کی نوکریاں کرتی ہیں وہ اکثر ایسی دوائیں جو ہر وقت
کام آتی ہیں۔ اپنے پاس لگائے رکھیں، اور جو ترکیبیں ہم بیان کرتے ہیں انھیں
یاد کرلیں کیونکہ بعض وقت طبیب کے آنے نسخہ لکھنے اور بند ہو لانے میں اس قدر
عرصہ لگجاتا ہی کہ یہیں بچہ کا مرض بڑھ کر قابو سے نکلجاتا ہی۔ ہم یہ بھی صلاح نہیں
دیتے کہ ہر ایک بچہ والی اپنے گھر کو خواہ نخواہ عطار خانہ بنالے بلکہ اس سے آسان
ترکیب یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایک کاغذ پر ان دواؤں کے نام جو ہر وقت آسانی
سے میسر آسکتی ہیں لکھکر گنڈے تعویذ کے بجائے پیش نظر رکھے +

(سید احمد دہلوی)

نند کا خط بھاوج کے نام

شاباش بی چھوٹی دولھن شاباش! اسی دن کو بیٹے کا ارمان کرتے ہیں کہ جوان کرکے کے ٹھیکرے میں پانی پلا دے! اللہ رکھے ایک چھوڑ دو دو بیٹوں کی ماں ہو، ایک دن تم کو بھی ساس بننا ہے ڈرو خدا سے اس کی لاٹھی بے آواز ہے جیسی تم نے ساس کی مٹی پلید کی خدا دشمن کی بھی نہ کرے! چھوٹی دولھن بوا مظلوموں کی فریاد یوں ہی خالی نہیں جاتی۔ اور پھر ماں کی آہ!! میری آج کی بات یاد رکھنا اماں کا صبر اوپر ہی اوپر جانے والا نہیں! دنیا اور دین دونوں برباد ہو گئے! اس وقت گھی کے جلا لو، مگر آگے چلکر دیکھنا! وہ نری ساس ہی نہ تھیں! سر کا سرپوش! جہاز کا بندھن! اماں کی زندگی ایسی نعمت تھی کہ اگر لاکھ روپیہ بھی خرچ کر ڈالو تو ہاتھ آنے والی نہیں! دونوں میاں بیوی سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے اور پچھتاؤ گے! سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے ہر وقت اور ہر لحظہ تمھاری اور تمھارے بچوں کی دعا گو تھیں! بوا! یہ صرف ماتا ہی کا جوش تھا کہ پیر کی رات کو بھی جب ہوش آیا تو بلبلا بلبلا کر دعا مانگی۔

"الٰہی سعید اور اس کے بیوی بچوں کے واسطے دنیا کی خوبیاں" تمھارے کوسنے اور فضیحتاں کلیجہ پر تیر لگتے تھے مگر خدا گواہ ہے جب کہا

یہی کہا۔

"اے اللہ حمید کی دلہن اگر اسی طرح زبان چلانے اور میرے بدلانے" چھوٹی دلہن سچ پوچھو تو دعا کا دروازہ بند ہو گیا! کچھ ہی کر ڈالو اب اُس دل سے دعا دینے والا کوئی نہیں! تم کو سو وہ بخشیں، تم خفا ہو وہ دعا دیں! اتنی سی بات پر کہ رشید ابھی چاول کھا رہا تھا انہوں نے کہا کہ "بیسیوں دن خراب ہیں" تم دونوں میاں بیوی جان کو آ گئے! ہائے چھوٹی دولہن جس وقت تم نے کہا ہے "مرتی بھی تو نہیں" اُٹھ کر میرے پاس آ بیٹھیں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں میں اسی دن کے لیے اس کو لائی تھی کہ یہ میرا مرنا چاہے! ماشاءاللہ اسکی بچہ اس کا دادی بندی کے مونھ میں خاک! میری تو پہلے ہی ست ہی ست پر جان ہے! ہر نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں کہ اماں باوا کی سلامتی میں دونوں بھائیوں کی جوڑی قائم رہے دولہن مجھکو دشمن سمجھتی ہے خیر میں دشمن ہی سہی۔

صدا فریں بھائی سعید کو پڑھے لکھے معزز شریف اور ماں کی وہ قدر کی کہ آج کوئی لونڈی کی بھی نہ کریگا! مامتا تو خیر سب ہی کو ہوتی ہے، مگر وہ تو پروانہ تھیں، ہر وقت کہتی تھیں "میرا بچہ اللہ کی سپردگی میں ہے"! بیوی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے گھنٹوں سجدے میں پڑی رہتی تھیں! تم دونوں کو تو خط بھیجنا قسم تھا غیروں سے خیریت معلوم کرتی تھیں۔ ذرا دیر ہوتی تھی تو دیوانوں کی طرح پھرتی تھیں! ایسی عاشق زار

ماں اسی کی مستحق تھی کہ بیٹا بھر مونھ کہدے "اب تو ہم انشاء اللہ تمہارے مرنے ہی پر آئیں گے"

اسی دن کے لئے بچوں کو پالتے ہیں! اسی دن کے لیے اللہ آمین کرتے ہیں! اب بھی دو چار بیویاں اُسوقت کی دیکھنے والی موجود ہیں کہ اُنھوں نے کیسی محنت مصیبت اُٹھا کر میاں سعید کو جوان کیا ہی! پرسوں خالہ مریم کہہ رہی تھیں کہ اس نا اتفاقی میں کہ میاں نے کبھی بات نہ پوچھی بچہ کو اس طرح پالا کہ محلہ بھر واہ واہ کرتا تھا! سارا کنبہ جانتا ہی کہ کبھی کسی نے میاں سعید کو بُرے حالوں نہ دیکھا! اپنا دوپٹہ چکٹ، کرتہ میلا۔ کچھ بھی ہو مگر بچہ جب باہر نکلا اُجلے کپڑے، ثابت جُوتی! ذرا مدرسہ میں دیر ہو جاتی تھی تو دروازے میں جا کھڑی ہوتیں اور جو آتا اُسی سے پُوچھتیں

"کیوں بھائی میرے سعید کو تو نہیں دیکھا"

آہ! چھوٹی دولہن اماں کی محنت کا اچھا پھل نہ ملا۔ جس بیٹے کے واسطے آپ خاک ہوئیں اعیش و آرام سب مٹی کیا! پالا پوسا۔ پڑھایا، لکھایا اُسکو زندہ تو زندہ مُردے پر بھی آنا نصیب نہ ہوا! بیٹے کی کمائی میں ماں کی تقدیر کا ایک پیسہ بھی نہ تھا! تمہاری لونڈیاں اور مامائیں سفید براق کپڑے پہنے پھریں اور ساس کے پاس برس کے برس دن بھی اُجلا کپڑا نہ ہوا خدا کی قسم کلیجہ کٹتا ہی جس وقت خیال کرتی ہوں کہ سائے سارے دن خالی زردہ کھایا اور بیٹے کی شکایت زبان پر

نہ آئی! کیسی جنتی بوی تھیں۔ جب بڑے ماموں جان نے پچاس روپے بھیجے تو سنکر ہنسیں اور ہنسکر کہا میرا بچہ تحصیلدار ہے۔ اُس کو تین تین بیٹیاں بیاہنی ہیں روپئے لے لوں تو اُس کی ناک کٹجائیگی اللہ اُس کی عمر میں برکت دے میں کیا کسی کی محتاج ہوں! کیسی صبر کی آدمی تھیں، فاقہ فقر تنگی ترشی، ہر حال میں راضی۔ ہر بات میں خوش! مرگئیں اور فاقے کر کر کے مریں مگر گھر کی ہوا نہ بگڑنے دی! میاں سعید سے کہدینا جس ماں کے مرنے کا ارمان تھا وہ ماں چار ہزار کا مکان تمہارے واسطے چھوڑ گئی! تحصیلداری سدا رہنے والی نہیں ایک دن خدا کو مونھ دکھانا ہے! جس شخص کے دروازے پر آٹھ آٹھ دس دس آدمی موجود ہوں اُس کی ماں کے پاس آخروقت کوئی حلق میں پانی ٹپکانے والا نہ ہو! بھائی! اماں تیرا ظلم سہنے کے واسطے جینے والی نہ تھیں، گئیں اور ایسی جگہ گئیں کہ اب نہ آئیں گی! تمہارے دیکھ لینے کا ارمان دل میں تھا وہ پورا نہ ہوا! یہ ڈھنڈار گھر آدھی رات کا سنسان وقت ماں کی موت اور میں اکیلی، دل کا اللہ ہی بیلی تھا جو خدمت ہو سکی وہ کی مگر ہائے سعید جو حق تھا وہ ادا نہ ہو سکا! کس دل سے لکھوں اور کس مونھ سے کہوں اماں ہمیشہ کے واسطے چھوٹ گئیں رات بھر مُردے کو کلیجہ سے لگائے بیٹھی رہی! خدا ماموں جان کا بھلا کرے کہ اُنھوں نے کھڑے ہو کر اُن کو اصلی گھر میں پہنچا دیا۔

(راشد الخیری)

روضۂ تاج محل

روضۂ تاج محل (جس کی عکسی تصویر زیب ورق اول ہے) ہندوستان کی سب سے مشہور عمارت ہے۔ اور ہندوستان پر کیا موقوف ہے اپنی طرز میں دنیا بھر میں لاجواب ہے۔ مشہور اور خوبصورت منظروں کی تصویروں کا سلسلہ جو عصمت میں شروع کیا گیا ہے اس میں سب سے اول اس کا انتخاب صرف یہی معنی نہیں رکھتا کہ یہ عمارت ملک میں سب سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ اس سے یہ بھی مطلب ہے۔ کہ خواتین کے رسالے سے "تاج" کو خاص مناسبت ہے۔ یہ روضہ ایک باعصمت خاتون کی یادگار ہے۔ جسکا وفادار اور دلدادہ شوہر شاہجہاں شہنشاہ ہندوستان تھا۔ جب قضا الٰہی سے یہ بادشاہ بیگم جسکا نام ممتاز محل تھا اور جسے بادشاہ پیار سے تاج محل کہا کرتے تھے اپنے شوہر کی زندگی میں فوت ہوگئی اور اُسے داغ مفارقت دیگئی۔ تو بادشاہ نے اپنی محبت کو اُس آرامگاہ کے بنانے اور سجانے میں صرف کر دیا جسمیں اُسکے دلکی مالک بیوی ہمیشہ کے لیے سوئی تھی۔

دار السلطنت آگرہ میں دریاے جمنا کے کنارے خالص سنگ مرمر کا ایک عالیشان مقبرہ طیار ہوا جس کے وسط میں بادشاہ بیگم کی قبر بنی اور کچھ عرصہ بعد اسی قبر کے قریب شاہجہاں بھی جا لیٹا۔ روضۂ تاج محل کی خوبصورتی اور دلربائی جسکی ایک دنیا شیدائی ہے۔ کیا صرف سنگ مرمر کی نفیس جالیوں سے

پیدا ہوئی جو مزار کے گرد بنی ہوئی ہیں۔ یا اُن گلکاریوں کا نتیجہ ہیں جن سے باکمال اُستادوں نے سنگ مرمر کی سفید زمین میں سُرخ و سبز قیمتی پتھروں کے نگینے جڑ کر اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھائے ہیں؟ یہ سب چیزیں بجائے خود دلکش ہیں۔ مگر باوجود ان کے ممکن تھا۔ کہ روضۂ ممتاز اسقدر ممتاز نہ ہوتا یہ آب جو اس دُرِّ خوش آب میں موجود ہے اور جو ہر کہ ومہ کو گرویدہ کر لیتی ہے۔ یہ اُس سچی محبت کی برکت سے ہے جس نے شاہجہاں سے روضہ کی بنیاد رکھوائی تھی۔ یورپ کے سیاحوں نے اس عمارت کو عجیب عجیب ناموں سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ بعض نے لکھا ہے کہ عمارت کیا ہے ایک دلاویز خواب ہے جو سنگ مرمر کی صورت میں جلوہ آرا ہوا ہے۔ بعض اور ہیں جو کہتے ہیں نہیں یہ ایک دلپذیر نظم ہے جس میں صناع نے اپنی شاعری کے اظہار کے لیے سنگ مرمر سے کاغذ کا کام لیا ہے۔ فن تعمیر کے جاننے والے مدتوں سے اسی بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ یہ نادر عمارت کس کاریگر کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔ کوئی کہتا ہے شاہجہاں نے ملک اطالیہ سے کاریگر منگوائے تھے اور اُن کی زیر نگرانی یہاں کے بڑے بڑے اُستاد جو ملک کے ہر گوشے سے جمع ہو گئے تھے کام کرتے تھے۔ کوئی کہتا ہے۔ نہیں اسکے بنانے والے یہیں کے رہنے والے تھے۔ آج کل سے اندازہ نہ لگانا چاہیے جب سب پُرانی صنعتیں مٹتی چلی جاتی ہیں۔ اُس وقت ہر فن کا کامل اُستاد ہندوستان میں موجود تھا۔ ایک ضعیف سی مگر نہایت مشہور روایت یہ بھی ہے کہ شاہجہاں نے کاریگروں کو انعام و اکرام دیکر

تو انعام واکرام دیکر رخصت کرتے وقت اُن کے ہات کٹوا دیئے تھے کہ
وہ ایسی عمارت نہ بنا سکیں۔ مگر میرا دل اس روایت کے ماننے پر سوائے
صحیح اور مستند تاریخی ثبوت بہم پہنچنے کے کسی طرح طیار نہیں ہیں نے جب
روضۂ ممتاز کو دیکھا۔ تو پہلا خیال جو میرے دل میں آیا اور جو برابر میرے
خیالات پر غالب رہا وہ یہی تھا۔ کہ یہ جمال سے ملا ہوا جلال جو اس عمارت
پر برستا ہے محض کاری گری سے یا محض صرف کثیر سے پیدا نہیں ہو سکتا
شاہجہاں کا عہد ہندوستان میں عمارات کے اعتبار سے سب بادشاہوں
کے زمانوں سے بڑھا ہوا تھا اور بہت سی نفیس اور خوشنما عمارتیں اس کے عہد
کی یادگار ہیں وہ سب بڑے بڑے کاریگروں کے ہات سے بنیں اور
سب پر بے شمار روپیہ لگا۔ پھر بھی کسی میں یہ بات پیدا نہ ہوئی جو تاج آگرہ
میں ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ شوق نام و نمود کا نتیجہ تھیں اور یہ خلوص کا
سلطنت مغلیہ نے چند صدیوں تک ہندوستان میں اپنا ڈنکا بجا کے
اور عہد اکبر و شاہجہاں میں اپنی شان و شوکت سے چشم عالم کو خیرہ
کر کے وہ راہ اختیار کی جس سے کسی دنیاوی سلطنت کو گریز نہیں مگر ان
چند عمارتوں کی بدولت اس کا نام باقی ہے۔ اور روضۂ ممتاز محل ان سب
عمارتوں کا سرتاج ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے ہر سال دور دور سے سیاح
ہندوستان تک آتے ہیں۔ میں نے سنا کہ امریکا کی ایک امیر خاتون نے
جو اپنے شوہر کے ساتھ ہندوستان کی سیر کو آئی تھی۔ اس روضے کو دیکھکر
کہا۔ اگر کوئی مجھے یہ یقین دلادے کہ مرنے کے بعد مجھے یہاں دفن کیا جائیگا

تو میں ابھی مرجانے پر آمادہ ہوں۔ روضہ ممتاز میں یہ اثر کیوں نہو۔ شاہجہاں اور ممتاز محل کا مقبرہ نہیں میاں بیوی کی محبت کا مدفن اور اُنکی وفا کا مزار ہی۔

اس عمارت میں تناسب کی حد ہو گئی ہی جو چیز بنی ہی ایسی بنی ہی کہ نہ اس سی بڑی بھلی معلوم ہوتی نہ چھوٹی۔ نکتہ چیں کے لیے کہیں انگلی دھرنے کی جگہ بھی نہیں چھوڑی گئی۔ تصویر سے اور اصل سے کیا نسبت ہو سکتی ہی۔ مگر پھر بھی تصویر پر تصویر کا شیشہ لگا کر دیکھئے۔ صحن کے دروازے سے لیکر مقبرہ کے چبوترے تک نہر کس خوبی سے گئی ہی اس کے دونوں طرف پاکیزہ روشیں اور روشوں پر درختوں کی قطار کیا بہار دے رہی ہی اور جیسا کہ ناظر خوش بیان نے لکھا ہی۔ یہ سما اگر کوئی شب ماہتاب میں دیکھے جب درخت خمار خواب میں گلے مل رہے ہوں۔ تو نگاہ کے لیے اس سے بہتر نظارہ مصنوعات کی فہرست میں کم ملسکتا ہی۔ خود روضہ اس عالم سکوت میں گوش شنوا کے لیے اپنے حسرت بھرے فسانے سُناتا اور دیدہ بینا کے لیے عبرت کے دفتر کھولتا ہی۔ اور دور سے دیکھیں تو اُس کے درختوں کے جھنڈ میں گھرے ہوئے سفید گنبد پر سعدیؒ کا یہ مصرع صادق آتا ہی ع کہ در لاجوردی طبق بیضہ۔ مغلوں کی عمارات میں تین چیزوں کے یکجا جمع کرنے سے بیحد خوبصورتی پیدا ہوتی ہی یعنی سنگ رخام۔ سرسبز باغ اور آب رواں۔ ان تینوں چیزوں کا شوق بتا رہا ہی کہ وہ حُسن قدرت کو حُسن صنعت کیساتھ ترکیب دینے میں استاد تھے اور روضہ تاج محل اس ترکیب کا بہت سا نمونہ اور اُن کی لطافت مذاق کی مسلح ہی۔ +

(عبدالقادر)

عصمت میں نظمیں کیسی ہونگی

"صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے"

کلام منظوم میں جو اثر قدرت نے دیا ہے۔ بچوں کو جو رغبت اس سے ہوتی ہے اور جس آسانی سے وہ ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے۔ مگر ہر کلام منظوم ایسا نہیں ہوتا کہ بچوں اور خاصکر نو عمر اور ناتجربہ کار لڑکیوں کو اُسکے پڑھنے کی اجازت دیدی جائے۔ بچوں کے لیے عام طور پر وہ نظمیں مفید ہوتی ہیں۔ جن کے مطالب یا اخلاقی ہوں یا جنمیں اشیا یا مناظر کی تصویر الفاظ میں کھینچی جائے۔ اخلاقی نظموں سے اُنکے اخلاق کی مضبوطی مقصود ہے اور اشیا اور مناظر کے بیان سے اُن کی قوت مشاہدہ کی ترقی اس کے علاوہ اُن نظموں میں جو بچوں کے لیے اور خصوصاً لڑکیوں اور جوان عورتوں کے لیے لکھی جائیں۔ زبان کی سادگی خیالات کی صفائی مطالب کی عام فہمی ضروری صفات ہیں۔ اُن میں صنعتہائے کلام جس قدر کم ہوں بہتر۔ سیدھی سادی باتیں ہوں جن میں گل و بلبل۔ زلف و سنبل۔ ساغر و مل کے استعارات سے حتی الوسع گریز کیجائے۔ سخنور حضرات سے جو ہمارے اس خیال کے موافق ہوں اور ایسی نظموں کو لکھکر طبقہ نسواں کے لیے اور عام طور پر اُردو لٹریچر کے لیے مفید سمجھیں التماس ہے کہ وہ مندرجہ بالا اُمور کا لحاظ کرکے چھوٹی چھوٹی نظمیں عصمت کے لیے خاص طور پر لکھیں۔ اُن کو اپنی طبع آزمائی کے لیے ایک بالکل نیا اور اچھوتا میدان ملیگا۔ اور آئندہ نسلیں اُن کی ممنون ہوں گی۔ کیونکہ اس احتیاط کی وجہ سے ایک ایسا ذخیرہ ادبیات کا ہماری زبان میں موجود ہوجائیگا جو ہمارے بیان کیا ہے۔

اور جہاں کہیں ہی زیادہ رنگین کلام میں ملا ہوا ہی

عصمت کے حصۂ نظم کو خاطر خواہ پُر کرنے کے لیے جو تجویز ہمارے ذہن میں آئی ہی وہ یہ ہی کہ ہر پرچے میں آیندہ مہینوں کے لیے ایک یا دو مضمون دیدیے جائیں۔ اور حضرات شعرائے سے التماس کیا جائے کہ وہ چند قیود کی پابندی اختیار فرما کر انھی مضامین پر اشعار عنایت فرمائیں۔ اگر ان خاص نظموں کے سوا جو اس طرح فرمائش سے لکھی جائیں کوئی اور دلچسپ نظم آجائیگی جو اپنے مضامین اور زبان کے لحاظ سے خواتین کے رسالے کے لائق ہوگی تو وہ بھی بعد نظمہائے خاص کے درج ہو سکے گی۔

جن قیود کا التزام بلحاظ حجم رسالہ و دیگر حالات ضروری ہی وہ حسب ذیل ہیں۔

( ) ہر نظم میں شعروں کی مقررہ تعداد ملحوظ رہے اور یہ تعداد سردست بیس سمجھی جائے یعنی ہر نظم بیس شعروں سے زائد نہو۔ ( ) ہر نظم زبان کی سادگی کو ضرور ملحوظ رکھے۔

( ) مقررہ عنوان کے باہر نکلنے سے ہر نظم میں اجتناب کیا جائے۔

مضامین مذہبی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ یا نیچرل انتخاب کیے جائینگے اور انکی اطلاع پہلے سے رسالے میں چھپ جایا کریگی۔ پہلے پرچے کے لیے دو تین نظمیں موجود ہیں شائع کیجاتی ہیں۔ جولائی کے پرچے کے لیے بھی اسی طرح بندوبست کر لیا جائیگا۔ کیونکہ یکم جولائی تک لکھنے والوں کو کافی وقت نہیں ملیگا۔ البتہ اگست کے پرچے کے لیے ۱۵ جولائی تک اور ستمبر کے پرچے کے لیے ۱۵۔ اگست تک اور اکتوبر کے پرچے کے لیے ۱۵۔ ستمبر تک جو نظمیں پہنچ جائیں گی وہ شکریے کے ساتھ درج ہونگی اور ان تینوں کے لیے علی الترتیب مندرجہ ذیل مضمون تجویز کیے جاتے ہیں۔

خدا پرستی۔ ادب۔ نور جہاں۔

(ایڈیٹر)

شمع اور پروانہ

یہ نظم اخبار تہذیب النسواں کی نامور ایڈیٹر مسز ممتاز علی صاحبہ نے حال میں مخزن میں چھپنے کو عنایت کی تھی اور اُس میں شائع ہو چکی ہے۔ لیکن چونکہ اس رسالے کی بہت سی پڑھنے والیاں ایسی ہوں گی جو مخزن کو نہیں پڑھتیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اس پرچے میں سب سے پہلے انہی کا کلام درج ہو جو کئی سال سے مستورات کی خدمت میں مصروف ہیں اور جن کے احسانات اُردو خواں مستورات پر ایسے نہیں کہ کبھی فراموش کیے جائیں۔

شمع سوزاں ایک محفل میں تھی ایسی جل رہی ... ہر طرف پھیلی تھی جس کی جگمگاتی روشنی
دیکھتا تھا ایک پتنگا شوق سے اسکی بہار ... دل ہی دل میں کر رہا تھا جان و دل اُسپر نثار
لو لگا رکھی تھی اس نے اپنے دلمیں شمع سے ... کہہ رہا تھا صدقے اور قربان جاؤں میں ترے
حق نے بخشی ہے تجھے کیا روشنی اور آب و تاب ... ہیچ ہیں بس تیرے آگے آفتاب و ماہتاب
اتنے میں اک مکھی آئی بھنبھناتی اُسکے پاس ... اور یوں کہنے لگی تو ٹھیک کر اپنے حواس
اے پتنگے کس پہ شیدا کس پہ دیوانہ ہے تو؟ ... شمع سوزاں ہے یہ غافل جس کا پروانہ ہے تو
یہ جلا دیگی تجھے گر پاس اس کے جائیگا ... جل کے مر جائیگا ناداں دیکھ تو پچھتائیگا
سُنکے پروانہ یہ بولا ہے غلط تیرا کہا ... ہے یہ نا ممکن کہ مجھ کو پھونک دے یہ خوشنما
بولی مکھی خوشنما بیشک ہے اسمیں شک نہیں ... پھونک دیتی ہے مگر ہر ایک کو یہ کر یقیں
بس بچی نادانی اسکے پاس خوش ہو کر گئی ... جل ہی جاتی سوز سے۔ باقی تھی لیکن زندگی

طعن سے اسکو دیا پروانے نے پھر یہ جواب
آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں، ہے غلط بیلے جناب
ایسی اچھی روشنی نقصان دے سکتی نہیں
مجھ کو آئیگا نہیں بن امتحان ہرگز یقیں
کھی بولی دیکھ غافل اچھی صورت پر نجا
ظاہری صورت میں اکثر پائی جاتی ہے دغا
پر یقیں آیا نہ پروانے کو اس کی بات کا
شمع کی جانب اسی شوق اس کا آخر لے گیا
جوں ہی پہنچا پاس اس کے جل گئے سب اسکے پر
مُردہ سا پیچ گرا وہ سوختہ تن آن کر
شمع کے شیدا نے دیدی جان تڑپکر خاک پر
شمع بھی روئی کی نادانی پہ اس کی رات بھر

مان لو تم ناصح مشفق کا کہنا مان لو
اپنی ہٹ دھرمی سے تم نقصان نہ اپنا مت کرو

پیاری بہنو!

منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی کے نام نامی سے اُردو خواں دنیا میں اب کون ناواقف ہے۔ یہ نظم اُنھوں نے عصمت کے پہلے پرچے کے لیے خاص طور پر لکھ کر بھیجی ہے۔ اُنھوں نے مردوں کی طرف سے عورتوں کی تعریف اور حوصلہ افزائی کا حق ادا کر دیا۔ اب عورتوں کو لازم ہے کہ اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس تعریف کا مستحق ثابت کریں۔

ہر اک درد و دکھ کا مداوا تمھیں ہو
تمھیں چارہ گر ہو مسیحا تمھیں ہو
مصیبت میں بپتا میں کام آنیوالی
شریک غم و رنج دنیا تمھیں ہو
نہ ہو تم۔ تو تاریک ہے بزم ہستی
اندھیرے گھروں کا اُجالا تمھیں ہو

مجسم ہو تصویر تم نیکیوں کی | حیا اور عصمت کا گہنا تمہیں ہو
جو آنکھوں میں تم نور ہو پتلیوں کا | تو دل میں بھی خالِ سویدا تمہیں ہو
تمہیں ہو وفادار و غمخوار شوہر | مگر اپنے قیسوں کی لیلا تمہیں ہو
بھر جنہیں صانع نے رنگ وفا ہی | تمہیں ہو وہ تمثال زیبا تمہیں ہو
لڑکپن میں ماں باپ و بھائیوں کی | شکیبِ دلِ ناشکیبا تمہیں ہو
جوانی میں شوہر کی ساس اور خسر کی | تمہیں راحت جاں تمنا تمہیں ہو
رضا جو ۔ دل جو ۔ وفادار و خوشخو | مجسم وفاؤں کا پتلا تمہیں ہو
گناہوں کے چھینٹے ۔ نہ عصیاں کے دھبّے | کہ تصویرِ عفت سراپا تمہیں ہو
تپش بھی ہے ۔ نور محبت بھی دل میں | تمہیں شمع ہو ۔ اور تمغا تمہیں ہو
مصیبت کی کٹتی ہیں گھڑیاں تمہیں سے | کہ جینے کا دکھ میں سہارا تمہیں ہو
جو غمخوار ہو تم ۔ تو غم بھی ہے شادی | شبِ غم میں صبح تمنا تمہیں ہو

(تمہارا ایک بھائی)

کیڑا

کیڑا ۔ روز دیکھنے میں آتا ہے ۔ لیکن نگاہ غور اور نگاہ سرسری میں فرق ہے ۔ سرسری دیکھنے والے بے پروائی سے اُسے پاؤں کے نیچے روندتے ہوئے چلے جاتے ہیں ۔ مگر شاعر کا نرم دل اس کی حالت پر بھی پسیجے بغیر نہ رہا جناب لالہ بالک رام صاحب شاؔ دنے اس چھوٹی سی نظم کو انگریزی سے ترجمہ کیا ہے ۔

یہ غریب ننھا کیڑا | ہے ذرا سا جس کا جیوڑا

تجھے جس نے ہے بنایا — ہے اُسی کی یہ بھی خلقت
نہ کچل سمجھ کے بے کس — اسے جلد چلنے والے
یہ روش نہیں ہے اچھی — ہے خلاف آدمیت
نہ ہو اس کی جاں کا خواہاں — ارے پُر غرور انساں
ہے کسی کی روح اس میں — نہ کر اس سے اتنی نفرت
تری ہستی جس سے اُبھری — تری زیست جس سے اُچھلی
ہے رواں رگوں میں اس کی — وہی چشمۂ محبت
ہے بنایا عام سب پر — انھیں خالقِ جہاں نے
یہ ستارے، چاند، سورج — ہیں جو آسماں کی زینت
یہ لٹکنے والا سبزہ — نہیں تیرا ہی ہنڈولا
کہ یہ ننھے ننھے کیڑوں — کو بھی ہے کنارِ شفقت
انھیں رینگنے دے خوش خوش — کہ ہے عمر ان کی تھوڑی
نہ مٹا تو ان کی ہستی — کہ جو دم ہے ہے غنیمت
کبھی بھول کر بھی ناداں — نہ ہو ایسی جاں کا خواہاں
کہ نہ کر سکے اعادہ — کبھی جس کا تیری طاقت

ترجمہ از انگریزی — بالک رام شاد

بزمِ عصمت

یہ عنوان اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ عصمت کے متعلق جو خطوط میرے نام آیا کریں گے ان میں سے ایسے خط جو خاص طور پر دلچسپ سمجھے جائینگے۔ اس عنوان کے نیچے شائع ہوا کریں گے۔ اس سے گویا اُن بہنوں کو جو دور دراز شہروں میں رہتی ہیں یہاں کی بہنوں سے اور دوسرے شہروں کی بہنوں سے غائبانہ تعارف کا موقعہ ملتا رہیگا۔ باہمی ہمدردی کا رشتہ مضبوط ہوگا اور سب ایک دوسرے کے خیالات سے مستفید ہوتی رہیں گی۔

آج چونکہ بزمِ عصمت کا پہلا جلسہ ہے۔ اس میں قدرتی طور پر عصمت کے جاری ہونے اور اس کی ترقی ہی پر بات چیت رہیگی۔ میں اُن بہنوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے کافی الفاظ نہیں پاتی جنھوں نے ایسے عنایت آمیز اور حوصلہ بڑھانے والے خطوط لکھے ہیں۔ جیسے اس وقت میرے سامنے ہیں۔ اگر سب کی طرف سے یہی نظر توجہ رہی اور اُن کی نیک مثال کا دوسری بہنوں پر بھی اثر ہوا تو دنوں میں یہ رسالہ خاطر خواہ ترقی کر جائے گا۔

راشد الخیری

معاون مدیر رسالہ

بزمِ عصمت کے آج کے جلسے میں صدارت کی گدی پر ہائی نس نواب بیگم صاحبہ ریاست سچین کو زیبا ہے۔ جن کو اپنی بہنوں کی ترقی کا اس درجے دلی خیال ہے کہ عصمت کے اجراء کی خبر پاتے ہی اپنے دست مبارک سے یہ خط لکھ کر اُنھوں نے اس رسالے کی عزت افزائی فرمائی :-

مکرمہ معظمہ بہن صاحبہ !

تسلیم عرض ہے۔ آپ کا عنایت نامہ صادر ہوا جس کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ پرچہ "عصمت" جو ۱۰۔ جون کو شائع ہوگا۔ مجھے آپ از راہ مہربانی بذریعہ ویلیو پے ایبل روانہ کیجیے۔ میں آپ کی نہایت ہی ممنون ہوں گی۔ اور بڑی خوشی سے خریدار رسالہ بنوں گی۔ آج کل کم فرصتی کی وجہ سے مضمون تو نہیں بھیج سکتی مگر انشاءاللہ آیندہ ضرور اپنا ناچیز مضمون لکھ کر بھیجوں گی۔ آج کل ہم لوگ گرمی کا موسم بسر کرنے کے لیے بغرض تبدیلِ آب و ہوا ساحلِ دریا آئے ہوئے ہیں جو سچین ہی کی ریاست کا حصہ ہے۔ جون کے مہینے میں بارش شروع ہوتے ہی پھر سچین جائیں گے اس لیے تکلیف گوارا کرکے آپ اپنا رسالہ سچین کے ہی پتے پر بھیجیے گا۔"

جناب زہرہ بیگم صاحبہ فیضی کا یہ خط ہمارے خاص شکریہ کا مستحق ہے کیونکہ وہ نہ صرف خود مضمون لکھنے کا وعدہ فرماتی ہیں۔ بلکہ اپنی بہن ہر ہائی نس جناب نواب بیگم صاحبہ ریاست جنجیرہ کے حالاتِ سفرِ یورپ عصمت کو عنایت کریں گی ایسی روشن خیال اور بلند رتبہ بیگم صاحبہ کا ہز ہائی نس نواب صاحب بہادر اور

اپنے بھائی مسٹر علی اصغر فیضی اور اپنی چھوٹی بہن مس عطیہ فیضی کی معیت میں یورپ کی سیاحت کرنا ایک نادر بات ہے۔ سب بہنوں کو اُن کا ممنون ہونا چاہیئے۔ کہ جو کچھ وہ اپنی آنکھ سے دیکھیں گی۔ اُس کے لطف میں اپنے وطن کی غریب بہنوں کو بھی شریک کریں گی۔

رسالہ عصمت کا اشتہار مخزن کے پچھلے پرچے میں دیکھا تھا اور اُسی وقت میرا جی چاہا کہ آپ کی خدمت میں عریضہ روانہ کرکے اپنے خیالات سے واقف کروں۔ مگر ارادہ صرف ارادہ ہی رہا۔ اب آپ کا خط پہنچا اور جواب لکھنا لازم آیا۔

میں نے اپنی ہمشیرہ نواب بیگم صاحبہ جنجیرہ سے وعدہ لیا ہے کہ وہ جو اپنے تجربے جو اثنائے سفر میں ہوں گے مسلسل لکھ بھیجیں۔ جو خط وہ لکھیں گی اُس سے دلچسپ باتیں انتخاب کرکے میں آپ کو روانہ کروں گی۔ اور آپ اس انتخاب کو مناسب طریقے سے اپنے رسالہ عصمت میں شائع کردیں۔ میں بھی قلمی امداد کے لیے حاضر ہوں لیکن کسی وقت۔ کیونکہ میرا مزاج اکثر نادرست رہتا ہے۔ ہفتہ عشرہ میں ایک مضمون عصمت کے لیے روانہ کروں گی۔"

---

* بمبئی کے جس علم دوست خاندان کی ایک معزز خاتون کا خط اوپر درج ہوا ہے
* اُسی خاندان کی ایک اور اعلیٰ تربیت یافتہ خاتون مسز علی اکبر صاحبہ کا خط نہایت خوشی سے درج کیا جاتا ہے۔ بمبئی اور نواح بمبئی میں کوئی مفید عام تحریک ایسی ہوگی جس کو مسز علی اکبر سے مدد نہ ملتی ہو۔ مگر اُن کے اس خط سے معلوم ہوگا

کہ اُن کی ہمدردی مقامی حدود کی پابند نہیں ؛۔

مکرمہ بہن صاحبہ!

آپ کا عنایت نامہ مع عصمت کے پراسپکٹس کے ملا۔ میرا نام فہرست خریداران میں شامل کر لیجیے مضمون کے لیے جو آپ نے خواہش کی ہی اگر ہو سکا تو ضرور بھیجوں گی۔ آج کل میرے صاحب پہاڑ پر تشریف رکھتے ہیں اور اُن کی طبیعت نادرست ہی۔ میں تیمار داری بیمار میں نیز مہمان آئے ہوئے ہیں پھر بھی ہو سکا تو مضمون ضرور بھیجوں گی۔ خدا آپ کو آپ کی محنت اور کوشش کا نیک عوض بخشے!!

اودھ کے نامور رئیس اور تعلقہ دار جناب راجہ نوشاد علی خاں صاحب بہادر کی بیگم صاحبہ نے جو مسلمانوں کے مقتدر سرگروہ سر سید محمود خاں مرحوم کی نواسی ہیں ایک ایسے ہمدردانہ خط سے ہم پر احسان کیا ہی کہ اُن کی یہ حوصلہ افزائی یاد رہیگی اور رسالہ عصمت کو جو ترقی نصیب ہوگی۔ اس کے لیے یہ معزز خواتین جنہوں نے ابتدا میں ہماری ہمت بندھائی۔ خاص شکریہ کی مستحق ہوں گی۔

مکرمہ محترمہ بہن صاحبہ! سلام

کل آپ کا والانامہ مع پراسپکٹس رسالہ عصمت ملا۔ یہ معلوم ہو کر کہ آپ ایک رسالہ مستورات کے واسطے جاری کرنا چاہتی ہیں۔ نہایت خوشی ہوئی۔ اللہ آپ کے اس نیک کام میں ترقی دیوے۔ آمین۔ میں آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ کہ آپ نے اس خاکسار کو رسالے کی مدد کے قابل سمجھا۔ جو کچھ

مجھ سے مدد ہو سکے گی۔ میں بے شک دل وجان سے مدد دینے کو طیار ہوں۔
میری منجھلی بہن مسز محمود سعید سے آپ یقیناً اچھی طرح واقف ہوں گی اُس نے مجھ کو آپ کے رسالہ جاری کرنے کی بابت لکھا تھا۔ تو میں نے اُس کو جبھی لکھ دیا تھا۔ کہ آپ کو لکھ دے کہ جب رسالہ جاری ہو میرے نام ضرور بھیجا جاوے۔ میں مضمون لکھ رہی ہوں۔ انشاء اللہ تعالےٰ اس ہفتے کے اندر میں مضمون بھیج دوں گی۔ میں پھر آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ انشاء اللہ میں ہر طرح مدد کے لیے حاضر ہوں اللہ آپ کو کامیابی عطا فرمائے"

سہروردیہ صاحبہ کا یہ خط ایک نمونہ ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی بعض مسلمان خواتین کیسی ذی علم پیدا ہو سکتی ہیں۔ آپ مولانا عبداللہ صاحب کے خاندانِ علما کی چشم وچراغ ہیں اور مسٹر عبداللہ المامون سہروردی صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا کی ہمشیرہ ہیں۔

میری عزیزہ بہن! سلمک اللہ تعالیٰ۔
آپ کا خط جس میں پراسپکٹس ملفوف تھا مجھے وصول ہوا۔ ارادہ تو تھا کہ اس کی رسید کے ساتھ ایک مضمون بھی ارسال کروں جس کے لیے آپ نے مجھ ہیچمدان سے فرمائش کی ہے۔ مگر کچھ تو اپنی علالت اور کچھ علائق بڑھ جانے کی وجہ سے معذور رہی۔ انشاء اللہ بشرط اطمینان لکھوں گی اور ضرور لکھونگی۔ اور کیونکر نہ لکھوں۔ یہ خود ہمارے ہی فائدے کی چیز ہے۔ علی الخصوص مجھ عزلت گزیں کنج خمول کے لیے مغتنمات میں سے ہے۔ کیونکہ مجھ کو خدا نے جہاں رکھا ہے وہاں

کے مسلمانوں میں علم کی طرف سے نہایت بے توجہی ہی۔ اگر کسی نے نولو دیا مرثیہ پڑھ لیا تو الگ بات ہی ورنہ علم وعمل مفقود میرے لیے "رحم را صحبت ناجنس عذابے ہست الیم" کی کیفیت ہی۔ اس صورت میں اس قسم کے رسالے میرے لیے غذائے روح ہیں۔ اور دہلی۔ لکھنؤ۔ حیدرآباد۔ لاہور کے لوگوں سے نادیدہ راہ و رسم بڑھا رکھی ہی اور اُن ہی سے مراسلات کرکے اپنا جی بہلاتا ہی۔ حاصل کلام یہ ہی کہ مجھے آپ کے خط کے وصول ہونے سے بڑی خوشی ہوئی اور رسالۂ عصمت کے طفیل میرے دائرہ مراسلت میں ایک اور اضافہ ہوا۔

رسالے کے خریداروں کی فہرست میں ایک ناچیز کا نام بھی درج ہوا اور پہلا پرچہ بذریعہ وی۔ پی مرسل ہو"

ثریا بیگم صاحبہ جن کا خط مسلسل مضمون نگاری کا وعدہ لایا ہی۔ مرزا جلال الدین صاحب ایم۔ آر۔ اے۔ ایس بیرسٹرایٹ لا کی دختر نیک اختر ہیں۔ مرزا صاحب تعلیم نسواں کے شیدائی ہیں اور صاحبزادی کے پڑھانے پر خاص توجہ رکھتے ہیں۔

مکرمہ جناب بہن صاحبہ!

تسلیم۔ آپ کی یاد آوری کی تہ دل سے مشکور ہوں۔ جو کام کہ آپ نے شروع کیا ہی بہت اچھا ہی۔ خدا کرے اس میں نمایاں کامیابی ہو۔ اور ہمارا چھوٹا سا عصمت ایک دن بڑا رسالہ بن جائے۔ خدا آپ کی ہمت میں برکت دے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر نمبر کے لیے ایک مضمون ضرور لکھکر بھیجا کروں گی۔ پہلا پرچہ بذریعہ وی۔ پی میرے پتے پر روانہ فرمادیں۔ اس کو دیکھکر انشاء اللہ تعالیٰ مضمون بھیجوں گی"

میں اور خریدار بنانے کی بھی کوشش کروں گی۔ والسلام

یوں تو ایک عرصے سے عصمت کے جاری کرنے کا خیال تھا مگر عجیب اتفاق ہے کہ اپریل کے شروع میں جب اس پرچے کی تجویز پختہ ہو رہی تھی۔ ٹونک کی ایک خاتون کا خط آیا جو وہاں کے ایک شریف خاندان سادات سے ہیں۔ وہ خط ہمارے خیالات سے اس قدر موافق تھا کہ اس کو اول سے آخر تک پڑھ کر حیرت ہوئی اور حیرت کے ساتھ ہی یہ مسرت کہ ایسی ایسی فہمیدہ خواتین اس تعلیم کی کمی کے زمانے میں بھی موجود ہیں جو ایسا مفید اور کارآمد مشورہ دے سکتی ہیں۔ ان کا یہ خط گویا اس رسالے کا بنیادی پتھر ہے۔

مکرمہ محترمہ بہن صاحبہ!

تسلیم۔ زنانے پرچے کا مبارک ارادہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اپنے دن پھرتے نظر آئے دلی تمنا پوری ہوئی۔ خدا اپنے حبیب کے وسیلے آپ کو اپنے ارادے میں کامیاب فرمائے۔ آمین پہلے سے میری دلی خواہش تھی کہ آپ مخزن ہی میں ایسے اشعار اور ایسی نثر کو جس کا پڑھنا کنواری بچیوں کے لیے عقل و شرع کے لحاظ سے نازیبا یا بےفائدہ ہو گھٹا کر اور زنانہ دلچسپیوں کے اشعار و مضامین بڑھا کر ایک زنانہ نمبر مخزن کا نکالیے مگر شکر ہے کہ آپ کی حب قومی تحریک سے بے نیاز رہی۔

میرے خیال میں خوبصورت صاف روشن لکھائی چھپائی۔ اعلیٰ درجے کا کاغذ سلیس اور دلچسپ تحریر۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ دلپذیر محاورے۔ زنانہ کارآمد و مفید مضامین۔ دلچسپ زنانہ مذاق کی خبریں دنیا کی عجیب و غریب باتیں۔ آسمان سورج۔ چاند۔ ستارے۔ زمین۔ درخت۔ جنگل۔ پہاڑ کے عجائب و غرائب کا بیان۔

دلچسپ و مہذب علمی لطیفے۔ زناشوئی کے متعلق دلپذیر کارآمد نصیحتیں۔ حفظانِ صحت کے ضروری قواعد۔ خانہ داری کے اصول۔ معاشرت کے طریقے۔ خوش گزرانی کی تدابیر۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ۔ اُن کی پرورش کے مضامین ایسے ایسے حصہ نثر میں۔ اور مناظرِ قدرت۔ موسم کے انقلابات۔ عمرِ دستی کے مختلف زمانے۔ ماں باپ کی محبت بھائی بہن کی اُلفت۔ زن و شو کی چاہت وغیرہ وغیرہ کی کنواری بچیوں کی حیاداری کا لحاظ کر کے پوری احتیاط سے لکھی ہوئی نظمیں حصہ نظم میں ہونی چاہئیں تاکہ کنواری اور بیاہی تعلیم یافتہ بچیاں دونوں دل سے اور بڑے شوق سے پڑھیں۔

مخزن میں باوجود کوشش میں کوئی مضمون نہ دے سکی۔ مگر میں اس بات کا وعدہ کرتی ہوں کہ زنانہ پرچے کی جس طرح بھی ممکن ہوگی میں ضرور بالضرور انشاءاللہ خدمت کرونگی۔ آپ ضرور جلد ایسا پرچہ نکالیے۔ تحریر بالکل مخزن کے رنگ کی ہو حصہ نظم و نثر دونوں ہوں تب ہی لطف ہے۔ صرف اس کی پوری احتیاط رکھی جائے کہ ایسی کوئی نظم یا نثر بلکہ ایک لفظ بھی ایسا درج نہ ہونے پائے جس میں کنواری بچیوں کی حیاداری کے خلاف اشارۃً یا کنایۃً کوئی بات ہو۔

میں امید کرتی ہوں کہ اس رسالے کے ذریعے ہمارے مکان کی چار دیواری کے اندر ہی اندر اردو ادب و زباندانی کا صحیح مذاق پھیلانے کی کوشش فرمائی جائیگی اور اس کی زبان بہت ہی میٹھی سلیس و دلچسپ ہوگی۔ خاصکر زنانے محاورے دلی۔ لکھنؤ کی بیگماتی گفتگو میں علمی ذخیرہ اکٹھا کیا جائیگا اور ثابت کر دیا جائیگا کہ پردے کے اندر بھی زنانہ تعلیم اچھی طرح ہو سکتی ہے اور اس کا بہت خیال رکھا جائیگا کہ یہ پرچہ ہمارے ہر طبقہ ہر عمر کے لیے یکساں دلچسپ و پسندیدہ ہو۔ میں ایسے پرچے کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں

یہ خط بیچ جوش اور ہمدردی کی وجہ سے قابل قدر ہونے کے علاوہ ایک اعتبار سے سب پر فوقیت رکھتا ہے کہ بنت نذر الباقر صاحبہ نے اسے کسی خط کے جواب میں نہیں لکھا بلکہ رسالے کا اعلان دیکھتے ہی خود بخود تحریر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں زنانہ اخبارات سے کیسا دلی انس ہے۔

بہن صاحبہ!

تسلیم۔ میرے خط کو تو آپ کیا پہچانینگی۔ کیونکہ کبھی دیکھا نہیں۔ لیجیے میں بتائے دیتی ہوں۔ مخزن اپریل نمبر میں عصمت کا اشتہار اس نوید کا باعث ہوا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب لوگ ہماری ضروریات کو کچھ کچھ محسوس کرنے لگے ہیں۔ رسالہ مخزن میں عرصے سے دیکھتی تھی اور ہمیشہ خیال آتا تھا کہ اس کے بیدار مغز ایڈیٹر ذرا ہماری ترقی کیطرف خیال نہیں کرتے رسالہ مخزن کی اسدرجہ قبولیت اور اسکے مالکوں کی روشن خیالی پر خیال کرنیسے فوراً یہ دھیان آتا تھا کہ کاش اس علمی دعوت میں سے کچھ حصہ ہمارا بھی نکلتا۔ گو مخزن سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن پورا نہیں کیونکہ وہ ہمارے لیے خاص نہیں اور ہندوستانی نسوانی حالت اس قابل نہیں کہ عورتیں بھی علمی مجلس میں مردوں کی شریک ہو کر حصہ لیسکیں۔ اسوقت ہمارے پاس تین زنانہ جرائد ہیں۔ اول تہذیب النسواں دوم خاتون سوم پردہ نشین لیکن ابھی اس مقصد کے پورا کرنے کو جسکے لیے یہ نکالے گئے ہیں یہ کافی نہیں ہیں۔ اسوقت ایسے ایسے کئی جرائد کی جو خاص مستورات کیلیے ہوں ضرورت ہے۔ زیادہ خوشی اور اطمینان اس بات سے ہے کہ کاغذ عمدہ ہوگا اور رسالہ بالتصویر اعلیٰ پیمانے پر نکالا جائیگا۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ اگر وقت ملا اور خدا نے مجھ پر رحم کیا تو میں برابر آپکی مدد کرونگی۔ آجکل میں سخت پریشان حالت میں ہوں۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا میری والدہ ہمیں تنہا کر گئیں۔ اب بھی گھر میں بیماری چلی جاتی ہے۔ تاہم میں وعدہ کرتی ہوں کہ جہانتک

عصمت

ہندوستان میں ہماری دنیا دو حصوں پر منقسم ہے اور گھر کی چار دیواری ان دونوں میں حد فاصل ہے۔ ایک حصہ چار دیواری کے باہر ہے دوسرا چار دیواری کے اندر۔ ہمارا طریق عمل بتا رہا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ چار دیواری کے باہر سب کچھ ہے اور چار دیواری کے اندر کچھ بھی نہیں۔ باہر کی دنیا دنیا ہے اور اندر کی دنیا صرف چلتی پھرتی بولتی چالتی تصویریں ہیں۔ جو باہر کی دنیا کا دل بہلانے کے لیے مہیا کی گئی ہیں۔ جب باہر سے ذرا اکتائے تو اندر جا کر اُن کا تماشا دیکھ لیا۔ لیکن اب اس کا وقت آگیا ہے کہ یہ غلط خیال ہمارے دلوں سے نکل جائے اور ہمارے موجودہ طریق عمل کی اصلاح ہو جائے۔ ہمیں ماننا چاہیئے کہ چار دیواری کے اندر جو دنیا آباد ہے وہ بھی زندہ دنیا ہے۔ اور اُسے بھی اس عالم میں انھیں مقاصد سے زندگی بخشی گئی ہے۔ جن کی تکمیل ہماری زندگی کا مآل ہے۔ اس اندر کی دنیا کے رہنے والوں میں بھی عقل خداداد ایسی ہی موجود ہے جیسی باہر کی دنیا والوں میں۔ بلکہ ذہانت انھیں بسا اوقات

اعلیٰ درجے کی پائی جاتی ہے اور بہت سے دوسرے وصف ہیں جو
قدرت نے باہر کی دنیا کے برابر یا اس سے بڑھ کر انھیں دیئے ہیں
مگر اندر کی دنیا علم کی روشنی سے محروم ہے اور اپنے قوائے ذہنی
اور دماغی سے پورا کام نہیں لے سکتی۔ غنیمت ہے کہ ملک میں
جا بجا بذریعہ زنانہ مدارس کے اندر کی دنیا سے تاریکی دُور ہونے
کی کوشش شروع ہوئی ہے اور چند رسالے اور اخبار اس کوشش
کی تائید پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ان مدارس اور اخبارات اور
رسائل کے سامنے جو کام ہے وہ بہت اہم ہی اور اس کی اہمیت
و روسعت کے اعتبار سے ان کی تعداد اور قوت نہایت کم ہے
چونکہ ہر شخص کا فرض ہی کہ اسے مقدور کے موافق اس کام میں جس
وہ نیک سمجھے مدد دے۔ اس لیے ہم بھی خدا کے توکل پر ایک
ناچیز سی کوشش کے ذریعے اُن لوگوں کا ہات بٹاتے ہیں جو پہلے
سے اس مبارک کام میں مصروف ہیں اور اُردو میں ایک رسالہ
نکالنا شروع کرتے ہیں۔ جو اس نظر سے لکھا جائے گا۔ کہ اُردو داں
مستورات آسانی سے پڑھ سکیں اور اس کے پڑھنے سے فائدہ
اُٹھا سکیں۔

اس رسالے کا نام **عصمت** تجویز ہوا ہی۔

۱۔ **حرم کی حرمت قائم رکھنا**۔ انگریزی زبان میں ایک
مثل ہی کہ" انگریز کا گھر اُس کے لیے قلعہ کا حکم رکھتا ہی" اسی طرح

ہمارے ہاں ہر شخص اپنے گھر میں بادشاہ ہے۔ خواہ گھر کی چار دیواری مٹی کی بنی ہوئی کیوں نہ ہو۔ اور دروازے کے باہر ٹاٹ کا پھٹا سا پردہ کیوں نہ پڑا ہو۔ مگر یہ وہ مبارک حدود ہیں جن کے اندر غیر کا قدم نہیں آسکتا۔ ہر ایک مرد شریف کا منتہائے خیال یہ ہونا چاہیے کہ حرم دنیا میں ایک بہشت بریں کا نمونہ بن جائے۔ چار دیواری کے اندر امن و امان اور سکون و اطمینان کی حکومت ہو اور یہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ساکنان حرم ایسی تربیت پائیں جس سے وہ اپنے فرائض منصبی کو عمدگی سے انجام دے سکیں۔

۲۔ عالم نسواں کی ترقی۔ عالم نسواں صرف بیرونی دنیا ہی سے قطعی الگ تھلگ پڑا ہوا نہیں۔ بلکہ اپنے حال سے بھی بےخبر ہے اس کے پاس اس بات کے معلوم کرنے کے ذرائع بھی بہت کم ہیں کہ دوسری ملکی بہنیں کیا کر رہی ہیں۔ اگر کہیں بعض خواتین علم سے بہرہ ور ہو کر ترقی کر بھی رہی ہیں تو اُن کی اکثر بہنیں اس حال سے واقف نہیں۔ ورنہ ایک کی ترقی دوسری کے لیے ترغیب کا باعث ہو۔ عصمت اس ترقی کے تمام حالات مختلف ذرائع سے جمع کر کے اُن کی طرف دوسری خواتین کو متوجہ کرے گا اور گھروں میں بیٹھے بیٹھے تبادلۂ خیالات کا ذریعہ ہوگا۔

۳۔ تعلیم نسواں کی حمایت۔ چند سال سے ملک میں تعلیم نسواں کا شور ہے۔ مگر کامیابی بقدر ضرورت تو کجا۔ ابھی بہ قدر بلندی آواز بھی

نہیں ہوئی۔ بلکہ ہنوز اس پر بحث ہو رہی ہے کہ تعلیم کیسی ہو اور کہاں تک ہو۔ یہ بھی زیر بحث ہے کہ کیونکر ہو۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں ہو؟ خیر ان سے تو بحث ہی بے سود ہے۔ مگر باقی سب کو اکثر یاد دہانی کی جاوے گی کہ اس ضروری فرض کے ادا کرنے کی طرف جلد متوجہ ہوں۔ اور اس مسئلہ پر ناقدانہ غور کر کے اس کا فیصلہ کریں۔

۴ **معلومات عامہ**۔ ناظرین کے لیے معلومات عامہ بہم پہنچانا اور اُن کی معلومات عامہ کو بڑھانا ہر اخبار اور رسالے کا فرض ہوتا ہے عصمت اس فرض کی ادائیگی میں اپنے ناظرین کی ضروریات کو ملحوظ رکھیگا اور منجملہ دیگر معلومات کے پردہ نشین خواتین کے لیے وقتاً فوقتاً مشہور مقامات کے مختصر حالات مع تصاویر دیا کرے گا تاکہ مستورات گھر بیٹھے ہی ملک کی سیر کر سکیں اور حالات ملک سے بالکل ناواقف نہ رہ جائیں۔

۵۔ **معلومات خاصہ**۔ یوں تو اس رسالے کا اکثر حصہ خواتین کا لکھا ہوا ہوگا۔ مگر جو اوراق ان معلومات سے پُر ہوں گے جن کا مستورات کے لیے خاص طور پر مفید یا ضروری ہونا مسلم ہے وہ ذی علم مستورات سے لکھوائے جائیں گے۔

۶۔ **عصمت میں مضامین**۔ علمی۔ ادبی۔ تاریخی۔ معاشرتی سوشل غرض ہر قسم کے مضامین جو مستورات کے لیے مفید اور ضروری سمجھے جائیں گے درج ہوں گے۔ پولیٹکل مضامین سے قطعی احتراز رہے گا۔

دلچسپ سلیس معنی خیز نظمیں بھی شائع ہوا کرینگی ؎

عصمت میں مستورات سے مخصوص خبروں کا خلاصہ بالالتزام اور دیگر مضامین کا اقتباس یا ترجمہ وقتاً فوقتاً درج ہوگا۔

۷۔ زنانہ لٹریچر کو وسعت دینا اور ملک کے مشہور اہل قلم سے کنواری اور بیاہی لڑکیوں کے لیے مفید اور ضروری کتابیں تصنیف کرانا عصمت کے مقاصد میں شامل ہوگا۔

۸۔ کوشش کی جائے گی کہ ہندو اور عیسائی بہنیں بھی اس رسالے کی دلچسپی کے بڑھانے میں اپنی مسلمان بہنوں کی شریک ہوں۔ اور عصمت میں مضامین لکھیں۔

۹۔ جواب طلب استفسار بھی بصورت گنجائش درج ہوسکیں گے۔

اس وقت اردو میں تین چار پرچے ایسے ہیں جو عالم نسواں کی خدمت میں کچھ عرصے سے مصروف ہیں اور ان میں بھی صرف دو ایسے ہیں جنہوں نے ملک میں شہرت اور اعتبار پیدا کیا ہے۔ مگر ایسے بڑے ملک میں اتنی ضروریات کے لیے دو پرچے بہت کم ہیں۔ ہم اُن دونوں کی بیش بہا خدمات کا دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ اور انصاف یہ ہے۔ کہ انہی دونوں کی بدولت اس تیسرے پرچے کی ہستی ممکن ہوئی ہے۔ ورنہ چند سال پیشتر کوئی ایسا رسالہ نکالنے کی جرأت کرتا بھی تو یقیناً اُسے ناکامی کا سامنا ہوتا۔ مگر اب حالت بدل گئی ہے۔ لاہور کے مشہور پرچے تہذیب نسواں کی کوشش ورمسز ممتاز علی صاحبہ اور مولوی ممتاز علی صاحب کی توجہ سے

ایک معقول علقہ اخبار بیں مستورات کا پیدا ہو گیا ہی۔ رسالہ خاتون علی گڑھ۔ اور اس کے اڈیٹر شیخ عبداللہ صاحب بی۔ اے وکیل اور مسز شیخ عبداللہ صاحبہ کی کوشش بھی اسی طرح داد کے قابل ہی اور انہوں نے بھی پڑھی لکھی خواتین میں مضامین لکھنے اور پڑھنے کا شوق پیدا کرنے میں معقول حصہ لیا ہی۔ ان دونوں پرچوں کے بین بین ایک پرچے کی ضرورت بعض خواتین نے خود محسوس کر کے مختلف موقعوں پر خود تحریک کی اور زور دیا کہ اگر رسالہ مستورات کے لیے مطبع مخزن سے بھی نکلے تو خوب ہو۔ یہ آج کا اشتہار اُس تحریک کا جواب ہی۔ ہمیں پکارا گیا تھا ہم لبیک کہتے ہیں اور خدمت پر کمر بستہ ہیں۔ جو حضرات اس خیال کے موید ہوں اُن سے التماس ہے کہ اشاعت نمبر اول سے ایک مہینے کے اندر اسقدر تو درخواستیں بھجوا دیں جن سے یہ یقین ہو جائے کہ ملک میں ایک ایسے رسالے کی مانگ ہی اور پھر آیندہ نمبروں کے نکلنے پر مزید کوشش اس کی ترقی اشاعت کے لیے فرمائیں۔

رسالہ عصمت کا حجم علاوہ سرورق کے ۴۸ صفحے ہو گا اور سرورق ایسا ہو گا جو اُن ہاتوں میں جانے کے لیے موزوں ہو جن کے لیے یہ رسالہ مقصود ہی۔ رسالہ چکنے ولایتی کاغذ (مخزن قسم اول کے کاغذ) پر خوش قلم چھپے گا۔ اور کم از کم ایک تصویر سے مزین ہوا کریگا۔ اس کی قیمت سالانہ مع محصول ڈاک صرف تین (۳ے) روپیہ ہو گی۔ جو ہر صورت میں پیشگی

واجب الادا ہوگی۔ خواہ شائقین درخواست کے ساتھ منی آرڈر بھیجدیں یا پہلا پرچہ۔ وی۔پی روانہ کرنے کی اجازت دیں۔ جو صاحبان اس رسالے کے مقاصد سے ہمدردی رکھتے ہوں اور اس کی قلمی اعانت کرنا چاہیں انھیں اپنے مضامین میں زبان کی سادگی اور سلاست کو ملحوظ رکھنا ہوگا خواہ وہ نظم لکھیں یا نثر۔ اور خیالات میں بھی بس امر کا پاس کرنا پڑے گا کہ یہ پرچہ شریف بیبیوں اور پڑھی لکھی کم عمر کنواری لڑکیوں میں جائیگا تعلیم یافتہ خواتین کے جو مضامین چھپنے کے قابل ہوں گے وہ دلی شکریہ کے ساتھ درج کیے جائیں گے ۔

اگر کوئی خاتون اپنا نام چھپوانا پسند نہ کریں گی تو اس کے بجاے کوئی فرضی نام جو وہ اپنے لیے انتخاب کرکے ہمیشہ کے لیے ٹھہرالیں گی اُن کے مضمون کے اختتام پر درج ہوا کریگا۔

جو مستورات ترسیل زر یا ترسیل مضامین کے علاوہ دیگر امور میں کچھ خط وکتابت ایسی کرنا چاہیں جس کا مردوں کے ہات میں جانا اُن کے نزدیک مناسب نہو تو وہ مسز محمد اکرام صاحبہ کو خط لکھیں جو عصمت کی ترتیب میں اڈیٹر عصمت کے شریک حال رہیں گی۔ اور اُن خاص صورتوں میں اُن خطوط کا جواب خود دیں گی

شیخ محمد اکرام اڈیٹر رسالہ عصمت

شہر دہلی

میمرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل ایگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسر نامور ڈاکٹروں الیلین یاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سندیافتہ ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے۔
ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھند۔ جالا۔ پڑوال۔ غبار۔ پھولا۔ سبل۔ سرخی۔ ابتدائی موتیابند۔ ناخنہ۔ پانی جانا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ بچہ سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے۔ قیمت اس لئے کم ہے کہ خاص و عام اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے (عہ) میمرے کا مفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ عہ خاص میمرو فی ماشہ عہ معری سرمہ فی تولہ ۴ خرچ ڈاک ذمہ خریدار درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔ المشتہر پروفیسر میلا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھ کر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

۱۔ میں نہایت خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میمرے کا سرمہ جو مسٹر میلا سنگھ اہلووالیہ نے ایجاد کیا ہے بہت بیش قیمت اور مفید دوا ہے۔ بالخصوص مفصلہ ذیل امراض کے لئے بمنزلہ اکسیر ہے۔ آنکھوں سے پانی کا بہت جانا۔ دھند۔ سوزش۔ ہر قسم جسکو آنکھ آنا کہتے ہیں۔ جلن اور کمزوری نظر۔ ناخنہ باہر اور اندر کی جھلی کا زخم اور ان سیٹ کا گرنا۔ چونکہ اس سرمہ میں کوئی مضر کیمیاوی شے نہیں ہے اس لئے ہر کسی کے لئے اس کا استعمال مفید ہے۔ مفصلات میں جہاں لائق ڈاکٹروں کا ملنا محال ہے وہاں ایسی مفید دوا کو ضرور پاس رکھنا چاہئے۔ اس لئے میں بلا شک و شبہ کہہ سکتا ہوں کہ مذکورہ بالا امراض کیلئے میمرے کا سرمہ ضروری مفید ہے۔ دستخط ڈاکٹر ایم۔ بی۔ سانگھی ایم۔ ڈی۔ ایم۔ آر۔ سی۔ ایس سند یافتہ یونیورسٹی ایڈنبرگ

۲۔ جناب سردار صاحب! تسلیم۔ میں نے آپ کا میمرے کا سرمہ استعمال کیا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ بیشک یہ سرمہ کمزوری چشم کے لئے بہت مفید ہے۔ میری آنکھیں بالکل کمزور تھیں۔ لگاتار ایک پہر کام کرنے سے کمزور ہو جاتا تھا۔ اب میری یہ کیفیت ہے کہ صرف ۳ روز کے استعمال سے تین تین پہر یکہ تمام اچھی طرح کام کر سکتا ہوں۔ دستخط میاں خورشید محمد خلف میاں حسین محمد حامد صاحب ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول

پانچ ہزار روپیہ انعام
اگر کوئی شخص میمرے کے سرمہ کی سندات میں سے جو قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کر دے تو اسکو مبلغ پانچ ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ جو لاہور کے بنک میں اسی مطلب کے واسطے بطور ضمانت جمع کیا گیا ہے۔

جلد — ۱
نمبر — ۲

یعنی

شریف ہندوستانی بیبیوں کے

جولائی ۱۹۰۸ء

اُردو میں

پاکیزہ خیالات علمی اور ادبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہی

اور

ہر پرچہ ملک کے ممتاز اہلِ قلم کے مضامین کے علاوہ معزز خواتین کے

طبعزاد مضامین اور مشہور مقامات اور مناظر کی تصاویر سے بھی مزین ہوتا ہی

مطبوعہ مخزن پریس دہلی

قیمت سالانہ معہ محصولِ ڈاک ے فی پرچہ ر

فہرست مضامین

جولائی ۱۹۰۸ء



ایک ترک خاتون



ترکی برقعہ

عصمت

ننھوں کی نگہداشت

یہ مضمون [illegible] سراج الدین صاحب [illegible] کیا ہے جو [illegible] ایم اے بی [illegible] پروفیسر [illegible] کالج کے مشہور [illegible] ہیں [illegible] خیال [illegible] بچوں کی تعلیم کے لئے اسی طرح [illegible] وہ لڑکوں کی تعلیم کے [illegible] کوشش کر رہے ہیں۔

جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنی چاہئے کہ بچوں کے [illegible] لگائی جائے [illegible] بچے اپنے [illegible] اور کے [illegible] بہت چھوٹے [illegible] ہوتے ہیں۔ بعض [illegible] دوسروں کے سامنے اپنے بچوں پر خفا ہوتی [illegible] کی باتیں [illegible] کہتی ہیں۔ نہیں [illegible] ایسا تو نہ [illegible] اچھا [illegible] جواب دی [illegible] نہیں [illegible] آپ نے [illegible] پریشان ہو۔ [illegible] آپ ذرا غور کیجئے۔ کیا ممکن ہے کہ [illegible] بچے کی طبیعت پر [illegible]

عصمت

ننھوں کی نگہداشت

یہ مفید اور دلچسپ مضمون فیروزہ سراج الدین صاحبہ نے عنایت کیا ہے۔ جو پروفیسر سراج الدین صاحب بی۔ اے کی اہلیہ ہیں۔ پروفیسر صاحب فورمن کالج لاہور کے مشہور پروفیسر ہیں اور انہیں ملک کی تعلیمی ترقی کا بہت خیال ہے۔ انکی بیوی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اسی طرح کوشاں ہیں جس طرح وہ لڑکوں کی تعلیم کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔

جہانتک ممکن ہو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ بچوں کے دلوں کو چوٹ نہ لگائی جائے خواہ بچے اپنے ہوں یا کسی اور کے۔ انکے دل بہت چھوٹے اور کمزور ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ عورتیں دوسروں کے سامنے اپنے بچوں پر خفا ہوتی اور بری بھلی باتیں کہنے بیٹھتی ہیں۔ ساتھ والیاں کہتی ہیں۔ "نہیں بوا ایسا تو نہ کہو۔ یہ لڑکا تو بڑا اچھا ہے" ماں اپنی تیزی جتانے کو جواب دیتی ہے کہ "نہیں بہن آپ نے اسکو ابھی دیکھا نہیں۔ یہ بڑا شیطان ہے۔ مجھے اسقدر تنگ کرتا ہے کہ میں ہی جانتی ہوں"۔ اب ذرا غور کیجئے۔ کیا ممکن ہے کہ یہ باتیں بچے کی طبیعت پر اثر

کے بعیر گذر جائیں۔ شروع میں جیسی ماں نے تربیت کی ہوگی ویسا ہی ہوگا۔ اگر بچپن ہی سے ماں نے اسکو پیار کے موقع پر بھی اور مار کے موقع پر شیطان ہی کا خطاب دیا ہے تو وہ ضرور شیطان ہوگا۔ ہروقت شیطان ہی کی صورت اس کی نظروں میں پھریگی۔ ایسی حالت میں وہ بھلا فرشتہ سیرت کب ہونے لگا۔ وہ ڈھونڈھ کر وہی کام کریگا جو شیطان کرتا ہے۔ جتنی مرتبہ ماں کے منھہ سے ایسے کلمات سنیگا اسی قدر اپنی اس صفت میں ترقی کرتا جائیگا۔ لیکن اگر اسمیں نیک صفات ہونگی تو اسکے ننھے سے دل پر سخت چوٹ لگیگی۔ بچوں کی طبعی کمزوریوں اور انکے نقصوں کا ذکر انکی حاضری میں کبھی کرنا مناسب نہیں۔ اگر وہ قصوروار ہوں اور کچھ سزا ہی ہو یا سمجھانا ہو تو سب سے بہتر بات یہ ہے کہ علیحدگی میں کہا جائے۔ سبھوں کے سامنے جھڑکنے اور ہر وقت کے دھتکارنے سے بچہ ڈھیٹھ اور ضدی ہوجاتا ہے۔ اسکا دل ایک طرح سے بجھ جاتا ہے اور وہ ناامید ہوکر یہی سمجھنے لگتا ہے کہ شاید میں بہت ہی نالائق ہونگا۔ جو یہ مجھپر ہروقت خفا ہوتی اور کوستی رہتی ہیں۔ چلو ہم سے بھلائی ہوتی نہیں۔ اسلئے کوشش ہی چھوڑدو۔ بڑوں کو بچوں سے پیار کے ساتھ کام لینا چاہئے نرمی اور ملائمت اور تمیز کے ساتھ وہ کام خوشی سے کرینگے۔ اور خود بھی اوروں سے اسی طرح پیش آنا سیکھینگے۔ میں نے ایک تین سال کے لڑکے کو دیکھا جسکی بہن نے کہا "بشیر۔ جلدی جا۔ پانی لادے"۔ لڑکا کھیل میں مصروف تھا۔ جلدی نہ اٹھا۔ لیکن ارادہ رکھتا تھا کہ تھوڑے عرصے میں لادونگا۔ بہن پھر زور سے بولی۔ "جاتا ہے یا نہیں"۔ یہ سنکر لڑکا بھی اپنی ضد پر

...ر بولا" میں کوئی تمہارا غلام ہوں۔ نہیں لاتا نہیں لاتا" بہن شرمندہ ہو کر
بیٹھ گئی۔ دُوسری مرتبہ میں نے ایک اور اتنے بڑے لڑکے کو بھی دیکھا۔
بہن اپنے بھائی سے یُوں مخاطب ہوئی۔ "ننھے منّے" (جواب) "ہاں باجی بُوا"!
ہمارا ایک کام تو کر دو"۔ "کیا کام" "بتایا کرو تو ہم بتائیں (جواب) "قینچی لا دوں"۔
"نہیں۔ پانی لا دو"۔ یہ سُنتے ہی لڑکا پانی لینے کو بھاگ گیا۔ بہن نے
اس کو سُنانے اور اس کا دل بڑھانے کو پیچھے سے کہا کہ "بھئی کیسا پیارا لڑکا
ہے۔ پیارا صدیق ہمارے ساتھ نہ ہوتا۔ تو ہمارا کام کون کرتا"۔ ان الفاظ کو
سُنکر اُسکے قدم اور بھی تیز ہو گئے۔

اگر بچے ہونہار اور ہوشیار ہوں۔ تو محض اُنکی عقلمندی کا اظہار کرنیکی خاطر
اُنکو لوگوں کے سامنے پیش نہ کرنا چاہئے۔ ایک تو لوگ خود اس بات کو مناسب
نہیں سمجھتے اور دُوسرا یہ ہے کہ ایسا کرنے سے بچّوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایک
میم صاحبہ ذکر کرتی ہیں کہ میری چھوٹی لڑکی بڑی شرمیلی ہے اور لوگوں کے
سامنے جانا بالکل پسند نہیں کرتی۔ حالانکہ تین چار سال کی عمر تک وُہ
بالکل نہ شرماتی تھی۔ اور سب کے سامنے جاتی اور مجلس کے بیچ میں کُرسی پر کھڑی
ہو کر گیت گایا کرتی تھی۔ اب معلوم نہیں کیا ہوا ہے۔ وُہ بالکل تبدیل ہو گئی
ہے۔ ڈاکٹر نے اسکی اس عادت کا سبب یہی بتایا کہ چونکہ بہت چھوٹی عمر میں
وُہ ہر موقع پر علیحدہ کرکے سب مہمانوں کے سامنے گانے اور صرف
اپنی دلچسپ باتیں سُنانے کے واسطے پیش کی گئی۔ اسکی تمام قوتوں پر زور
پڑا اور وُہ کمزور ہو گئیں۔ اگر وُہ آہستہ آہستہ ترقی کرتیں۔ تو ایک خوشنما پھول

کی طرح اپنے وقت پر کھلتی ہیں۔ لیکن یہ تو ایسا تھا۔ جیسے کہ زبردستی سے ایک ننھی سی خوشبودار کلی کو کھول دیا ہو۔ بچوں کی تعریف بھی موقعہ دیکھ کر کرنی چاہئے۔ انکو خوب آگاہ ہونا چاہئے اپنے تمام بچپن کے فرائض اور کاروبار سے۔ اپنے گھر کے طور وطریق سے۔ اور اپنے اوقات کی پابندی سے۔ بعض بچے صرف تعریف حاصل کرنے کی خاطر اپنے فرائض ادا کرتے ہیں لیکن والدین کو چاہئے کہ انکے دلوں پر نقش کریں کہ فرض ایک ادا ہے جو ضرور ادا کرنا ہے۔ خواہ اس کے لئے کوئی تعریف کرے یا نہ کرے۔ یہ دو باتیں ایک دوسری سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں۔ ننھے بچے اپنے کھلونے ادھر ادھر پھینک دیتے ہیں اور اگر بچپن میں نگہداشت نہو تو ذرا بڑے ہو کر کتابیں وغیرہ جو انکی سب سے پسندیدہ چیزیں ہوتی ہیں۔ کھوتے رہتے ہیں استانی اپنی شاگردوں کو سکھایا چاہتی تھی کہ چیزیں سنبھال کر رکھنی چاہئیں وہ جب کسی کی شے ادھر ادھر پڑی پاتی اٹھا کر الماری میں بند کر دیتی تھی۔ لڑکیاں خفیہ خفیہ ایک دوسری سے پوچھتیں کہ بوا کیا تم نے ہماری فلاں چیز دیکھی؟ کبھی جواب ملجاتا کہ ہاں استانی جی نے بند کر دی ہے۔ تو وہ صبر سے اس روز کا انتظار کرتیں جو الماری کھولنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہوتا۔ پھر استانی صاحبہ ایک چیز نکال کر سب لڑکیوں کو جمع کر کے دریافت کرتی کہ یہ شے کس کی ہے۔ بعد میں مالک کو جو مناسب سمجھتی سزا اسکی لاپرواہی کے واسطے دیتی۔ گھروں میں بھی جب بچے خود اپنی کتابوں۔ کھلونوں اور کپڑوں کو نہ سنبھالیں تو مائیں ایسا ہی انکے ساتھ کر سکتی ہیں۔ بہت ہی ننھے بچوں کی سزا تو یہ سب سے اچھی ہے کہ قصہ وغیرہ سنانے کے وقت اسکو بیچ میں سے خارج کر دیا جائے۔

یا جیب خرچ کاٹا جائے۔ ورنہ کی سزا جہاں تک ہو سکے نہ دینی چاہیئے۔

بعض مرتبہ بچے خوب کھاتے پیتے ہیں۔ اور پھر بھی پیں پیں کرتے رہتے ہیں۔ مائیں حیران ہوتی ہیں کہ کیا ہوا؟ پھر پوچھتی ہیں کیا لوگے؟ فلاں شے منگا دیں۔ یہ کھاؤ گے۔ وہ کھاؤ گے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ وہ صرف کھانے ہی کے واسطے بنے ہیں۔ انکو جو آنکھ کان۔ ناک۔ ہاتھ عمدہ خدا نے دیئے۔ انکا کوئی کام نہیں؟ حرکت سے ہی تو بچے کھانا پینا کر کھیلنا چاہتے ہیں۔ ماں کو انہیں دلچسپ کھیل سکھانے چاہیئں جس میں انکی طبیعت لگی رہے۔ عمدہ عمدہ قصے اور کہانیاں سنانی چاہیئں کہ انکی عقل تیز ہو اور حافظہ بڑھے۔ اچھے اچھے گیت سکھائے۔ انکو طرح طرح کی چیزیں دکھائے۔ انکے ان کے ننھے ننھے دلوں کی راہبر بنکر ان کی غلطیوں کو مادری محبت اور عقلمندی کے ساتھ صحیح کرے۔ تاکہ بچے نیک بنکر رہیں۔ وہ اپنی ماں کی اسقدر عزت کریں۔ کہ انکے پیارے دلوں میں یہ بات نقش ہو جائے کہ دنیا میں ہماری ماں کی سی عقل کسی میں نہیں۔ محبت کسی میں نہیں۔ ہم جو کچھ ان سے پوچھیں وہ سب کچھ بتا سکتی ہیں۔ ماؤں کو اپنے بچوں کا راز دان بننا چاہیئے۔ اور ان کے بھیدوں کو اگر وہ ناپسند کریں تو بھی فاش کرنا نہ چاہیئے تاکہ بچے اپنی ماؤں پر بھروسا کرنا سیکھیں۔ اگر کبھی کوئی آزمائش ان پر آ پڑے تو وہ اپنا بوجھ ماں پر ڈالکر اس سے ہدایت حاصل کر سکینگے اور مدد پاکر آزمائش پر غالب آسکینگے۔ اگر بچے سنجیدگی کے ساتھ بات کرتے ہوں اور بڑوں کو وہ بات نامناسب یا عجیب معلوم ہو تو بجائے ان پر خفا ہونے یا ہنسی میں اڑا دینے کے

نہایت سادگی اور دلیسی ہی سنجیدگی کے ساتھ سب کچھ سمجھا دینا چاہئے یا یہ کہنا کہ بیٹا ابھی تم چھوٹے ہو تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ بچے جو کام کرتے ہیں اپنی سمجھ کے مطابق درست کرتے ہیں۔ ایک لڑکی مدرسے سے مکان پر چھٹی کے ایام میں آئی۔ بچے ناشتے پر ہمیشہ مکھن روٹی کھایا کرتے تھے۔ ماں نے لڑکی کی آمد کی خوشی میں مُربہ بھی حاضر کیا۔ سب بچوں نے ایک ٹکڑا روٹی کا مکھن کے ساتھ اور دوسرا مُربے کے ساتھ لیا۔ لیکن جو لڑکی مدرسے سے آئی وہ کفایت شعاری پر کوئی مضمون اور نصیحت پڑھکر آئی تھی۔ وہ ماں کا بہت نقصان نہ کرنا چاہتی تھی پس اُس نے کہا "اماں جان مجھے ایک ہی ٹکڑے پر میرے حصے کا مکھن اور مُربہ لگا دیجئے" چلد با ماں نے لگا تو دیا لیکن پوچھا نہیں کہ بیٹی کیوں دونوں ٹکڑے نہیں کھاتی؟ اور درشت کسی قدر ہو کر جواب دیا کہ اچھا آج چونکہ پہلا روز ہے تم ایسا ہی کر لو لیکن آگے کو ایسا نہیں ہونیکا۔ مُربہ اور مکھن ایسی سستی چیزیں نہیں کہ تم دونوں کو ملا ملا کر کھاؤ۔ حالانکہ لڑکی دونوں ٹکڑے کھا سکتی تھی لیکن اپنی سمجھ کے مطابق کفایت شعاری کو مدنظر رکھ کر ایک ٹکڑا روٹی کا بچایا۔ جبکہ اسکے دل میں یہ خیال تھا۔ اسکی ماں کی نادان بات نے اسکے چھوٹے سے دل کو کس قدر رنج پہنچایا ہوگا۔ بعض مرتبہ جب بھی کوئی نیا بچہ گھر میں پیدا ہو اور باقی بچے نہایت شوق کے ساتھ اسکو پیار کرتے ہوں اور کوئی ملاقاتی گھر میں آئے اور انکی خوشی میں شریک ہو۔ اور اُنکے نئے بھائی یا بہن کے آنیکے بارے میں اُنسے پیاری پیاری باتیں کر کے اُنکے دل میں گھر کریں اور اپنا اعتبار بٹھائیں مگر وہ بالکل اُلٹی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ کہ ہم یہ گڑیا لیجاتے ہیں اب ہم لے چلے بعض مرتبہ اُنکو رُلا کر خوش ہوتے اور بیحد بیچین کرتے ہیں۔

یہانتک کہ بیچارے بچے ہر شخص کو جو انکے گھر آئے سمجھتے ہیں ضرور ہمارے ننھے کو لینے ہی آیا ہوگا۔ اور خدانخواستہ کوئی بچہ مرجائے۔ تو وہ یہی شک کرتے ہیں کہ فلاں شخص آیا تھا کہیں وہ نہ لیگیا ہو۔ اب کہ ہمیں نہ لیجائے وہ بہت برا ہے۔ اس طرح بجائے محبت کا بیج بونے کے ہم بچوں کے ننھے سے دلوں میں نفرت کا بیج بودیتے ہیں۔ کبھی کوئی ایک بہن سے کہتا ہے "دیکھو بی بی تمہاری اور بہن پیدا ہوئی ہے۔ تم خوش تو ہوئی ہوگی۔ لیکن تمہیں معلوم بھی ہے۔ کہ وہ سب چیزوں میں تمہارے ساتھ حصہ بٹائیگی۔ اب تمہارے والدین تم کو اتنا پیار نہ کرینگے جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔ جو کچھ پہلے تم اکیلی کو ملا کرتا تھا اب بانٹ کر آدھا آدھا ملیگا۔ اب کون شخص ہے جو ایسی باتیں سنکر خوش ہوگا۔ کیا یہ جان بوجھ کر حسد اور دشمنی کا بیج بونا نہیں۔ اگر بڑے ہوکر بھی ایسی تعلیم کا کچھ اثر بچوں پر رہ جائے تو تعجب کی جا نہیں۔ لیکن بجائے اسکے اگر کوئی دانشمند شخص بچہ کو گھڑی بھر کا مذاق نہ سمجھے اور پیار کے ساتھ بچے سے پوچھے کہ وہ اپنے ننھے بھائی کو کسقدر پیار کرتا ہے۔ اور کہے کہ خدا نے اُس سے خوش ہوکر اُسے ایک اور ایسا ساتھی کھیلنے کو بخشا ہے۔ جو بالکل اسکا اپنا ہے۔ دوسرے بچے کھیل کود کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں لیکن یہ ننھا انہی کے ہاں رہنے کو دیا ہے۔ اسلئے ضرور اسکو اپنے ننھے کو بہت پیار کرنا چاہیئے اور خداوند کریم انکو اور اچھی چیزیں دیگا اور بہت سا پیار کریگا اور انکو کسی خوشی کی کمی نہ ہوگی۔ جو کوئی ایسی سچی تعلیم بچوں کو دیگا بچے ضرور اُس سے محبت کرینگے اور اُسکو اپنا دوست جاننے لگینگے۔ پیارے بچوں کا دل رکھنا۔ انکا دل لینا۔ انکے دلوں میں گھر کرلینا۔ انکا دل تسلی بخش باتوں سے بڑھانا۔ اسقدر فائدہ مند اور کوشش کے لائق کام ہے کہ اسکا انسان اندازہ نہیں کرسکتا +

(فیروزہ سراج الدین از لاہور)

مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم

مہرو۔ یہ بیگم صاحبہ کی علمی لیاقت محتاج تعریف نہیں۔ عنوان مندرجہ بالا کے متعلق ایک مضمون شروع کرتی ہیں۔ جس میں تاریخی پہلو سے عورتوں کی تعلیم پر بحث کی جائیگی۔ بڑی تلاش سے یہ تاریخی معلومات انہوں نے بہم پہنچائی ہے۔ وہ قابل داد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کی تعلیم کے لئے پچھلے زمانے میں اسلامی ملکوں میں کیا کیا اہتمام تھا۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ یہی انتظام ہندوستان میں بھی ممکن تھا یا ہے۔ کیونکہ ہر ملک کے دستور جدا ہیں۔ ہر قوم کے حالات کے مطابق وہاں کے دستور ہوتے ہیں۔ مگر اتنا نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ خواتین کو علم سے بہرہ ور ضرور ہونا چاہیے اور رسم و رواج ملکی کی پابندی کو نہ پڑھنے کا بہانہ نہ بنانا چاہیے۔ اگر دلی شوق ہو تو رسم و رواج کا پورا لحاظ کرکے بھی وہ علم حاصل کر سکتی ہیں:-

جواز تعلیم نسواں کے متعلق میں رسالہ "خاتون" میں بھی کئی بار لکھ چکی ہوں اس مضمون میں تاریخ رواج تعلیم نسواں زمانہ سابق و حال سے بحث ہوگی گو بظاہر یہ مضمون خشک معلوم ہو۔ مگر امید کرتی ہوں کہ ناظرین اگر تکلیف مطالعہ گوارا کریں تو اس سے مایوس نہ ہونگے۔

عرب میں تعلیم نسواں کا رواج سلف سے چلا آتا ہے۔ ایام جاہلیت میں جب عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہ تھے جو اب ہیں تعلیم نسواں کا رواج زور شور سے تھا۔ اُس زمانہ کی خواتین ایسی ایسی فاضلہ گذری ہیں کہ بعض

ن میں سے ہمعصر مردوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ مگر مجھ کو یہاں اس سے بحث ہے کہ ظہور اسلام کے بعد تعلیم نسواں کا رواج کس کس عہد میں کس کس طرح پر ہوا دیکھنے کو ذرا سی بات ہی مگر دقت یہ ہے کہ اسکی تحقیق پر کوئی جامع کتاب جو نہیں ہی یا خود میرے محدود علم میں نہیں ہے۔ میں نے بڑی جستجو سے یہ چند اتفاقات فراہم کئے ہیں۔ جو ہر حامی تعلیم نسواں کی نظر سے گذرنے چاہئیں

اشاعت اسلام کے بعد ترویج دین کے خیال سے تعلیم نسواں ایسی اہم ہو گئی تھی کہ خود بانی اسلام نے اس کا ذمہ لیا۔ صحابیوں میں سے کچھ لوگ ایسے مقرر کئے جو مومنوں کے گھروں میں جاجا کر عورتوں کو دینیات سے آگاہ کرتے اور قرآن اور علم حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے اس طرح مذہبی تعلیم کے نام سے اسلام میں تعلیم نسواں کا رواج پہلے پہل شروع ہوا۔

جب دائرہ اسلام کشادہ ہوا اور تمدنی ترقی کے ساتھ علوم و فنون کی مختلف شاخیں نکلیں تو اُس زمانہ کے فضلا جس میں "باب العلم" حضرت علی کرم اللہ وجہ اور عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ بھی تھے۔ اپنے علم سے دُوسروں کو مستفیض کرنے کی غرض سے مساجد میں علوم الٰہیات۔ فلسفہ و طبیعات وغیرہ پر بحث و مباحثہ کرنے لگے اور سامعین میں زن و مرد دونوں شامل تھے۔ اسی رسم پر یہ عام اجازت مبنی ہے کہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے نہ روکو کہ وُہ درگاہ عام ہیں اور یہاں سے سب کو استفادہ کا حق برابر حاصل ہے۔ اسی طرح مسجدوں میں علمی مجالس کا شغل اور عورتوں کی شرکت کا دستور تابعین اور تبع تابعین کے زمانے تک جاری رہا آپ

زمانہ میں تحصیل کے وسائل دونوں فرقوں کے لئے برابر ہونے کی وجہ سے علم و فضل میں ایسی مساوات ہوگئی تھی کہ جس طرح مردوں کے درس میں عورتیں داخل ہوتیں عورتوں کے علم و کمال سے مرد بھی مستفیض ہوتے اور یہ کوئی غیر معمولی یا عار کی بات خیال نہیں کی جاتی

بنی اُمیہ کے خلیفہ ولید دوم کے وقت سے حرم سرا کی عورتوں پر باہر آنے جانے کی قید شروع ہوئی جب بھی اُنکی تعلیم کا ہنوز نقصان نہ ہوا کیونکہ گھروں میں اُنکی تدریس کے لئے خاطر خواہ سامان موجود تھے۔ اور یہ بندش بھی صرف شاہی خواتین ہی کے لئے تھی۔ کیونکہ تواریخ سے ظاہر ہے کہ اُس عہد میں بھی عوام الناس کی عورتیں مدرسوں اور مسجدوں میں جو مدرسہ کا کام دیتی تھیں آکر تحصیل علم کرتی تھیں۔ اُس زمانہ میں عورتوں کی تعلیم ایسی عالمگیر تھی کہ کم لوگ اس سے محروم تھے۔ اسی لئے ولید اور ہشام کے وقت کی بیبیاں نہ فقط دینیات اور علم حدیث میں کمال رکھتی تھیں بلکہ ادب۔ عروض۔ بلاغت فلسفہ خطاطی سے بھی ماہر تھیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ متوکل باللہ خلیفہ کے وقت سے پردہ کی تقیید پر زیادہ توجہ ہوئی مگر اس کا التزام ضرور تھا کہ حرم سراؤں میں مدارس کے مقابلہ کی تعلیم ملے۔

قادر باللہ عباسی کے عہد میں عورتوں مردوں کا ملکر درس پانا بالکل موقوف ہوگیا اور مستورات کے لئے زنانہ مدارس جاری ہوئے جو خلفائے عباسیہ کے عہد میں بکثرت تھے۔

جب زنانہ مدارس کی طرف لوگوں کی توجہ ہوئی تو بڑے بڑے مدرسے قائم

ہوئے چنانچہ صلاح الدین کی بہن خدیجہ یا زمرد خاتون نے ایک اعلیٰ زنانہ مدرسہ لمدرسہ الست الشامیہ یا زمردیہ دمشق میں قائم کیا تھا وُہ اُس زمانہ میں اپنی قسم کا ایک ہی مدرسہ تھا اور اسکی خوش انتظامی ایسی تھی جس کی نظیر اس ہی روشنی کے زمانے میں بھی مشکل سے ملیگی۔ اور بھی دو زنانہ مدارس دمشق میں تھے جنمیں سے ایک والدہ خلیفہ ناصرالدین اور دُوسرا صلاح الدین کی بھتیجی عذرا کا قائم کیا ہوا تھا۔ اسکے علاوہ بنیہ۔ علیہ۔ رواحیہ۔ نوریہ۔ عزیزیہ کئی دارالعلوم بھی اس وقت ایسے تھے جن میں تعلیم نسواں کے لئے الگ الگ شعبے مقرر تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے مقامات میں بھی زنانہ تعلیم گاہیں تھیں جنکا ذکر بخوفِ طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔

درسگاہوں میں اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کیلئے درس لینے کا طریقہ جسکو وہ اپنی اصطلاح میں املا کہتے تھے زن و مرد کے لئے یکساں تھا طالب العلم درس کے وقت دوات قلم لئے رہتے اور اُستاد کی ہدایتوں کو ایک کتاب میں قلمبند کرتے جاتے اس رسالہ (نوٹ) کو امالی کہتے اور جو ممتاز طالب علم اُستاد کے قریب رہتے اور اُنکے ارشاد کو باآوازِ بلند دُہراتے کہ دُوسرے طلّاب سُن سکیں وُہ مستملی کہلاتے۔ اب بھی قریب قریب وہی طریقہ کالجوں میں پروفیسروں کے لکچروں کے نام سے جاری ہے۔

مُسلمانوں کی سلطنتِ مصر میں بھی زنانہ تعلیم گاہیں تھیں اور سلطنت ہسپانیہ کا تو کیا ذکر وہاں جیسے مردوں کی تعلیم و ترقی کے اسباب موجود تھے ویساہی عورتوں کا بھی انتظام تھا خصوصاً عبدالرحمٰن سوم اور اسکے بیٹے الحاکم کے عہدِ سلطنت میں تعلیم نسوان اپنے پُورے عروج پر تھی اور غرناطہ قرطبہ اندلس اشبیلیہ میں بہت سی مشہور تعلیم یافتہ خواتین گذری ہیں + (باقی دارد)

سہروردیہ

سیرِ یورپ

(از ہر ہائینس نواب بیگم صاحبہ جزیرہ جنجیرہ)

عصمت کے پہلے پرچہ میں وعدہ کیا گیا ہے کہ ہر ہائی نس نواب بیگم صاحبہ جزیرہ جنجیرہ کا سفرنامہ یورپ باقساط ہدیہ ناظرین عصمت کیا جائیگا۔ چنانچہ پہلی قسط شائع کیجاتی ہے یقین ہے کہ نواب بیگم صاحبہ کے مشاہدات سفر غیر معمولی دلچسپی سے پڑھے جائینگے۔ ایک روشن خیال عالی مرتبہ بیگم صاحبہ کا اپنے شوہر نامدار کی معیت میں اب لمبا سفر اس زمانہ میں طبقہ نسوان کی تاریخ میں قابل یادگار بات ہے۔ ہم نواب بیگم صاحبہ اور انکی ہمشیرہ صاحبہ کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے یہ سفرنامہ اس رسالے میں چھپنے کے لئے عنایت فرمایا:۔

۲۵- اپریل سنہ ۱۹۰۸ء - جہاز میں بیٹھ دنیا۔ ہماری جماعت میں میرے سوا سات آدمی ہیں۔ حضور انور جناب نواب سر سیدی احمد خان بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ بھائی صاحب علی اصغر بیگ فیضی۔ ہمشیرہ عطیہ بیگم فیضی۔ سردار سیدی حسن سیدی سعید صاحب ڈاکٹر ہاشم کھانی۔ ایک ملازم اور ایک خادمہ۔ عزیزوں سے وداع ہوکر ہم اپالو بندر پر آئے۔ یہاں پر جنجیرہ جعفر آباد بمبئی وغیرہ کے نامی گرامی حضرات اور ہماری ریاست کے اہلکار اور خانزادے وداع کرنے کے لئے موجود تھے۔ گلدستوں اور ہاروں کی خوب بوچھاڑ ہوئی چونکہ نواب صاحب نے اتنا دور دراز سفر پہلی مرتبہ ہی اختیار کیا ہے اس لئے

سعایا کو یہ جُدائی شاق گذری۔ مگر سب نے جوشِ ارادت سے بسلامت
رہی و باز آئی کہا۔ وقتِ مقررہ پر اس مجمع سے ہم آگے بڑھے اور خاص
سٹیمر لانچ میں سوار ہو کر جہاز پر پہنچے۔ پہلے سب اپنے اپنے کمروں میں
گئے تھوڑی دیر بعد اسباب آگیا اور اُسے ٹھکانے سے رکھوایا۔ مہارانی
صاحبہ بڑودہ کی بھانجی جی جی بائی جن سے مجھ سے خوب ملاقات ہے وہ بھی
اس جہاز میں ہیں۔ اور اپنے شوہر یواس کے راجہ کے بھائی کے ساتھ
جا رہی ہیں۔ دو بچے بھی اُنکے ہمراہ ہیں۔ تین سال وہاں رہنے کے
ارادے سے جاتے ہیں۔ یہ پڑھینگی اور انکے شوہر بیرسٹر بنینگے۔ نریبل
مسٹر گوکھلے سے بھی جہاز پر پہچان ہو گئی۔ اُنہوں نے مجھ سے پوچھا کہ
پردہ سے نکلکر ایسا سفر کرنے سے آپ پر کیا گذرتی ہوگی۔ مَیں نے کہا
بیشک گراں گذرتا ہے مگر اتنا نہیں جتنا آپ کو خیال ہے۔ کیونکہ میری
ایسی عادت ہے کہ جیسا وقت آئے گذار لیتی ہوں۔ میرے انگریزی سیکھنے
کے متعلق اُنہوں نے کئی سوالات کئے کیونکہ اُن کا کچھ ایسا خیال تھا کہ میں
اس زبان سے ناواقف ہوں۔ بڑے حلیم الطبع اور معقول آدمی ہیں مسٹر
گوکھلے نے مسٹر رومیش چندر دت سے بھی ملاقات کرائی۔ حضور سے اُن کی
خوب بحثیں ہوتی ہیں۔ مہاراجہ کوچ بہار۔ اُن کا لڑکا اور اُنکی لڑکیاں
بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ دونوں لڑکیاں انگریزی لباس پہنتی ہیں۔

۲۶۔ اپریل بسبب اتوار ہونے کے ۹ اور ۱۰ کے درمیان سب انگریز
ایک کمرے میں جمع ہوئے جہاں چھوٹا سا ارغنون موجود تھا۔ ملازمان جہاز

ہیں سے دو شخص اسے بجاتے تھے اور گاتے تھے۔ گھنٹے ٹھیک کے نماز پڑھی گئی۔ چند لوگ اُوپر کے سیلون میں جمع ہوئے جہاں کلکتہ کے بڑے پادری صاحب نے انجیل میں سے کچھ پڑھ کر سُنایا اور وعظ کہا۔ ہم ایسی جگہ موجود تھے کہ سُن سکتے تھے۔ سیلون نہایت پرتکلف کمرہ ہی اور یہاں سے کھانے کا کمرہ خاصی طرح دکھائی دیتا ہی۔

آگبوٹ کی زندگی نرالی ہی۔ یہاں دن بھر کام کیا ہی۔ کھانا کھاکر ٹہلنے لگے ٹہلتے ٹہلتے تھک گئے۔ تو آرام کرسی پر بیٹھ کے خوش گپیاں اُڑائیں۔ اس سے بھی تھکے تو سو گئے۔ کتنا ہی بڑا آگبوٹ ہو مگر پھر بھی میدان مختصر ہی اس بات سے جی ذرا دق ہوتا ہی اوپر آسمان نیچے آسمانی سمندر۔ اور ہم گویا تنکوں کی طرح بہ رہے ہیں۔ ساحل نظر ہی نہیں آتا۔ بس خدا سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔ عدن کا انتظار ہی۔ سمندر چُپ چاپ ہی اور جہاز بے حس و حرکت چلا جا رہا ہی۔ غنیمت ہی کہ سفر اچھا ہو رہا ہی۔ لوگ کہتے ہیں کہ آگے چل کے ہَوا بدلیگی۔ سوکوٹرا کے نزدیک تبدیلِ ہَوا کا خوف ہی۔ مس مودی پانڈے والوں کی خویشی اور مس کرسنداس چھبیلداس سے اکثر ملا کرتی ہُوں۔ اچھی بیبیاں ہیں۔ ہمارے لئے عافیت کی جگہ تو کیبن یعنی اپنا کمرہ ہی۔ عرشے پر یا جہاز کے کسی حصے میں بھی فراغت اور اطمینان ہم مسلمان بیبیوں کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ انگریز بیبیاں خاصی طرح عرشے پر آرام کرسی میں مطمئن بے جھجک کُل مسافروں کے درمیان لمبی تانے سو جاتی ہیں۔ ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہی۔ وُہ شاید عادی ہو گئی ہیں۔ ہم عرشے پر کھانا ہضم کرنے کے خیال

سے ٹہلتے ہیں لیکن ایک محدود دائرے میں چکر لگا کر جلد بیزار ہو جاتے ہیں ایک
میم کا ایک چھوٹا سا بچہ ہی جو ذرا ذرا کھڑا ہوتا ہی اُسکے لئے لکڑی کا پنجرا بنا رکھا ہی
جسکو تہ کر سکتے ہیں۔ اس پنجرے کو عرشے پر لا کر رکھ دیتے ہیں اور نیچے ایک دری
بچھا کر ماں اس بچے کو اسکے درمیان چھوڑ دیتی ہی بس اس احاطہ میں کھیلا کرتا
ہی اور خوش رہتا ہی۔ سچ تو یہ ہی کہ ان لوگوں کے بچے بھی خدا سے تربیت والے
ہوتے ہیں۔ اس جہاز میں کم از کم ڈیڑھ درجن بچے ہیں مگر کبھی کسی کے رونے کی
آواز یا بیجا شور سنائی نہیں دیتا ہی خدا جانے کس قسم کی تربیت ہی۔ ان میں کئی ایک ماہ
دو ماہ اور تین ماہ کے بھی ہیں لیکن انکو بھی خوش رکھنے کا ہنر یہ لوگ جانتے ہیں ؏

۲۹۔ اپریل۔ آج کل کا فیشن ہی کہ بیبیاں چھوٹا سا دوپٹہ اوڑھتی ہیں اور اس سے
یہ غرض ہی کہ بال ہوا سے بکھر نہ جائیں۔ کسی کسی پر واقعی بہت سجتا ہی۔ یہاں
ایک روسی بی بی ہی جن سے عطیہ نے ملایا بہت خوبصورت ہی اور نہایت خوش طبع
بالکل ہندی بیبیوں کا سا حجاب اس میں ہی۔ گراں بہا لباس اور زیور نہایت سلیقہ
سے پہنتی ہیں۔ گلے میں اچھی قدر کے موتیوں کی لڑی پہنتی ہیں اور تقریباً بالشت
بالشت کے فاصلے سے ایک ایک عمدہ بڑا گول موتی پرویا ہوا ہی۔ یہ تو معمولی
طریقہ ہی مگر اس میں جو غیر معمولی بات ہی وہ یہ ہی کہ بیچ میں موتیوں کا پھندنا
لٹکتا ہی۔ بیچ کی صنعت قابلِ ذکر ہی۔ پلاٹینم اور الماس کی کھولی میں سے
بیشمار لڑیاں لٹکتی ہیں لیکن اصل خوبی اس جھمکے کے موتیوں میں ہی ہر رنگ کا
موتی اس میں ہی۔ گلابی۔ آسمانی۔ سبز لڑیوں کی لڑیاں رنگین پتے گول لڑکو
سے بنی ہوئی ہی۔ واقعی نادر خیال ہی اور بھلا معلوم ہوتا ہی ✦ (باقی دارد)

ہم خرما و ہم ثواب

یہ مضمون نہایت غورطلب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر قرآن مجید کا ترجمہ اردو میں بلا متن چھپ جائے تو پڑھنے والوں کو اور خاص کر اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں مگر شاید اسلام سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ بہت آسانی ہو۔ مگر ہمارے علما اکثر اس خیال کے خلاف ہیں اور اس رائے کی بعض زبردست وجوہات ہیں۔ اگر وہ اجازت دیدیں تو ہم اس عمدہ تجویز پر عمل کرنے کو حاضر ہیں۔ مگر بغیر علما کی اجازت کے یہ ذمہ داری نہیں جاسکتی :-

جس نے عصمت کی تمہید دیکھی ہوگی وہ سمجھ گیا ہوگا کہ عصمت کی اصلی غرض ہم عورتوں کے تعلیمی نصاب کو بحث مباحثہ سے طے کرکے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ صرف باتیں بنانا نہیں۔ اس کی ابتدا یوں کی گئی ہے کہ عصمت کے پہلے ہی پرچہ میں "ہماری تعلیم کا نصاب" کی سُرخی سے ایک مضمون لکھ کر نصاب کا ایک ڈھانچا پیش کیا گیا ہے کہ اسے جانچا جائے پرتالا جائے کچھ ترمیم کچھ کاٹ چھانٹ کرکے ایک مکمل نصاب تیار کرکے عملی کارروائی شروع کردیجائے اسکو نرا ایک مضمون سمجھ لینا یا ایک ضروری مسئلہ قرار دیکر اسے جلد طے کرنے کی کوشش کرنا یہ ناظرین عصمت کا کام ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک عملی تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں۔ دُنیاوی کاروبار کو غور سے دیکھئے تو گویا ایک مضبوط زنجیر اس سرے سے اس سرے تک ہے۔ یہاں کے سارے کام دھندوں کو

ایک دوسرے سے وہی علاقہ ہے جو زنجیر کی ایک کڑی کو دوسری کڑی سے۔ نہ تو
ایک کڑی کے بغیر دوسری کڑی ٹھیر سکتی ہے نہ ایک کام کے بغیر دوسرا کام ہو سکتا
ہے۔ پس نصاب کی تکمیل کے لئے زنانہ کتب کی سخت ضرورت ہے اور یہ تو ظاہر ہے
کہ ہمارا نصاب جو کچھ بھی طے ہو مذہبی اور ادبی تعلیم اس کا جزو اعظم ہو گا۔
اس بنا پر میرے خیال میں اسوقت یہ بات آئی ہے کہ مسلمانوں کے یہاں ہر کام
شروع کرتے وقت کچھ مذہبی خدمت بجالانا بڑا خیر و برکت کا موجب خیال کیا
جاتا ہے۔ اسی لئے لڑکوں کو جب مکتب میں بٹھاتے ہیں تو سب سے پہلے قرآن
شریف ہی پر بسم اللہ پڑھاتے ہیں۔ اب عصمت زنانہ مذہبی ادبی کتابیں تو
چھاپے ہی گا۔ اسلئے مناسب ہے کہ اس بڑے کام کی پہل وہ بھی کسی ایسی کتاب سے
کرے جو مذہب میں مستند ہونے کے علاوہ ادبی حیثیت سے بھی سند ہو یعنی
"ہم خرما و ہم ثواب" کے مصداق ہو۔ کیا عجب کہ اس نیک کام کی برکت سے
ہماری تعلیم کے سارے کام سُدھر جائیں اور عصمت کو اپنے مقصد میں کامیابی
ہو اور پھر ہمارا دماغ نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھے۔ ایسی جامع کتاب اب کہاں
تلاش کرتے پھریں۔ آیئے میں عرض کروں۔ مذہبی اعتبار سے پہلا کلام پاک
سے بڑھ کر کوئی کتاب مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور ادبی حیثیت سے اُسی کلام
پاک کا ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ بےمثل ہے۔ ایسی ٹکسالی اُردو۔ ایسی شستہ
زبان ایسا طرز بیان۔ قرآن مجید کے دقیق مضمونوں کو اپنے روزمرہ میں
ایسی خوبی اور صحت سے ادا کرنے پر قدرت کچھ اسی بزرگ کا کام ہے۔ ہر
شخص کا حوصلہ نہیں۔ اس لئے میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی ہے کہ کاش

ایڈیٹر صاحب جناب ممدوح سے اجازت لیکر اپنی ممتاز اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی میں صرف ترجمہ ہی بلا متن کے بے کم و کاست اُسی ترتیب سے مع پاروں سورتوں کے نام اور رکوع رُبع وغیرہ کے نشان کے بے تغیر تبدل تقدم تاخر کے اللہ کا نام لیکر چھاپنا شروع کردیں البتہ اتنی ذرا سی ترمیم مناسب ہوگی کہ اس ترجمہ میں بہت سے جملے ایسے ہیں جنھیں یہ خاص محاورے سے تعلق ہے جو اُن ناواقفوں کے مطلب موقع عمل سے واقف ہونگی وہ تو قرآن کے مطلب کو اچھی طرح سے سمجھ لینگی اور جو نہیں وہ نہ سمجھ سکینگی۔ ایسے جملوں کا مطلب حاشیوں میں کھولدیا جائے تو نفع عام ہو جائے۔ قرآن شریف بے وضو چھونا بھی ناجائز ہے اور بہت دفعہ وضو کے آلکس سے تلاوت سے محرومی رہجاتی ہے۔ اب بلا قید و بلا تکلف ہر حال میں اس ترجمہ محض کو دیکھ پڑھ کر نو ایمان حاصل کرسکینگی اور ہندو بہنیں بھی مطالعہ کرسکینگی۔ پہلے قرآن شریف سے تھوڑی دیر صرف تلاوت کا کام لیا جاتا تھا۔ اب غور و تدبر اور سوچنے کا موقع ملیگا۔ پہلے یہ ترجمہ اردو ادب کی کتابوں میں شمار نہیں کیا جاتا تھا اب خالص ادبی کتاب اعلیٰ درجہ کی مستند ہوگی اور یہ کرشمہ دو کار کتاب کی کتاب اور ثواب کا ثواب ہوگا۔ میں ڈپٹی صاحب کی حمیت اسلامی سے بڑے یقین کے ساتھ اُمید کرتی ہوں کہ وہ ضرور اجازت دیکر ہم غریبوں پر خصوصاً اور اسلام پر عموماً احسان فرمائینگے اور خود داخل ثواب ہونگے اگر خدا نہ کرے ایڈیٹر صاحب کسی وجہ سے بھی اسے ہاتھ لگانا مناسب سمجھیں تو ڈپٹی صاحب سے التجا ہے کہ وہ خود بنفس نفیس اس بڑے ضروری کام کا بیڑا اُٹھائیں۔ آپنے اپنے ترجمے کو کئی ترکیبوں سے چھپایا ہے صرف یہی ایک بڑی مفید اور ضروری ترکیب رہ گئی تھی جسکے بغیر کام ادھورا ہے اور یہ ایسا ضروری اور مفید ہے کہ میں اُمید کرتی ہوں کہ ہماری یہ التجا قبول کر لیجائیگی ؎ (سیدہ بیگم)

حفظِ صحت

حفظِ صحت اور علمِ طب کے متعلق مندرجہ ذیل تاریخی معلومات جناب بیگم نعیمی صاحبہ نے شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی کی مشہور کتاب "تمدن عرب" سے انتخاب کر کے بھیجی ہیں۔ جن بہنوں کی نظر سے یہ مضمون گزرے۔ وہ اسے نہ فقط ذوق سے پڑھیں بلکہ کارآمد سبق حاصل کریں:-

عربوں نے حفظِ صحت کے علم کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس علم کے ذریعہ سے انسان اپنے آپ کو اُن امراض سے محفوظ رکھ سکتا ہے جو معالجہ سے اچھے نہیں ہوتے۔ ابتدائی زمانے سے عربوں کی عاداتِ حفظِ صحت بہت ہی عُمدہ تھیں۔ احکام قرآنی میں غسل۔ وضو۔ اور ترکِ شراب پر اصرار اور گرم ملکوں میں نباتی غذا کو حیوانی غذا پر ترجیح دینا نہایت عاقلانہ اور مفید اصولِ صحت ہیں اور صحت کے متعلق جو کچھ ہدایات آنحضرت نے فرمائی ہیں اُن پر کسی طرح اعتراض ہو نہیں سکتا۔

عربوں کے شفاخانے بالکل اصولِ صحت پر تعمیر ہوتے تھے اور ہمارے آجکل کے شفاخانوں سے بہتر تھے۔ یہ شفاخانے بہت ہی وسیع ہوا کرتے تھے اور اُن میں ہوا اور پانی بکثرت پہنچایا جاتا تھا۔ الرازی سے جس وقت کہا گیا کہ وہ بغداد میں سب سے زیادہ خوش آب و ہوا مقام کو شفاخانے کے لئے تجویز کرے تو اُس نے جس ترکیب سے مختلف مقامات کا امتحان کیا اس کو آجکل کے متعدی امراض کے محققین بھی قبول کر لینگے۔ اس نے

گوشت کے ٹکڑے شہر کے تمام حصوں میں لٹکا دیئے اور جس مقام پر سب سے زیادہ دیر میں گوشت سڑا اسی کو خوش آب و ہوا قرار دیا۔ مثل آج کل کے شفاخانوں کے اُنکے شفاخانوں میں بھی مریضوں کے لئے بڑے بڑے دالان ہوتے تھے اور طلبہ کے پڑھنے کے حجرے تھے یعنی اُن طلاّب کو اِس قدر تعلیم کتابوں کی نہ تھی جتنی خود مریضوں کے علاج کے ذریعے دیجاتی تھی۔ اِس خاص امر میں یورپ کے ازمنہ متوسطہ کے دارالعلوم میں اِن کی بہت کم تقلید کی گئی تھی۔ عربوں میں بعض امراض کے لئے خاص شفاخانے تھے علی الخصوص مجانین کے لئے۔ مثل ہمارے ان میں بھی خیراتی دواخانے تھے جہاں مریض خاص ایّام میں بلاصرف رجوع کرسکتے تھے۔ اُن مقامات میں جہاں شفاخانے نہیں بن سکتے۔ اطبا وقتاً فوقتاً وہاں کے دَورہ کرتے تھے۔

تبدیلِ آب و ہوا کے فواید بھی عربوں کو معلوم تھے۔ ابن رشد اپنی شرح کتاب بوعلی سینا میں دِق کے مرض میں تبدیلِ آب و ہوا کی صلاح دیتا ہے۔ موسم سرما کے لئے وُہ عربستان اور حبش کو لکھتا ہے۔ آج بھی اطبائے یورپ اس مرض کے مریض کو اکثر سواحلِ نیل و حبش کے قرب وجوار کی ہوا کھانے بھیجتے ہیں۔ سالرنو (جنوب اطالیہ) میں بہت ہی خوش آب و ہوا مقام ہے اور یہاں ازمنہ متوسطہ میں ایک نہایت مشہور مدرسہ طبیہ تھا) مدرسہ طبیہ کے ملفوظات میں نہایت عمدہ اصول صحت بیان کیے گئے ہیں۔ اس مدرسے کی شہرت جو یورپ میں اوّل سمجھا جاتا تھا عربوں ہی کے سبب سے تھی۔

علاج بالحفظان جو ہمارے علم طب کی خیر تعلیم ہی کا نکلا اُن ہی اصُول پر مبنی ہے اور بہت ہی قرین قیاس ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں عربی اطبا کے ہاتھ سے زیادہ مریض تلف نہیں ہوتے تھے جتنے اب ہوتے ہیں۔

عربوں کی طبّی ترقیاں زیادہ تر فن جراحی۔ علاماتِ امراض اور ادویات میں ہیں اُنہوں نے بہت سے طریقے علاج کے ایجاد کئے ہیں جن میں سے جا بجا (نامنفانہ) پانی کا استعمال اس زمانے میں کئی صدیوں تک متروک ہو جانے کے بعد دوبارہ جاری ہوا ہے۔ اور یہ مرکب کے وہ گویا موجد ہیں اور اکثر مرکبات جو اس وقت تک مستعمل ہیں شربت ضماد۔ دہنیات وغن۔ عرقیات وغیرہ اُن ہی سے ہمکو پہنچے ہیں۔ دواؤں کے استعمال کے وہ طریقے بھی اُنہوں نے ہی نکالے ہیں۔ جو اب اتنے زمانے کے بعد نئی ایجادوں کے نام سے مشہور کئے جاتے ہیں۔ مثلاً نباتات کسی دوا میں بھگو دینا اور پھر اُنکے استعمال کے ذریعے سے دوا پہنچانی۔ ابن ازہر قبض کا علاج اس طرح کرتا تھا کہ انگور کو عرقِ مسہل میں بھگو کر مریضوں کو کھلاتا تھا۔

فن جراحی کی ابتدائی ترقّی عربوں ہی سے ہوئی اور زمانۂ حال تک اُن ہی کی تصنیفات پر یورپ کے مدارس طبیہ کا دارومدار رہا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں انکو شریان بند کا علاج زجاجیہ کے دبا دینے سے یا اُس کے نکال لینے سے معلوم تھا۔ پتھری کا نکالنا جسکو ابقاسیس نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ خون کو ٹھنڈے پانی سے بند کرنا۔ محرقہ ادویات اور ریشمی ٹانکوں کا استعمال اور زخم کا آگ سے جلانا وغیرہ یہ کل معالجات عربوں میں جاری تھے بیہوشی کی دوا دینا بھی جو بالکل جدید ایجاد خیال کیجاتی ہے۔ اُن سے مخفی نہ تھا وہ لکھتے ہیں کہ سخت عملیاتِ جراحی سے پہلے مریض کو کوئی منشی دوا دینی چاہئے جس سے وہ سو جائے اور اُس میں حس و حرکت باقی نہ رہے ۔۔۔۔۔۔ (زہرا بیگم فیضی)

لاہور اور دہلی کے زنانہ جلسے

لاہور کے جلسوں کے حالات تو بہنیں اخبارات سے دیکھتی رہتی ہیں زیادہ تفصیل سے بیان کی ضرورت نہیں۔ ان میں سوائے اسکے اور کوئی خاص بات نہیں ہوتی کہ پردہ کا انتظام نہایت معقول ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا لڑکا بھی کسی جلسے میں نہیں جا سکتا۔ اکثر یورپین بہنیں ان کی محرک ہوتی ہیں اور اخلاق سے مستورات کو دعوت دیتی ہیں اور سب بہنیں جنکو ایسے معاملات سے دلچسپی ہے۔ اُن جلسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ لاہور کے شالامار باغ میں کئی پارٹیاں ہوئی ہیں۔ کیونکہ وہ باغ اتفاق سے ایسا ہے کہ اسکی چار دیواری میں نہایت اچھا پردہ ہے۔ اور زنانہ پارٹی والے دن باہر پولیس کا پہرہ بیٹھ جاتا ہے کہ کوئی مرد اندر نہ جانے پائے۔

شالاباغ کے جلسوں کی کامیابی کا دارومدار زیادہ تر باغبانپورہ کی روشن خیال خواتین کی کوششوں پر ہے۔ یہ تفریحی جلسے باغ میں نہایت پُرلطف ہوتے ہیں۔ بیبیوں کو یہاں تھوڑے عرصہ کے لئے چلنے پھرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یہ جلسے بھی کسی بہن کی طرف سے ہوتے ہیں کبھی کسی کیطرف پرنسس دلیپ سنگھ صاحبہ اپنی ہموطن بہنوں کو سالانہ دعوت دیتی ہیں جس میں سب ہندو مسلمان یورپین لیڈیاں جمع ہوتی ہیں۔ اسی طرح باغبانپورہ کی بہنیں ہر سال جلسہ کرتی ہیں۔ باغ کی روشوں پر بہنوں کا مل کر ٹہلنا

اور ایک دوسری سے خیالات کا تبادلہ کرنا ایک خاص لطف رکھتا ہی۔
پرنس آف ویلز کے آنے پر لاہور میں جو زنانہ جلسے ہوئے وہ بہت یاد رہینگے۔ جو بہنیں اس میں شریک تھیں اُن کے لطف کو کبھی نہیں بھول سکتیں۔
لاہور کے جلسوں کے اس مختصر سے بیان سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئیے کہ وہاں کی عورتیں انہی جلسوں میں مشغول رہتی ہیں اور کام کچھ نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ جلسے اس بات کی دلیل ہیں۔ کہ وہاں کی مستورات میں مفید کام کرنے کی قوت پیدا ہوگئی ہی جس کا ایک اظہار یہ جلسے ہیں۔ اس وقت لاہور کی خواندہ مستورات جو کچھ کر رہی ہیں اور کہیں اسکا پتہ نہیں چلتا۔ علمی زنانہ جلسے وہاں ہوتے ہیں جنمیں دوسری بہنوں کی اصلاح اور ہمدردی کی تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔ زنانہ مدرسوں کی رونق انہی سے ہی۔ بہن ایڈیٹر تہذیب النسوان اور مس محمد عمر صاحبہ اور بیگم صاحبہ نواب ذوالفقار علی صاحب ایسی ایسی معزز بیبیوں کی کوشش اور تحریک سے تعلیم نسواں میں معقول ترقی ہو رہی ہی۔ حال میں جو انجمن ہمدرد نسواں قائم ہوئی ہی یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہی۔
ابھی تو وہاں بھی ابتدا ہی۔ اگر اسی طرح وہاں کام جاری رہا تو امید ہی کہ وہاں کی بہنوں کی مثال دوسری بیبیوں کیلئے قابل تقلید ہوگی۔
جب میں دلی میں آئی تو مجھے توقع تھی کہ دلی کی بہنیں بھی تعلیم کی طرف پوری توجہ کرتی ہونگی۔ لیکن مجھے یہاں کچھ عرصہ تک تو بالکل سناٹا نظر آیا اور کسی قسم کی آواز میرے کان میں نہ پہنچی۔ اتنے میں بہن سلطانہ بیگم صاحبہ پشاور سے تشریف لائیں۔ انکے آنے سے اتنا تو ہوا کہ چند مرتبہ انکے

ہاں مستورات جمع ہوئیں۔ مگر جو ابتدائی جلسے میں نے دیکھے انکو دیکھ کر کسی قدر مایوسی ہوئی۔ آنے کو تو دس بیس بہنیں آجاتی ہیں لیکن وہ جوش اور وہ رونق جو لاہور کے زنانہ جلسوں میں نظر آتی تھی اس کا یہاں ابھی نشان نہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہاں کی بہنوں کے لئے یہ جلسے بالکل نئے ہیں وہ پوری طرح ان کے قاعدوں سے واقف نہیں۔ مگر اس کے سوا بھی بہت سی باتیں ہیں جنکی کمی ہے۔ اور جب تک یہ مل بیٹھنے اور ملکر ترقی علمی کرنیکا شوق چند گھروں تک محدود ہے۔ یہاں کے جلسوں میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی جو لاہور میں موجود ہے۔

ڈاکٹر مس سہراب جی جو ہمدردی یہاں کی بہنوں سے ظاہر کرتی ہیں اور جو دلچسپی ہمارے کاموں میں وہ لیتی ہیں اسکے لئے ہمیں شکرگذار ہونا چاہئے چنانچہ انہی کی کوشش سے ایک زنانہ کلب بھی قائم ہو گیا کہ جسمیں چند بہنیں جو اسکی ممبر ہیں آٹھویں دن جمع ہو جاتی ہیں۔

بعض بہنوں کو یہ خیال ہے کہ جہاں یہ جلسے ہوتے ہیں وہاں پردہ کا انتظام ٹھیک نہیں ہوتا مگر اسکے متعلق انہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ اگر انہیں اور کوئی اعتراض نہ ہو تو اس خیال سے ان جلسوں میں شریک ہونے سے دریغ نہ کریں۔ اسکا کافی انتظام ہوتا ہے اور جسقدر اچھا انتظام چاہیں ہو سکتا ہے۔ علاوہ اسکے چندہ کے نام سے بہت بہنیں گھبراتی تھیں۔ کیونکہ اگر کوئی جلسہ سکول کے لئے یا خیراتی محتاجوں کے لئے ہوتا ہے تو بیبیاں بہت ہی کم آتی ہیں اسکا علاج یہ ہے کہ فی الحال ان جلسوں میں چندہ نہ لیا جایا کرے اور جب چندہ جمع کرنیکی ضرورت ہو تو چند بہنیں جو اسکی ضرورت سے واقف ہوں آپس میں مل جل کر چندہ کرلیں اور عام طور پر چندہ نہ مانگیں اور جلسوں کو ایسا دلچسپ بنایا جائے کہ دوسری بہنیں خود بخود شوق سے آئیں۔ اسی طرح جب وہ آنے لگینگی اور رفتہ رفتہ ان میں شوق پیدا ہو جائیگا تو خود بخود ہر کام میں مدد دینگی۔ کیونکہ طبقہ نسواں کی ضروریات کو خوب سمجھنے لگینگی +

مسز محمد اکرام

دُولہنوں کی نماز

اور کہیں کی تو خبر نہیں مگر دلّی میں تو عام طور پر یہ دستور دیکھا ہو کہ عورتیں اور مرد دونوں دولہن کی نماز کو فرض تو فرض معمولی رسم کے برابر بھی ضروری نہیں سمجھتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ ماں باپ جنہوں نے کوارپنے میں لڑکی کو پیار کر کر چمکار کر گھڑک کر ڈانٹ کر نماز کا پابند کیا تھا بالکل بری الذمہ ہوتے ہیں اور سسرال والے ایک ایسی لڑکی کو جو میکے سے پانچوں وقت کی نماز پڑھتی آئی چند روز میں بے نمازن بنا دیتے ہیں۔ غور کرنے پر یہ بات آسانی سے اس طرح معلوم ہو جائیگی کہ بیاہی لڑکیوں کے مقابلہ میں کواری لڑکیاں نماز کی زیادہ پابند نکلینگی۔ تعجب اور افسوس ہو کہ مسلمان دولہن کو بیاہ لانے کے بعد اتنا نہیں سمجھتے کہ اسوقت سے ماں باپ اپنی لڑکی کے تمام فرضوں سے سبکدوش ہوئے اور اب سے دولہن کی بہت سی باتوں کے وہ خود ذمہ وار ہیں کھیر چٹائی چوتھی وغیرہ وغیرہ ایسی ضروری اور لازمی رسمیں ہیں کہ چاہے کچھ ہی ہو اُن میں فرق نہ آئے لیکن نماز جو مذہب کا زیور ہو اس کا مطلق خیال نہیں۔ بیچاری دولہن اپنی شرم کی وجہ سے نہ کچھ کہہ سکتی ہو نہ بول سکتی ہو نہ ہل سکتی ہو نہ چل سکتی ہو۔ گم سُم جھکی جھکائی ایک جگہ بیٹھی ہو۔ گھنٹوں گذر جائیں جب تک کوئی نہ کہے یا نہ اُٹھائے وہ اپنی جگہ سے سرکنا تو کیسا جنبش بھی نہیں کرسکتی۔ اگر سسرال والے اپنی عنایت سے اتنا خیال کریں

یہ بے زبان جو میکے سے ظاہری جہیز کے ساتھ اندرونی صفتیں بھی لیکر آئی ہے ہماری لاپروائی سے بالکل ہی لامذہب ہو جائیگی تو یہ وقت ہرگز نہ ہو اپنی اپنی حیثیت کے موافق وداع کے وقت ایک یا دو عورتیں دولہن کے ساتھ میکے سے ضرور آتی ہیں اور اُن کے آنے کی غرض یہی ہوتی ہے کہ دولہن چونکہ اپنی شرم کی وجہ سے وہاں کسی سے بات نہیں کرسکتی اسکی ضرورتوں میں مددگار رہوں۔ لیکن میں نے اگرچہ آجتک بیسیوں ہی دلہنیں دیکھیں اور ایسی ایسی دیکھیں کہ کوارپنے میں انکی کیا مجال جو ایک بھی نماز قضا ہو مگر سُسرال میں اگر کسی کو یہ نہ دیکھا کہ نماز پڑھ رہی ہو اس کی بڑی وجہ یہ ہے گو وُہ نماز کو بھی اپنی اشد ضرورت یقین کرتی ہے مگر ساتھ ہی خیال آتا ہے کہ کہیں سب اپنے دل میں یہ نہ سمجھیں کہ بنتی ہے بڑی نمازن بنکر آئی ہے ساتھ ہی یہ بھی خیال آتا ہے کہ وضو کرتے ہُوئے سب دیکھینگے۔ چند گھنٹوں کی بیاہی کس طرح سب کے سامنے گھونگھٹ اُٹھا کر منھہ پر چھپکے ماروں ہاتھہ پاؤں دھوؤں اور پھر کھڑی ہو کر نیت باندھوں رکوع کروں سجدہ کروں سلام پھیروں دُعا مانگوں ۔ خیر ایسی حالت میں تو اللہ بھی میری مجبوری دیکھتا ہے معاف کردیگا گھر جا کر پڑھ لونگی ۔ بس وقت تو اس خیال سے بہت کچھہ تسکین ہو جاتی ہے۔ لیکن یہی ٹل آگے جا کر پہاڑ ہو جاتا ہے اور ایک نمازن لڑکی صرف شادی ہو جانے کی وجہ سے بے نمازن ہو جاتی ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیاہی لڑکیاں نماز ہی نہیں پڑھتیں۔ پڑھتی ہیں مگر کم۔ اور اُنہوں نے بھی کسی خاص ضرورت سے پڑھنا شروع کیا اور پھر ویسی ہی

عادت پڑگئی۔ کوار پتہ کی نماز ن تھیں شادی نے گنڈے وار بنا دیا۔ رفتہ رفتہ بالکل ہی الگ ہوئیں مگر جب ہُوئے بچے ماتا کا جوش۔ ذرا کسی بات پر جی بے مزہ ہوا اور گڑگڑا کر دُعائیں مانگنی شروع کیں۔ عادت تو بچپنے کی تھی ہی بھر پڑگئی۔

اے کاش سُسرال والے نماز کو فرض سمجھکر اتنا انتظام کریں کہ جس وقت دلہن گھر میں آکر اُترے اُس کے بعد ہر نماز کے وقت ایک تنہا کوٹھری کمرے۔ دالان غرض ایسی جگہ جہاں دولہن کو یہ یقین ہو جائے کہ کوئی نہ دیکھیگا) میں بھیجدیں۔ وضو کا پانی جانماز سیلا بھی تو یہ سب چیزیں رکھوا دیں اور ساتھ والی سے کہدیں کہ دولہن کو نماز پڑھوا دو۔ اس کے دو فائدے ہونگے اوّل تو یہ کہ پابند نماز دولہن کی ایک بھی نماز قضا نہ ہوگی اور اگر اتفاق سے نماز کی پابند نہ ہُوئی تو اس تاکید اور اہتمام سے پہلے جھوٹے سجدوں پڑھیگی اور پھر کیا تعجب ہر سچ مچ نمازن ہو جائے۔

بلقیس دلائی بیگم از دہلی

آنریبل مس فلنسر رائے سینوارٹ اپنے ایک تازہ مضمون مندرجہ سٹرینڈ میگزین میں لکھتی ہیں کہ بہت ہی تھوڑی عورتیں تبسم کی قدر و قیمت سے واقف ہیں۔ بہت سے تبسم بالکل بیکار ہوتے ہیں اور صرف وہی تبسم قیمتی کار آمد کہا جا سکتا ہے جو خاوند کے دل میں گھر کرے اور اُس سے کوئی کام لینے میں نوکروں کے انعام یا حکم سے دگنا کام دے سکے۔ اسی تبسم میں ایک قسم کی کشش ہوتی ہے آنکھوں اور لبوں سے پیدا ہوتی ہے اور بناوٹ سے بری رہتی ہے +

بیوی کی تعریف

انگلستان میں برک نامی بڑا مدبر گذرا ہی جو فصاحت میں بےمثل مانا جاتا تھا۔ خوش قسمتی سے اسکو اپنی زندگی میں بیوی نہایت نیک اور خوش خصال ملی تھی۔ اُس نے بارہا یہ بیان کیا کہ گھر میں آتے ہی اُسے تمام تفکرات سے نجات مل جاتی تھی۔ گھر کے کاروبار کی طرف سے تو اُسے پورا اطمینان تھا بیوی سب کچھ سنبھالے ہوئی تھی۔ رہے سیاسی معاملات۔ سو بیوی اُن کے دل کو ایسی اچھی طرح بہلاتے تھے کہ گھر میں سیاسی کاموں کی فکر سے بھی وہ سبکدوش رہتا تھا جس دن اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اُس دن کو وہ ایسا مبارک سمجھتا تھا کہ ہر سال اُس دن کی خوشی مناتا تھا اور کچھ تحفے بیوی کو لا کر دیتا۔ ایک دفعہ اُس روز اُس نے معمولی تحفوں کے علاوہ ایک مضمون لکھ کر دیا جس کا عنوان تھا "بیوی کیسی ہونی چاہئیے ...... کی تعریف" اس کا مطلب تھا کہ بیوی سمجھ جائے کہ خالی جگہ اس کے نام کے لئے رکھی گئی ہی۔ اُس مضمون کا خلاصہ ایک انگریزی کتاب میں ہماری نظر سے گذرا۔ اور اُس کا اُردو میں ترجمہ کرنا ضروری معلوم ہوا۔ کیونکہ یہ مضمون نہ صرف تاریخی اعتبار سے دلچسپ ہے کہ برک کی بیوی ایسی تھی بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس کے نزدیک ایک نیک بیوی کیا تعریف کیا تھی۔ چنانچہ لکھا ہی:۔ اس کا حُسن خد و خال۔ رنگ اور صورت کا حسن نہیں ہی گو یہ تینوں خوبیاں بھی اس میں پوری پوری موجود ہیں

مگر دل کو جس چیز سے وہ تسخیر کرتی ہو وہ حسن سیرت ہو۔ خوشخوئی۔ کریم النفسی بھولا پن اور ذکاوت یہ سب اوصاف اسکے چہرہ سے نمایاں ہیں۔ اور یہی اس کی اصلی خوبصورتی ہو۔ آنکھیں نرمئی طبیعت کا نور لئے ہوئی ہیں لیکن اگر عتاب کی ضرورت سمجھیں تو چشم نمائی بھی کر سکتی ہیں۔ اصل بات یہ ہو کہ اُن کا رُعب کسی ایسے نیکمرد کے رُعب سے مشابہ ہو جو پہلے عُہدہ دار یا حاکم ہو۔ لیکن عہدہ یا حکومت سے مستعفی ہو کر بھی اس کا رُعب قائم رہے یعنی لوگوں پر اسکی حکومت عارضی اختیارات کی رُو سے نہ ہو۔ بلکہ نیکی کی رُو سے جو دائم ہو۔ قد و قامت میں وُہ بہت بلند بالا نہیں۔ مگر کیا ہُوا۔ قدرت نے اسے اس لئے نہیں بنایا کہ ہر شخص اس کے حُسن کا مدّاح ہو۔ بلکہ اس لئے کہ وُہ ایک شخص کی راحت کا باعث ہو یہ استقلال کی تصویر ہو۔ اس پر نزاکت سے معرا نہیں۔ نرمی سے حصّہ وافر پائے ہُوئے ہو۔ اس پر طبیعت کی کمزور نہیں۔ اس کی آواز دھیمی اور موسیقی کی طرح خوش آیند ہو اس لئے نہیں بنی کہ مجمع عام میں تقریر کرے۔ بلکہ ایسی ہو کہ گھر میں اسکے قریب والوں کے کان اس سے محظوظ ہوں اس کی ظاہری تعریف اس کے باطن کا بیان ہے کیونکہ نقل مطابق اصل ہو۔ وُہ اچھے اور بُرے کی تمیز عقل خداداد سے کرتی ہو اس کے لئے اسے دلیل و بحث کی حاجت نہیں ہوتی۔ اتنی چھوٹی عمر میں شاید ہی کسی کو معاملاتِ دُنیا سے ایسی واقفیت ہو جیسی اُس کو ہے۔ اس پر کوئی بُرا اثر اس زہر کا اسکی معصوم طبیعت پر نہیں سخاوت کا بجا انداز ہو۔ حقداروں کو کس قدر دینا چاہئے۔ اس میں اس کا معیار فیاض سے فیاض

شخص کے اندازہ سے بڑھا ہوا ہی۔ لیکن جو دیتا ہی وُہ کس احتیاط سے تقسیم کیا جائے۔ اِس میں بخل سے بخل شاید اس سے محتاط نہ ہوگا۔ کسی بات کو پسند یا اختیار کرنے میں بہت دیر لگاتی ہی۔ لیکن جب ایک دفعہ پسند کر چکی تو وُہ رائے ہمیشہ کے لئے پکّی ہوگئی۔ جو گرم جوشی اسمیں آغازِ محبت کے وقت تھی برسوں کے گذر جانے پر اس میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ کسی کی بُرائی یا غیبت کرنے سے وُہ اپنی خوش طینتی پر کبھی دھبّا نہیں لگاتی اور نہ کسی کی بیجا یا نامناسب تعریف سے اپنی رائے کو ناقص بناتی ہی۔ ہر چیز جو اِعتدال سے بڑھی ہُوئی ہو اس کی میانہ رو اور اعتدال پسند طبیع کو ناگوار ہی

ہمارے دوست جلال بے کی ایک صاحبزادی کوئی نو سال کی ہوگی ایک دن انہوں نے کہا کہ اس کی خواندگی دیکھئے سب مضامین میں اس نے معقول امتحان دیا۔ آخر میں نے اس سے کہا کہ قرآن مجید میں تھوڑا سا سناؤ۔ وہ پہلے ننگے سر بیٹھی تھی۔ دوڑ کر دوپٹہ لے آئی اور دوپٹے سے اپنی پیشانی تک ڈھانپ کے اُسنے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرنگیوں کی ہمسائیگی اور دیگر اشرات سے گو بہت سی عادت اہل یورپ کی چپکے چپکے عثمانیوں میں گھس آئی ہیں اور آتی جاتی ہیں مگر اسلام کی خوبیاں اُن کے دل میں بدستور جاگزین ہیں۔ اور وہ قرآن کی عظمت اسلامی عبادت اور معتقدات میں کسی دوسرے ملک کے مسلمانوں سے کم نہیں نماز روزے کی تلقین بچوں کے ہوش سنبھالتے ہی شروع کی جاتی ہی۔ اور اکثر اوقات مدت العمر کیلئے مفید ثابت ہوتی ہی جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جتنی تعداد نماز ادا کرنے والوں کی ترکوں میں مل سکتی ہے شاید اور کہیں نہ مل سکیگی اور عورتیں چونکہ ہر جگہ مذہبی امور میں زیادہ محتاط ہوتی ہیں اسلئے عثمانیوں کی نئی تعلیم پائی ہوئی لڑکیوں میں بھی نماز روزے کا

یشمک و چارشف

اسلامی دُنیا کے ہر حصے میں عورتوں کے پردہ کا رواج موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کہیں اسکی قیود زیادہ ہیں کہیں کم۔ ترکوں میں باجود صدیوں سے یورپ میں رہنے اور اہل یورپ سے میل جول ہونیکے پردہ کی پابندی ہے۔ اُنکے مکان پردہ دار ہوتے ہیں زنانہ مکان کے بالاخانے کی کھڑکیوں میں لکڑی کے جنگلے لگے ہوتے ہیں۔ جن سے ہوا کی آمدورفت رُکنے کے بغیر پردہ کا انتظام خاطرخواہ ہوجاتا ہے گھروں کے پردہ کی پابندی کسی طرح ہندوستان کے گھروں سے کم نہیں مگر باہر نکلنے کے پردہ میں فرق ہے۔ یہاں ڈولی یا پالکی گاڑی کے بغیر خوشحال عورتیں گھر سے باہر نہیں نکل سکتیں اور اسکے اندر بھی اکثر برقعہ اوڑھ کر بیٹھتی ہیں۔ بعض شریف عورتیں جو اسقدر خوشحال نہیں کہ برادری میں آنے جانے یا معمولی ضروریات کے لئے ہر وقت ڈولی یا گاڑی کا کرایہ دے سکیں۔ ہمارے ملک کے اکثر شہروں میں برقعہ اوڑھکر نکلتی ہیں۔ مگر برقعہ سلا ہوا سر پاؤں تک ڈھانپ لیتا ہے اور اس میں آنکھوں کے سامنے دو جالی دار سوراخ ہوتے ہیں۔ جو آنکھوں کا کام دیتے ہیں۔ مگر ترکی برقعہ اس قسم کا نہیں ہوتا۔ ترکی برقعہ اس تصویر میں دکھایا گیا ہے جو اس پرچے کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ ایک خاتون چھتری لگائے کھڑی ہے۔ وہ ڈھیلا لمبی آستینوں والا کپڑا جو یہ خاتون پہنے ہوئے ہے۔ یہی ترکی برقعہ ہے۔ اس تصویر میں چہرہ کھلا نظر آتا ہے۔ مگر یہ عام دستور نہیں۔ کیونکہ چہرہ کو نقاب

اس بُرقعہ کا ایک ضروری جزو ہے۔ اس خاتون نے نقاب اسوقت اُلٹ دی ہے۔ چنانچہ اسکے ماتھے پر اُلٹی ہوئی نقاب نظر آرہی ہے۔ یہ بعینہٖ وہ حالت ہے جیسے ہندستان کی بعض برقعہ پوش مستورات کبھی کبھی تنہائی کا موقعہ دیکھ کر جہاں مردوں کا گذر نہ ہو بُرقعہ کو اُلٹ دیتی ہیں۔ اس نقاب کو تُرکی میں "چارشف" کہتے ہیں۔ "چارشف" سیاہ یا کسی اور رنگ کے ریشم کا ایک رومال ہے۔ جو بُرقعہ کے اس حصہ کے ساتھ جو سر پر رہتا ہے سِلا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں سے پردہ دار عورت کو سامنے کی چیزیں نظر آتی ہیں اور وہ نقاب ڈالے ہوئے بے تکلف چل سکتی ہے۔ مگر کوئی دُوسرا شخص تاوقتیکہ قریب سے نہ دیکھے اسکے چہرہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ تُرکوں میں برقعہ بڑے تکلف اور شان کی چیز سمجھی جاتی ہے اور عموماً ریشمی کپڑے کے برقعے بنتے ہیں۔ اکثر سیاہ پھولدار ریشم اس مطلب کے لئے استعمال میں آتا ہے۔ گو اور رنگ بھی مستعمل ہیں۔ غریبانہ بُرقعہ کسی سُوتی کپڑے کا چار پانچ روپیہ میں بنتا ہے۔ متوسط درجہ کا بُرقعہ بیس پچیس روپیہ قیمت پاتا ہے اور امیرانہ بُرقعے تو سوسو دو دو سو روپیہ کے ہوتے ہیں۔ بدن اس برقعہ سے سارا ڈھک جاتا ہے اور اندر کا لباس بھی چھُپا رہتا ہے۔ صرف ہاتھ کھُلے رہتے ہیں۔ کیونکہ اُن سے دُھوپ کے وقت مستورات چھتری سنبھالتی ہیں اور معمولی طور پر بٹوا یا چمڑے کی ہلکی تھیلی جس میں ضرورت کی چیزیں رکھی ہوتی ہیں۔ ہاتھ میں لئے رہتی ہیں۔

اس کے سوا ایک دوسری ترکیب پردہ کی تُرکوں میں مروّج ہے۔ جس سے چہرہ کا تھوڑا سا حصہ کھُلا رہتا ہے۔ اس کا رواج زیادہ تر طبقۂ اُمرا میں اور حرم شاہی

کی مستورات میں ہی۔ ایک خوبصورت سفید اور بڑا ساریشمی رومال چہرہ کے گرد اس طرح لپیٹا جاتا ہی۔ کہ اس سے سر ڈھک جائے اور ناک اور ناک کے نیچے نیچے چہرہ چھپ جائے۔ مگر پیشانی کھُلی رہے اور آنکھوں کے سامنے کوئی پردہ نہو۔ اس سفید رومال کو "یشمک" کہتے ہیں۔ اور اکثر امیرزادیاں جو گاڑیوں میں نکلتی ہیں۔ وُہ یشمک پہن کر نکلتی ہیں۔ اس صورت میں بھی وُہ ایک شال یا ریشمی کپڑا کندھوں پر ڈال کر اپنا قیمتی لباس چھپا لیتی ہیں۔ گویا اپنی زینت کے دکھاوے سے گریز کرتی ہیں۔ تاہم بُرقعہ اور چارشف کا سا پردہ یشمک اور دوشالے سے نہیں ہوسکتا۔ یشمک زیادہ تر سجاوٹ کی چیز ہے اور چارشف پردہ داری کی۔ اور اسی لئے عام طور پر چارشف ہی زیادہ مقبول ہی۔ بُرقعہ پوش خاتون کی تصویر کے برابر جو تصویر ہی۔ اس میں یشمک کا نمونہ دکھلایا گیا ہی۔ یہ تصویریں اصل میں ترکی خاتونوں کی نہیں۔ کیونکہ وُہ اوّل تو تصویر اترواتی نہیں اور اگر اترواتیں تو گھروں میں عورتوں سے۔ وُہ تصویریں کسی طرح باہر فوٹوگرافر کی دوکان پر نہیں آسکتیں لیکن فوٹوگرافر لوگ سیاحوں اور شائقین کے لئے جو ترکی لباس کا نمونہ اپنے اپنے ملکوں میں دکھانے کو لیجانا چاہیں۔ فرنگی عورتوں کو ترکی لباس پہنا کر یہ تصویریں تیار کر رکھتے ہیں۔ مصری عورتوں کا پردہ دُنیا سے نرالی قسم کا ہی۔ اس کی تصویر پھر کسی پرچے میں پیش کیجائیگی +

عبدالقادر

"بنتِ بہادر شاہ"

یہ ایک بیچاری درویشنی کی سچی کہانی ہے جو زمانہ کی گردش سے اُن پر گذری۔ اُن کا نام کلثوم زمانی بیگم تھا۔ یہ دہلی کے آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ چند سال ہوئے انکا انتقال ہو گیا۔ میں نے بارہا شہزادی صاحبہ سے خود انکی زبانی اُن کے حالات سُنے ہیں۔ کیونکہ انکو ہمارے حضور خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی خانقاہ سے خاص عقیدت تھی اس لئے اکثر حاضر ہوتی تھیں اور مجھ کو انکی دردناک باتیں سُننے کا موقع ملتا تھا۔ نیچے جس قدر واقعات لکھے گئے ہیں۔ وُہ یا تو خود ان کی بیان کردہ باتیں ہیں یا انکی صاحبزادی زینب زمانی بیگم کی۔ جو ابتک زندہ ہیں اور پنڈت کے کوچہ میں رہتی ہیں۔ (حسن نظامی از خانقاہ مبارک حضرت محبوب الٰہی)

جس رات میرے بابا جان کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج و تخت لُٹنے کا وقت قریب آیا تو دلّی کے لال قلعہ میں ایک کہرام مچا ہُوا تھا۔ در و دیوار پر حسرت برستی تھی۔ اُجلے اُجلے سنگ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آتے تھے۔ تین وقت سے کسی نے کچھ نہ کھایا تھا۔ زینب میری گود میں ڈیڑھ برس کی بچّی تھی۔ اور دودھ کے لئے بلکتی تھی۔ فکر اور پریشانی کے مارے نہ میرے دودھ رہا تھا نہ کسی انّا کے۔ ہم سب اسی یاس و ہراس کے عالم میں بیٹھے تھے کہ حضرت ظلّ سبحانی کا خاص خواجہ سرا ہم کو بلانے آیا۔ آدھی رات کا وقت۔ سناٹے کا عالم۔ گولوں کی گرج سے دل

بھیجے جاتے تھے۔ لیکن حکم سلطانی ملتے ہی حاضری کے لئے روانہ ہوگئے۔ حضور مصلے پر تشریف رکھتے تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی۔ میں جب سامنے پہنچی جُھک کر تین مجرے بجا لائی۔ حضور نے نہایت شفقت سے قریب بلایا اور فرمانے لگے کلثوم لو اب تم کو خُدا کو سونپا۔ قسمت میں ہے تو پھر دیکھ لینگے۔ تم اپنے خاوند کو لیکر فوراً کہیں چلی جاؤ۔ میں بھی جاتا ہوں۔ جی تو نہیں چاہتا کہ اس آخری وقت میں تم بچوں کو آنکھ سے اوجھل ہونے دوں۔ پر کیا کروں ساتھ رکھنے میں تمہاری بربادی کا اندیشہ ہے۔ الگ رہوگی تو شاید خدا کوئی بہتری کا سامان پیدا کردے

اتنا فرما کر حضور نے دست مُبارک دُعا کے لئے بلند کئے جو رعشہ کے سبب کانپ رہے تھے۔ دیر تک آواز سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے رہے خداوندا یہ بے وارث بچے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ یہ محلوں کے رہنے والے جنگل ویرانوں میں جاتے ہیں۔ دُنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ تیمور کے نام کی عزت رکھیو۔ اور ان بے کس عورتوں کی آبرو بچائیو۔ پروردگار! یہی نہیں تمام ہندوستان کے ہندو مُسلمان میری اولاد ہیں اور آجکل سب پر مصیبت چھائی ہُوئی ہے میرے اعمال کی شامت سے انکو رسوا نہ کر۔ اور سب کو پریشانیوں سے نجات دے۔

اس کے بعد میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ زینب کو پیار کیا۔ اور میرے خاوند مرزا ضیاء الدین کو کچھ جواہرات عنایت کر کے نور محل صاحبہ کو بھی ہمراہ کردیا جو حضور کی بیگم تھیں۔

پچھلی رات کو ہمارا قافلہ قلعہ سے نکلا۔ جس میں دو مرد اور تین عورتیں تھیں۔

مردوں میں ایک میرے خاوند مرزا ضیاءالدین اور دوسرے مرزا عُمر سلطان بادشاہ کے بہنوئی تھے۔ عورتوں میں ایک میں۔ دوسری نواب نورمحل تیسری حافظہ سلطان بادشاہ کی سمدھن تھیں۔ جس وقت ہم لوگ رتھ میں سوار ہونے لگے صبح صادق کا وقت تھا۔ تارے سب چھپ گئے تھے مگر فجر کا تارا جھلملا رہا تھا۔ ہم نے اپنے بھرے پُرے گھر پر اور سلطانی محلوں پر آخری نظر ڈالی تو دل بھر آیا اور آنسو اُمنڈنے لگے۔ نواب نورمحل کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہُوئے تھے اور پلکیں اُنکے بوجھ سے کانپ رہی تھیں۔ گویا صبح کے ستارے کا جھلملانا نورمحل کی آنکھوں میں نظر آتا تھا۔

آخرکار لال قلعہ سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہوکر کورالی گاؤں میں پہنچے اور وہاں اپنے رتھبان کے مکان پر قیام کیا۔ باجرے کی روٹی اور چھاچھ کھانے کو میسر آئی اور اسوقت بھوک میں یہ چیزیں بریانی متنجن سے زیادہ مزیدار معلوم ہوئیں۔ ایک دن رات تو امن سے بسر ہوا مگر دوسرے دن گرد و نواح کے جاٹ گوجر جمع ہوکر کورالی کو لوٹنے چڑھ آئے۔ سینکڑوں عورتیں بھی ان لٹیروں کے ساتھ تھیں جو چڑیلوں کی طرح ہم کو چمٹ گئیں۔ تمام زیور اور کپڑے ان کمبختوں نے اُتار لئے۔ جس وقت یہ سڑی لُچی عورتیں اپنے موٹے موٹے میلے ہاتھوں سے ہمارے گلے کو نوچتی تھیں تو اُن کے لہنگوں سے ایسی بُو آتی تھی کہ دم گھٹنے لگتا تھا۔

اس لُوٹ کے بعد ہمارے پاس اتنا بھی باقی نہ رہا جو ایک وقت کی روٹی کو کافی ہوسکتا۔ حیران تھے کہ دیکھئے اب کیا پیش آئیگا۔ رتھبان

پیاس کے مارے رو رہی تھی۔ سامنے سے ایک زمیندار نکلا۔ میں نے بے اختیار ہو کر آواز دی بھائی تھوڑا پانی اس بچی کو لا دے۔ زمیندار فوڑا ایک مٹی کے برتن میں پانی لایا اور بولا آج سے تو میری بہن اور میں تیرا بھائی۔ یہ زمیندار کورانی کا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اس کا نام بستی تھا۔ اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کر کے ہم کو سوار کرایا اور پوچھا کہ جہاں تم کہو پہنچا دوں۔ ہم نے کہا کہ اجاڑہ ضلع میرٹھ میں میر فیض علی شاہی حکیم رہتے ہیں جن سے ہمارے خاندان کے خاص مراسم ہیں وہاں لے چل۔ بستی ہم کو اجاڑہ لے گیا۔ مگر میر فیض علی نے ایسی بے مروّتی کا برتاوہ کیا جس کی کوئی حد نہیں۔ صاف کانوں پر ہاتھ رکھ لئے کہ میں تم لوگوں کو ٹھہرا کر اپنا گھر بار تباہ کرنا نہیں چاہتا۔

وُہ وقت بڑی مایوسی کا تھا۔ زمین آسمان میں کہیں ٹھکانا نظر نہ آتا تھا۔ ایک تو یہ خطرہ کہ پیچھے سے انگریزی فوج آتی ہوگی۔ اس پر بے سرسامانی کا یہ عالم۔ ہر شخص کی نگاہ پھری ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو ہماری آنکھوں کے اشاروں پر چلتے اور ہر وقت دیکھتے رہتے تھے کہ ہم جو کچھ حکم دیں فوڑا پورا کیا جائے وُہی آج ہماری صورت سے بیزار تھے۔ شاباش ہے بستی زمیندار کو کہ اُس نے فقط زبانی بہن کہنے کو آخر تک نباہا۔ اور ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ لاچار اجاڑہ سے روانہ ہوئے اور حیدرآباد کا رُخ کیا۔ عورتیں بستی کی گاڑی میں سوار تھیں اور مرد پیدل چلتے تھے۔ تیسرے روز ایک ندی کے کنارے پہنچے۔ جہاں کوئل کے نواب کی فوج پڑی ہوئی تھی اُنہوں نے

سنا کہ ہم شاہی خاندان کے آدمی ہیں تو بڑی خاطر کی اور ہاتھی پر سوار کر کے ندی سے پار اُتارا۔ ابھی ہم ندی کے کنارہ پر اترے ہی تھے کہ سامنے سے انگریزی فوج آگئی۔ اور نواب کی فوج سے لڑائی ہونے لگی۔

میرے خاوند اور مرزا عمر سلطان نے چاہا کہ نواب کی فوج میں شامل ہو کر لڑیں۔ مگر رسالدار نے کہلا بھیجا کہ آپ عورتوں کو لیکر جلدی چلے جائیے ہم جیسا موقع ہوگا بھگت لینگے۔ سامنے کھیت تھے جن میں پکّی ہوئی تیار کھیتی کھڑی تھی۔ ہم لوگ اُسکے اندر چھپ گئے۔ ظالموں نے خبر نہیں دیکھ لیا تھا یا ناگہانی طور پر گولی لگی۔ جو کچھ بھی ہو ایک گولی کھیت میں آئی جس سے آگ بھڑک اُٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا۔ ہم لوگ وہاں سے نکل کر بھاگے۔ پر ہائے کیسی مصیبت تھی۔ ہم کو بھاگنا بھی نہ آتا تھا۔ گھاس میں اُلجھ اُلجھ کر گرتے تھے سر کی چادریں وہیں رہ گئیں۔ برہنہ سر حواس باختہ ہزار دِقّت سے کھیت کے باہر آئے۔ میرے اور نواب نور محل کے پاؤں خونم خون ہو گئے۔ پیاس کے مارے زبانیں باہر نکل آئیں۔ زینب پر غشی کا عالم تھا۔ مرد ہم کو سنبھالتے تھے مگر سہارا سنبھلنا مشکل تھا۔

نواب نور محل تو کھیت سے نکلتے ہی چکرا کر گر پڑیں اور بیہوش ہو گئیں میں زینب کو چھاتی سے لگائے اپنے خاوند کا مُنہہ تک رہی تھی۔ اور دل میں کہتی تھی کہ الٰہی ہم کہاں جائیں۔ کہیں سہارا نظر نہیں آتا۔ قسمت ایسی پلٹی کہ شاہی سے گدائی ہو گئی۔ لیکن فقیروں کو بھی چین اور اطمینان ہوتا ہے یہاں وُہ بھی نصیب نہیں۔

فوج لڑتی ہوئی دُور نکل گئی تھی۔ بستی ندی سے پانی لایا۔ ہم نے پیا۔ اور نواب نور محل کے چہرہ پر چھڑکا۔ نور محل نے ذرا آنکھ کھولی تو میں نے پُوچھا۔ اچھی اماں جان اُٹھئے۔ آپ کا کیا حال ہے۔ یہ سُنکر نور محل رونے لگیں اور بولیں ابھی خواب میں تمہارے بابا جان حضرت ظل سُبحانی کو دیکھا ہے کہ طوق و زنجیر پہنے ہُوئے کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج ہم غریبوں کے لئے یہ کانٹوں بھرا خاک کا بچھونا مخملی فرش سے بڑھ کر ہے۔ نور محل گھبرا نہیں ہمت سے کام لینا۔ تقدیر میں لکھا تھا کہ بڑھاپے میں یہ سختیاں برداشت کروں۔ ذرا میری کلثوم کو دکھا دو۔ میں جیل خانہ جانے سے پہلے اس کو دیکھوں گا"۔

بادشاہ کی یہ باتیں سُنکر میں نے ہائے کا نعرہ مارا اور آنکھ کُھل گئی۔ کلثوم۔ کیا سچ مُچ ہمارے شاہ کو زنجیروں میں جکڑا گیا ہوگا؟ کیا واقعی وُہ قیدیوں کی طرح جیل خانے بھیجے گئے ہونگے۔ مرزا عمر سُلطان نے اس کا جواب دیا کہ یہ خواب خیال ہے۔ بادشاہ لوگ بادشاہوں کے ساتھ ایسی بدسلوکی نہیں کیا کرتے۔ تم گھبراؤ نہیں وُہ اچھے حال میں ہونگے۔

(باقی دارد)

عورتوں کے مَن گھڑت مسئلے

اِس میں شبہ نہیں کہ بعض باتیں تفاؤلاً بعض احتیاطاً بعض وہماً بعض رسماً اسقدر دلنشین ہو جاتی ہیں کہ وُہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ خصوصاً جو باتیں عورتیں کے دِل نشین ہو چکی ہوں اُن کا عورتوں کے ذہن اور دِل سے یک لخت دُور کرنا ازحد دشوار ہوتا ہے۔ اِن میں بعض باتیں تو مفید اور بعض ازبس مضر ہُوا کرتی ہیں۔ مثلاً چیچک کے پرچھاویں سے بچنا ایک نہایت مفید بات ہے کیونکہ یہ متعدی مرض ہے۔ مگر اِس مرض کو ہوّا سمجھکر بیمار کی خبر تک نہ لینا زیادہ تر بیرحمی اور بیدردی سے تعلّق رکھتا ہے۔ ہر بات کا بُرا بھلا شگون دیکھنا اور خلافِ مرضی شگون نکلنے سے اُس کام کا وقت اور موقع ہاتھ سے کھو دینا اکثر پیچھے افسوس کرنے اور ہاتھ ملنے کا باعث ہوجایا کرتا ہے۔

ہندؤوں میں برہمنوں نے گرہ گوچر کا اعتقاد جما کر بہت سے کاموں کو عین وقت سے روک رکھا ہے۔ مسلمانوں میں سیانے ملّاؤں نے ایسا ہی غضب ڈھا رکھا ہے۔ لیکن یہ شکر ہے کہ مسلمان مرد اس کے بہت کم قائل اور معتقد ہیں۔

علیٰ ہذا خاندانی آن بھی ایک نہایت ہی تکلیف دہ چیز ہے۔ اِس آن نے بہت سی نامناسب باتوں کو جاری کر دیا اور بہت سی مناسب باتوں

اور وک، یا بچہ۔ جس کا ذکر پھر کسی موقع پر آ ریگا۔ بالفعل ہم چند ایسے مسئلے لکھ کر جو عورتوں کے من گھڑت ہیں ناظرین رسالہ کی معلومات میں ایک انوکھا اضافہ کرتے ہیں۔

اس فہرستِ توہمات کو عقاید مذہبی سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ وہ مسئلے ہیں کہ نہ تو نصِ قرآنی میں ان کا پتہ لگیگا اور نہ تفاسیر میں انکی سند پائی جائیگی۔ انہیں سے بعض ایسے ہیں جو کو ان پڑھ لوگوں کے خیالات کا نتیجہ ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ عقلی بنیاد رکھتے ہیں۔ لیکن اکثر بالکل بے سر و پا ہیں جنکی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۔ بدھ کے روز مُردے کے پھول یا فاتحہ سوم نہ کرو۔ اگر ایسا کروگے تو چار بدھ تک ایسا ہی موقع پیش آ ریگا۔ بلکہ بیمار ہو تو حکیم کے ہاں نہ جاؤ اور کوئی دوائی پینی ہو تو اسے آج کے دن شروع نہ کیجئے کیونکہ یہ دن نحوس ہے۔

۲۔ توا ہنسے تو جان لو کہ گھر میں کوئی شادی رچیگی۔ چراغ سے پھول جھڑیں تو سمجھ لو کہ کوئی خوشی ظہور کریگی۔

۳۔ جمعرات کو آنکھوں میں دوائی نہ لگاؤ۔ ورنہ حشر کے دن اندھے اٹھوگے۔ علیٰ ہذا اس روز کوئی دوا نہ پیو ورنہ ہمیشہ بیمار رہوگے۔ جمعرات کا دن نحوس ہے۔

۴۔ دونوں وقت ملتے نہ سوؤ کہ یہ بیماری کی علامت ہے۔

۵۔ قینچی یا سروتہ نہ بجاؤ کہ اس سے گھر میں لڑائی ہوتی ہے۔

۶۔ سیہہ کا کانٹا یا کنیر کا پھول گھر میں رکھوگے تو لڑائی کا بیج بو دوگے آپس میں

دشمنی کراؤ گے۔
۷۔ روٹی دانت سے کاٹ کر نہ کھاؤ کہ نہایت منحوس ہے۔
۸۔ مُردہ کا ذکر کرو تو پہلے یہ فقرہ کہہ لو کہ اُس کی ارواح اُدھر ہی رہے۔ تاکہ مُردہ محبت کرکے اوروں کو بھی اپنا ساتھی نہ بنالے۔
۹۔ دھوبن کا نام صبح کو نہ لو اگر ضرورت پڑے تو اُجلی کہو۔ جیسے آج اُجلی آئے تو کپڑے بدلوں یا اُجلی کپڑے دہو کر لائی۔
۱۰۔ چارپائی ادوان اُوپر کرکے کھڑی نہ کرو کہ منحوس ہی۔ مُردے کی چارپائی اِس طرح کھڑی کیا کرتے ہیں۔
۱۱۔ بٹ سے بٹ نہ بجاؤ ورنہ اناج مہنگا ہو جائیگا۔
۱۲۔ دانت بجانا منحوس اور نیستی کی علامت ہے۔
۱۳۔ بچے کو ڈوئی سے نہ مارو۔ ورنہ ہوکا ہو جائیگا یعنی ہر ایک چیز ضرورت سے زیادہ کھایا کرے گا اور پھر بھی پیٹ نہیں بھریگا۔
۱۴۔ جو بچہ ہنڈیا چاٹتا ہی اُس کی برات کے روز مینہہ ضرور برستا ہی۔
۱۵۔ پاؤں لٹکا کر بیٹھنا یا پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا نہایت منحوس ہے۔
۱۶۔ نمک زمین پر گراؤ گے تو قیامت کے روز پلکوں سے اُٹھانا پڑیگا۔
۱۷۔ چاند کو اُوپر والا۔ اُلّو کو رات والا۔ حکیم کو چپرے والا۔ ہاتھی کو سونڈ والا بندر کو ڈال والا یا ہپی والا۔ بلّی کو نکٹی۔ شراب کو بوتل والی۔ سانپ کو رسی یا ماموں۔ مُولی کو پتوں والی کہو کیونکہ یہ مُردے کی حاضری پہ رکھی جاتی ہے۔

۱۸۔ جُوتی پر جُوتی چڑھے تو جان لو کہ سفر درپیش ہوگا۔

۱۹۔ پاؤں کا تلوا کھجائے تو سمجھ لو کہ جنگلوں میں پھرنا ہوگا۔

۲۰۔ ہچکیاں آئیں تو یقین کرلو کہ کسی عزیز نے یاد کیا ہے۔ سب عزیزوں کا نام لو جس کے نام پر تھم جائے جان لو کہ اسی نے یاد کیا ہے۔

۲۱۔ حلق میں نوالہ اٹکنا کسی عزیز کی محبت میں کھانا نہ کھایا جانے کی علامت ہے۔

۲۲۔ اگر کوئی تمہاری یا تمہاری کسی چیز کی تعریف کرے یا تم خود کسی عزیز کی یا اسکی کسی چیز کی تعریف کرو تو پہلے "تف نظر" کہہ لو تاکہ ٹوک نہ لگے۔ یا پہلے یہ لفظ کہہ لو کہ "میری نظر نہ لگے" فلاں چیز نہایت عمدہ ہے یا اچھی ہے۔

۲۳۔ جس کی نظر لگ گئی ہو اُسکے پاؤں کی مٹی لیکر چولہے میں جلا دو۔

۲۴۔ رات کو بچوں کا نام لیکر نہ پکارو۔ اگر اُلو سُن لیگا تو ایک تنکا لیکر دریا پر جائیگا اور اُسے پانی میں ڈبو ڈبو کر وہی نام لیگا جس سے بچہ سوکھتا چلا جائیگا اور اخیر کو ہاتھ سے نکل جائیگا۔ اگر نام لینے کی ضرورت ہو تو لڑکے کو ہینگا اور لڑکی کو ہینگو کہہ کر بولا کرتے ہیں۔

۲۵۔ صبح کسی غیر کا نام نہ لو۔ فرضی اشاروں سے سمجھا دو۔

۲۶۔ صبح کو کسی کی صورت دیکھنے سے پہلے اپنے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی دیکھ لو۔

۲۷۔ جب کسی حاکم کے پاس جاؤ یا سفر کرو تو جس کا سیرا ہلکا ہو گھر کے دروازہ سے پہلے اُسے آگے بڑھاؤ پیچھے آپ ہو لو۔

۲۸۔ نئی جُوتی پہنو تو کہو "دشمن زیر پا"۔

۲۹۔ کوئی ترکاری نئی کرو تو کہو "نیا پھل باننت تلے دشمن پاؤں تلے"۔

۳۰۔ کورے پنڈے آسمان یا کسی درخت کے نیچے نہ نہاؤ تاکہ نظر گذر سے محفوظ رہو۔ یعنی کوارپن کی حالت میں جن و پری کا سایہ ہو جاتا ہے۔

۳۱۔ کسی کا ہاتھ تمہاری ناک کو لگ جائے تو اس کی ناک ضرور چھو لو نہیں تو تمہاری ناک پک جائیگی۔

۳۲۔ بچے کے دانت نکلیں تو کہو کہ "بچے نکالے ہیں" اور جب سوڑے دانت نکلتے وقت پھولنے شروع ہوں تو کہو "تھلیاں رکھی ہیں"۔

۳۳۔ دودھ کا دانت ٹوٹے تو چوہے کے بل میں ڈال دو تاکہ چھوٹے چھوٹے موزوں دانت نکلیں۔

۳۴۔ دانت ٹوٹے تو زبان نہ لگاؤ ورنہ دوسرا دانت ٹیڑھا نکلیگا۔

۳۵۔ کوئی سفید چیز آسمان کے نیچے نہ کھاؤ۔ دودھ یا کھیر کھا کر باہر نہ نکلو اگر جاؤ تو ذرا سی چولہے کی راکھ چاٹ کر تاکہ نظر نہ لگے۔

۳۶۔ اچار ڈالو تو ایسی جگہ نہ رکھو جہاں کسی کا پرچھاواں پڑے ورنہ بگڑ جائیگا۔

۳۷۔ اگر اچار ڈالنے کے موقع پر کوئی غمی ہو جائے تو اچار ڈالنا چھوڑ دو۔ اسی طرح سوئیاں توڑنی موقوف رکھو۔

۳۸۔ بچے کو سر سے اونچا نہ اٹھاؤ ورنہ دست آئینگے۔

۳۹۔ بچے کو سوتے میں ہنستے یا روتے دیکھو تو جان لو کہ بہائی ہنساتی یا رلاتی ہے۔ جب وہ کہتی ہے کہ تیری ماں جیتی ہے تو بچہ ہنسنے لگتا ہے جب وہ کہدیتی ہے کہ تیری ماں مرگئی تو رونے کی صورت بنا کر بسورنے لگ جاتا ہے (بہائی سے غرض بہ ماتا ہے جسے ہندو دیوی مانتے ہیں)۔ باقی دارد

(مولوی سید احمد دہلوی)

موٹر گاڑی

کس غضب تیزی سے چلتی دیکھو موٹر کار ہے
نام سے رکنے اٹکنے کے سدا بیزار ہے

کھینچتا گھوڑا ہے اسکو اور نہ کوئی آدمی
بے پروں کے یہ ہزاروں میل جاتی ہے اڑی

ہمکو آسائش سے مطلب ہے نہ کچھ آرام سے
رکھتی ہے ہر وقت بس یہ کام اپنے کام سے

حکم اپنے ہانکنے والے کا ہے یہ مانتی
ہے اشارہ خوب اُسکے ہاتھ کا پہچانتی

گر ذرا ٹھہرائے تو چلتے چلتے رک جاتی ہے یہ
اور پھر چھوڑے تو میلوں کی خبر لاتی ہے یہ

پر یہ لازم ہے کہ دی جائے اسے پیہم غذا
دوڑنے میں تاکہ دم اسکا رہے ہر دم بنا

اسکے اعضا کی بھی مالش چاہیے ہونی ضرور
تاکہ چلتے چلتے آجائے نہ اُن میں کچھ فتور

گر ہوئی غفلت ذرا بھی اس میں آفت آگئی
راستے کے بیچ میں موٹر نے ہمت ہار دی

پھر کسی کی بھی نہ ہو منت خوشامد کارگر
اور نہ کچھ مالک کی خفگی ہی کرے اس پر اثر

اک قدم بھی یہ نہ کھسکیگی کرو لاکھوں جتن
دوسری خوراک جبتک ہو نہ لے جزو بدن

اور اگر پرزہ کوئی کمزور رہجائے ذرا
ٹوٹنے کا اسکے رہتا ہے بڑا خطرہ لگا

ٹوٹنا اسکا حقیقت میں مصیبت ہے بڑی
جانتا ہے بس وہی ہو جس پہ یہ آفت پڑی

آگیا مالک کی جانب سے اگر کچھ دل میں بل
ہاتھ پاؤں اسکے بیدردی سے دیتی ہے کچل

اور اگر چلنے ہی سے دیدیتی ہے کورا جواب
تو بھی مالک کو نہیں ہوتا ہے کچھ کم پیچ و تاب

بس یہی ہے ٹوٹنے رکنے کا عیب اسمیں غضب
ورنہ کل باتوں میں موٹر کی سواری ہے عجب

بہلی۔ یکہ۔ سیج گاڑی۔ لینڈو یا پالکی
خوبیوں کو ایک بھی اس کی نہیں ہے پہنچتی

سائکل رہتی ہے تنہا۔ ریل پر قابو نہیں
اور گھوڑے پر بھی آسائش کسی پہلو نہیں

بات موٹر کار میں لیکن یہ دیکھی بیٹھ کر
سیر کا بھی لطف اور تیزی سے طے کر لو سفر

نواب بیگم اوف سچین

مظلوم چڑیا

ہائے! وہ دن کہ میں آزاد تھی مانندِ ہوا　　اور تھی میری غذا دشت کا دانہ تنکا
پیاس میں صبح کی شبنم سے بجھا لیتی تھی　　ٹہنی ٹہنی کو نشیمن میں بنا لیتی تھی
ننھے ننھے مرے دلکش تھے غضب کے بازو　　میری صورت میں بھرا کوٹ کے تھا اک جادو
میرے نغموں میں عجب نرم دلی کا تھا اثر　　نت نیا صبح کو تھا ایک ترانہ لب پر
لیکن افسوس! کہ بازو مرے یہ بوقلموں　　جن سے نیرنگیٔ قدرت تھی عیاں گوناگوں
آہ! یہ نغمۂ شیریں یہ صدائیں میری　　شکل زیبا مری بچپن کی ادائیں پیاری
کام آئے نہ ہوئی جب میں گرفتارِ قفس　　مرتے مرتے نہ گیا شکوۂ آزارِ قفس
توڑتی بھوک سے دم کنجِ قفس میں ہوں غریب　　ہو رہائی مجھے ظالم! ترے پنجرے سے نصیب
گرچہ فاقوں سے تری قید میں ہوں خستہ و زار　　ان جفاؤں پہ بھی دہقاں ہوں تری شکرگزار
آتی ہے قافلۂ عمر سے آوازِ جرس　　لے خدا حافظ! اب اے سایۂ دیوارِ قفس
مجھ پہ ہوتیں اگر اتنی نہ جفائیں تیری　　حوصلے دل کے بڑھاتیں جو وفائیں تیری

کوئی دن اور گرانبارِ سلاسل رہتی
تیرے پنجرے میں گرفتارِ سلاسل رہتی

ترجمۂ انگریزی　　بالک رام شاد بجوالیہ

الوانِ نعمت

عمدہ اور نفیس کھانے کھانے کو تو سب کو بھاتے ہیں۔ مگر پکانے کسی کسی کو آتے ہیں۔ چونکہ اکثر بہنوں کو کھانوں کی نئی نئی ترکیبوں کی تلاش رہتی ہے۔ اس لئے یہ ارادہ ہے کہ جہاں کہیں سے کوئی عمدہ ترکیب معلوم ہو۔ اسے درج رسالہ کر دیا جاوے۔ جو بہنیں اپنی معلومات سے رسالہ کے اس حصہ کو مدد دینگی۔ انکی اعانت شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی۔ اس حصہ کے لئے مندرجہ بالا عنوان موزوں معلوم ہوتا ہے۔ پس جب کوئی ترکیب قابلِ اشاعت ہوگی۔ اس عنوان کے نیچے درج کیجائیگی۔

گلوری بالائی کی

عمدہ خالص دودھ ایک سیر لیکر اُسے پکائیں اور کفگیر سے ہلاتے جائیں۔ یہانتک کہ نصف رہجائے اور پپڑی نہ پڑنے پائے پھر اُسے چولہے سے اُتار کر الگ رکھ لیں اور بڑے توے کو خوب صاف کرکے چولہے پر رکھیں اور اُس پر چکنی مٹی کی پتلی پتلی تہ چڑھائیں۔ جب مٹی خشک ہوجائے تو دودھ چمچے سے توے پر اس طرح ڈالیں کہ ہر جگہ یکساں مثل مانڈے کے ہلکا ہلکا پڑے۔ جب دودھ خشک ہو اور تری اُسکی اچھی طرح جذب ہو جائے تو آہستگی سے اُسے اُٹھا لیں اور مٹی وغیرہ پونچھ کر پان کے برابر ٹکڑے کاٹ لیں اور ہر ایک ٹکڑے کو ایک پان پر رکھ کر کپڑے سے دبائیں تاکہ پان کی رگوں وغیرہ کے نشان اس پر بخوبی بنجائیں جب پان تیار ہو جائے تو ایک طرف مغز بادام باریک پیسکر لگائیں اور دوسری

طرف کشمش کیوڑے میں حل کرکے بجائے کتھے چونے کے لگائیں۔ پھر بادام۔ پستے۔ کھوپرا۔ مثل چھالیا کے باریک تراشیں اور مصری باریک چھڑک کے گلوری کے اندر رکھ کے اسکو موڑیں اور مغز بادام شیریں کی کیل بنا کر لگائیں اور سونے یا چاندی کے ورق اوپر لپیٹیں۔ یہ گلوریاں اکثر حضرت اکبر شاہ خلد آرامگاہ کی فرمائش سے تیار کرکے خاصہ کے ساتھ بھیجی جاتی تھیں۔ اگر ترکیب بالا کے موافق احتیاط سے بنائی جائیں تو نہایت خوشنما مثل اصلی گلوری کے معلوم ہونگی۔ اور علاوہ دماغ کی خشکی دور کرنے اور قلب کو فرحت دینے کے دہن میں گھنٹوں خوشبو باقی رہیگی۔

(مغلانی بیگم از گلی راجان دہلی)

بیضۂ مرغ کے چھلکوں سمیت کباب

دس انڈے لیکر ہر ایک کے سر پر چھنگلیا کی برابر سوراخ کریں اور سفیدی اور زردی اس میں سے نکال لیں۔ بعد اس کے نمک ایک تولہ۔ دھنیا بھنا ہوا چھ ماشہ۔ لونگ ایک ماشہ۔ قاقلہ کبار پانچ عدد۔ سیاہ زیرہ۔ سیاہ مرچ ہر ایک چار چار ماشے لیکر اور سب کو پیسکر انڈے کی سفیدی اور زردی میں ملا کر پھر چھلکوں میں بھر دیں اور سوراخ ان سب کے ماش کے آٹے سے بند کردیں۔ پھر پتیلی قلعی دار میں گھاس بچھا کر انڈوں کو اس میں دبا دیں اور تازہ پانی آدھ سیر ڈالکر چولہے پر رکھیں جب دو تین جوش آجائیں تو اُتار لیں اور سالم انڈوں کو گھی میں بھونکر دسترخوان پر لیجائیں اور چھلکے انڈے کے دور کرکے کھائیں۔ اگر اس سے زیادہ ذائقہ اور قوت دل و دماغ کا فائدہ مطلوب ہو تو جسوقت انڈوں کو گھی میں بھونکر پتیلی سے نکالیں۔ اسوقت چھلکوں سمیت ہر ایک انڈے کی عرض میں تین تین گول ٹکڑے تراش لیں اور لوہے کی سیخ میں لگا کر رکھیں اور یخنی آدھ سیر گوشت حلوان کی الگ تیار کرلیں۔ پھر سیخ کو کوئلوں کی آگ پر رکھ کر گردش دیتے اور یخنی سے تر کرتے جائیں

بزمِ عصمت

محترم بہن : پہلا نمبر رسالہ عصمت کا تیار ہو کر ہمارے سامنے آگیا جسکا دو مہینے سے انتظار ہو رہا تھا۔ اس کی محفل میں شریک ہونے سے معلوم ہوا کہ ایک طرف عصمت کے ورقوں پر بہت سی بہنیں ذوق و شوق کے ساتھ اسکا خیر مقدم کر رہی ہیں۔ دوسری سمت بزم عصمت میں بہت سی معزز بیبیاں شریک ہیں اور سب یکزبان ہو کر عصمت کے جاری ہونے اور ہمیشہ چلنے کی خوشی کے اظہار میں مصروف ہیں۔ اور ہر اس نئی محفل میں بہت سی بیبیاں ہماری عزیز سہیلیاں ہیں کیتوں سے بہت دن میں ملاقات ہوئی ہے۔ سب کے شوق سے بھرے ہوئے مضامین دیکھنے سے اُمید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ عصمت کے اوراق کبھی ان سے خالی نہ رہینگے اور انکے اچھوتے خیالات عصمت کی رونق بڑھا ئینگے۔

علاوہ معزز مضمون نگاروں کے جناب ایڈیٹر صاحب کی دلی کوشش سے یقین ہوتا ہے کہ عصمت خوب ترقی کر کے بیبیوں کے لئے ایک مفید رسالہ ثابت ہوگا

راقمہ ۔ سلطان بیگم

معزز بہن صاحبہ تسلیم ۔ گو مجھ ناچیز میں اتنی لیاقت کہاں جو ایک فاضل ایڈیٹر کے سامنے اپنا مضمون پیش کروں۔ مگر عصمت کے دیکھنے سے جو محبت دل میں پیدا ہوئی وہ بغیر قلم اُٹھانے نہ مانی اور میری ٹوٹی پھوٹی زبان میں جو آیا وہ اسکی تعریف میں لکھنا پڑا کیونکہ ۔ رکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں ۔ کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

میں اکثر مخزن و دکن ریویو دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتی تھی کہ ہماری دنیا کے لئے کوئی رسالہ ایسی سلیس اردو میں نہیں نکلتا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ تمنا ایک لائق بہن کی ہمت سے بر آئی۔ اور اردو لٹریچر کی جو ضرورت عالم نسواں کو محسوس ہوتی تھی وہ آج رسالہ عصمت کے شائع ہونے سے پوری ہو گئی۔ چند گنتی کے رسالے مسلمان خاتونوں کی کوشش سے ہندوستان میں نکلتے ہیں لیکن عصمت کا درجہ ان سب سے اعلیٰ ہے۔ حیف ہے اگر ہمارے کانوں پر اب بھی جوں نہ رینگے۔ اور ہماری بہنیں ہماری ترقی کے لئے جو جانفشانی کر رہی ہیں۔ ہم اسکے شکر گذار نہوں ہماری حالت تعلیم کے نہونے سے دن بدن بہت خراب ہوتی جاتی ہے اور ہمارے مردوں میں ابتک وہی خیالات موجود ہیں کہ تعلیم لڑکیوں کو نہ دینی چاہئے۔ یہ بھی ہماری بدبختی کی ایک علامت ہے۔ کہ ہمارے سرپرست تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ غیر تعلیم یافتہ لڑکیوں سے جو آفتیں برپا ہوتی ہیں وہ تعلیم یافتہ لڑکیوں سے نسبتاً کم ہونگی اور ہونگی بھی تو انسے جو ادھوری تعلیم پا کر رہ جاتی ہیں یا ایسی تعلیم پاتی ہیں جس سے نہ اخلاق درست ہوتے ہیں نہ عادات۔ ہاں جناب مولوی نذیر احمد صاحب نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انکو ہماری بہنیں شادی بیاہ میں دینا متبرک خیال کرتی ہیں لیکن ان کی نصیحتوں پر عمل نہیں کرنا چاہتیں۔ الغرض تعلیمی حالت کے لحاظ سے ہم بہت پیچھے اور اس شعر کے مصداق ہیں ؎

ہم اور ہماری نسل ہے مشغول کھیل میں ۔۔۔ اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کے ریل میں

ہماری بہنوں کو چاہئے کہ وہ ترقی کی طرف رجوع ہوں۔ کیا انہوں نے نہیں سنا کہ تمام دنیا کی عورتوں میں تعلیم کی خاطر ایک بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ خصوصاً روس کی مسلمان

مستورات بڑی ترقی کر رہی ہیں۔ پس میں بمنت اپنی بہنوں سے التماس کرتی ہوں کہ وہ تعلیم کی طرف توجہ کریں اور اپنی دلچسپی و فائدہ کے لئے رسالہ عصمت کو ضرور منگائیں۔ بلکہ اپنے گھروں کو اس رسالہ کے رکھنے سے زینت دیں +

راقمہ۔ مسز محمد ابو السعود۔ (از سکندرآباد دکن)

پیاری بہن صاحبہ!

عصمت کے جاری ہونے کی مبارکباد قبول کیجئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے اس پرچہ کو پروان چڑھائے اور دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔ پہلے پرچے کے سارے مضمون مستورات کے لئے مفید اور دلچسپ ہیں۔ مگر امید ہے کہ سب سے بڑھ کر ہمارا کام "بزم عصمت" سے نکلیگا۔ اسوقت مجھے ایک بات دریافت کرنے کی ضرورت درپیش ہے جس میں امید ہے کہ آپ یا دوسری بہنیں میری مدد کرینگی۔ میں نے سنا ہے کہ بمبئی میں بعض مسلمان عورتیں خاصکر خوجنیں تین کونے کا دوپٹہ اس ترکیب سے اوڑھتی ہیں کہ ان کا سارا بدن بھی ڈھک جاتا ہے اور دونوں ہاتھ بھی کام کاج کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ ایسے دوپٹے میں ہلکے پن کے علاوہ کپڑے کی بھی کفایت ہوتی ہوگی مگر پوچھنا یہ ہے کہ وہ تین کونے کا دوپٹہ کس حکمت سے اوڑھا جاتا ہے اور کتنا لمبا چوڑا ہوتا ہے؟

مسز جالب دہلوی

معزز بہن! اللہ آپکو اس کا نیک اجر دے کہ رسالہ عصمت جاری کرکے آپنے ہم پردہ نشینوں کی دلچسپی اور فائدہ کا سامان کیا۔ امید ہے کہ "بزم عصمت" کے ذریعہ سے بہنیں ایک دوسری کو مدد دینگی۔ آجکل برسات کا موسم اور دھانی رنگ کی بہار ہے۔ لیکن دھانی یا ملا بھی کپڑے خواہ کسی ترکیب سے رنگے جائیں۔ انہیں پہنکر مینہ

برستے میں جھولا نہیں جھول سکتے۔ کیونکہ بارش کے پانی سے اُن کا رنگ کٹ جاتا ہے بازار میں پکے رنگ کے سبز کپڑے ملتے ہیں لیکن وہ گرم یا دبیز ہوتے ہیں اور انکا رنگ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ کیا کسی بہن کو دھانی۔ سبز اور نارنجی رنگوں کی ایسی ترکیب معلوم ہو کہ وہ مینہ کے پانی سے نہ کھلیں۔ سُنتی ہوں کہ زنگالی کے ولایتی صابن چلے ہیں جنکا رنگ پکا ہوتا ہو۔ وہ کہاں سے ملتے ہیں اور اُن سے کس طرح کپڑے رنگے جاتے ہیں؟

بنت منشی سعد اللہ - لال کُرتی میرٹھ

عالمِ نسواں

مس تیرلی بوس نامی ایک ہندو خاتون اس مرتبہ الہ آباد یونیورسٹی کے امتحان بی۔ اے میں اعزاز کے ساتھ پاس ہوئی ہیں۔ کہا جاتا ہو کہ یہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے صوبجات متحدہ میں یہ علمی درجہ حاصل کیا ہو۔ مس نیلی اور اُنکے سرپرست اس قابل قدر کامیابی پر ہر طرح تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اُمید ہو کہ اب صوبجات متحدہ کی صنفِ نازک میں اس علمی امتیاز کا سلسلہ سال بسال قائم رہیگا اور خواتین کے گریجوایٹ بننے کی خبریں سُننے میں آئیں گی

کازان واقع روس کی ایک دولتمند مسلمان خاتون کاملہ خانم نامی نے - جو عمر بھر اپنی دولت اپنے ابنائے جنس و اہل قوم کی فائدہ رسانی میں صرف کرتی رہی تھیں حال میں اپنی وفات کے وقت پچاس ہزار روبل کار ہائے خیر کے لئے وقف کئے ہیں اور وصیت کردی ہو کہ اس رقم سے قصبہ تاسان میں ایک مسجد اور ایک پرائمری مدرسہ بنایا جائے

اور مدرسہ میں غریب طلبا کے لئے کتابیں
خرید کر رکھی جائیں۔ نیز کازان میں ایک
عالیشان مسجد اُنکے نام سے تعمیر کیجائے۔
بڑی خوشی کی بات ہے کہ کاملہ خاتون
مرحومہ کی مانند رُوس کی دُوسری مسلمان
خواتین بھی رفاہِ عام کے کاموں خاصکر
اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم کو دامے۔ درمے
قلمے۔ سُخنے مدد دے رہی ہیں۔

مس اتمعل ستیاداس صاحبہ نے جو رائے بہادر مسٹر
ستیاداس صاحب پنجابی نامور و مخیر جو ڈپٹی اسسٹنٹ
کمشنر نہر و مسز فیروزپور کی قابل صاحبزادی ہیں
پنسلوینیا (امریکہ) یونیورسٹی کا اعلیٰ طبی امتحان
پاس کر کے ایم ڈی کی سند پائی ہے۔ مس ستیاداس کی
یہ شاندار علمی کامیابی جو اُنکے روشن خیال والدین
کی مفید تعلیم و تربیت کا نتیجہ کہی جائیگی صُوبہ
پنجاب کے لئے خصوصاً موجب فخر و مسرت ہے۔
اُمید واثق ہے کہ مس ستیاداس عنقریب وطن واپس
آکر اپنی اعلیٰ طبی قابلیت سے اپنی ہندوستانی
بہنوں کو فائدہ پہنچائیں گی!

اہل مصر میں کچھ عرصہ سے حُب وطن و ہمدردی قوم کی
جو نئی رُوح پھونکی گئی ہے، وہ طرح طرح کے مفید
علمی کاموں میں برابر ظاہر ہو رہی ہے اور اُن کاموں
کا دائرہ صرف مردوں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ
عورتوں کو بھی تعلیم و تربیت کا برابر حصہ ملتا ہے
اور کئی انجمنیں صرف مصری مستورات کی اصلاح
اعانت کے لئے قائم ہو چکی ہیں حال ہی میں اُنمیں
اور عورتوں کی مذہبی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ
کھولنے کا انتظام کیا گیا ہے جسکی امداد میں ہر حصّہ
ملک سے چندہ کی معقول رقمیں وصول ہو رہی ہیں
چند اصحاب نے کئی کئی ہزار روپیہ یکمشت عطا کیا ہے

چھوٹی عمر والے بلکہ دودھ پیتے بچوں کی شادیوں
کا ناگوار و مضرت رساں دستور تو ہندوستان کے
لئے خاص ہے۔ جسے دُور کرنے کی سعی ہمدردان
ملک عرصہ سے کوشش کر رہے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا
ہے کہ بڑھاپے کی شادیوں کے معاملہ میں

یورپ و امریکہ بھی کسی سے دبکر رہنے والے نہیں
چنانچہ ان دنوں انگریزی اخبارات میں وہ خبریں
گشت کر رہی ہیں جنمیں سے ایک امریکہ کے ۹۰
و ۸۲ سالہ اور دوسری انگلستان کے ۷۹ و
۷۵ سالہ دولہا دلہن کی شادی کے متعلق ہیں
ان دونوں تقریبوں پر دولہاؤں اور دلہنوں
کے دوست احباب انہیں مبارکباد کے ساتھ
دعائیں دے رہے ہیں کہ انکا گھر اور سہاگ عرصہ تک
قائم رہے ٭

انگلستان میں فرقہ نسوان کی جانب سے جو کوشش
اس غرض سے ہو رہی ہے کہ عورتوں کو ممبران پارلیمنٹ
کے انتخاب میں رائے دینے کا حق حاصل ہو جائے۔
اسکا زور دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ چند روز گذرے
ہیں کہ عورتوں کا ایک بہت بڑا مجمع وسط لندن میں
اس مقصد کی تائید کے لئے فراہم ہوا۔ اور برطانیہ
کلان کے ہر حصہ گوشہ سے کئی ہزار لیڈیاں
جنمیں بعض وزرائے سابق و حال کی بیویاں اور
بہنیں و ملک کے معزز و نامور صاحب کی رشتہ دار
عورتیں بھی شامل تھیں۔ قائم مقام ممبران
قوم اور پارلیمنٹ سے اپنا حق طلب کرنے میں
انہوں نے بہت سی پر زور تقریریں کیں۔ پھر یہ
زنانہ لشکر جھنڈے اور جھنڈیاں لئے ہوئے
کئی گھنٹے تک لندن کے بازاروں میں گشت
لگاتا اور لوگوں کو اپنے حق پر توجہ دلاتا پھرا۔
چونکہ وزیر اعظم مسٹر اسکوئتھ نے اس معاملہ کے متعلق
عورتوں کے ایک ڈیپوٹیشن کو اپنی خدمت میں باریاب
کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسلئے بہت سی
دل چلی عورتوں نے غضبناک ہو کر ایوان وزارت
کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں اور سخت ہنگامہ برپا کیا جو
پولیس کی مدد سے فرو ہوا اور بہت سی لیڈیاں گرفتار
کی گئیں۔ چونکہ انکی ہنگامہ پردازی سے پولیس عدالت تک
آگئی ہے اس لئے کئی عورتوں کو قید کی سزا دی گئی اور کئی
پر جرمانے کئے گئے۔ مگر انہوں نے بھی قید بھگتنے کو جرمانہ پر
ترجیح دی اور سب خوشی خوشی جیلخانہ چلی گئیں کہا جاتا
ہے کہ ان بلند ہمت قیدیوں کی سرگرمی و استقلال سے
انکے مقصد کو بڑی مدد ملی ہے اور مردوں کا بڑا حصہ عورتوں کو
حق انتخاب دینے پر رضامند ہو گیا ہے۔ چنانچہ لبرل ممبران پارلیمنٹ

رسالہ عصمت کے متعلق رائیں

عصمت کا پہلا پرچہ دیکھ کر ملک کے بڑے بڑے اخباروں نے اظہار پسندیدگی کیا ہے۔ اور بہت سے خطوط نہایت حوصلہ بڑھانے والے آئے ہیں۔ جن سے اس پرچہ کی کامیابی انشاء اللہ یقینی ہو گئی ہے ہم اس حوصلہ افزائی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اخبارات کی رایوں کا خلاصہ حصہ اشتہارات میں درج ہے۔ یہاں چند معزز خواتین کی رائیں درج کیجاتی ہیں۔ جو انہوں نے پہلے پرچے کو پڑھنے کے بعد لکھ بھیجی ہیں:-

جناب بیگم صاحبہ معظمہ ہمشیرہ صاحبہ! آداب عرض کرتی ہوں۔ آپکے رسالہ عصمت کا پہلا پرچہ پہنچا۔ پڑھ کے میرا دل بہت خوش ہوا اور مجھے بہت ہی پسند آیا۔ خداوند کریم آپکے اس نیک کام میں مدد دے اور عصمت اس سے زیادہ ترقی کرے۔ آپکے لکھنے کے موافق میں اپنا ٹوٹا پھوٹا مضمون روانہ کرتی ہونگی

(نواب بیگم آف سچین)

مکرمہ محترمہ تسلیم۔ افسوس ہے کہ میں بوجہ بیماری کے اس سے پہلے آپکے عنایت نامہ کا جواب نہیں بھیج سکی۔ امید ہے کہ آپ اس تاخیر کو معاف فرمائینگی۔

رسالہ عصمت کا پہلا نمبر مجھے پہنچا۔ اس کے مضامین پڑھ کر میں نہایت خوش ہوئی۔ اگر اسی قسم کے مضامین آپکے رسالے میں ہر مہینے میں چھپتے رہے۔ تو مجھے یقین ہے کہ ہم مستورات کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے لئے یہ رسالہ از بس مفید ثابت ہوگا۔ روضہ تاج محل کی جو عکسی تصویر پہلے ورق پر چھاپی گئی ہے۔ یہ ایک نہایت موزون خیال اور پسندیدہ انتخاب ہے۔ امید ہے کہ آئندہ بھی جو تصویریں عصمت میں چھپا کرینگی انکو ہمارے طبقہ کے ساتھ خاص مناسبت ہوگی۔

مسز شاہ دین (اہلیہ جناب [illegible])

مکرمہ محترمہ بہن صاحبہ!

آج صبح ہی پرچہ "عصمت" کا ویلیو ملا۔ فوراً نہایت بیتابی سے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ رسالہ حقیقت میں بہت عمدہ ہر طرح پر۔ مضامین میں بھی اور لکھائی چھپائی میں بھی۔ اللہ آپکے ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔ مضمون تو اسوقت دو تین تیار ہو سکتے ہیں لیکن گرمی وغیرہ کی وجہ سے ذرا طبیعت سست رہتی ہے۔ بشرط عافیت ضرور جلد ہی روانہ کرونگی۔

مسز نوشاد علی

میری پیاری بہن صاحبہ!

مزاج شریف۔ آپکا پرچہ عصمت ملا جسکو پڑھکر از حد خوشی ہوئی۔ میں آپکو آپکی کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ بیشک مستورات کے لئے ایسے پرچے کی سخت ضرورت تھی۔ خداوند کریم اب آپکی ہمت میں برکت دے اور ہم مستورات کو توفیق دے کہ ہم جس طرح بنے اسکی مدد کریں۔ میں بذریعہ منی آرڈر مبلغ چھ روپے دو آنے بھیجتی ہوں۔ دو مسلمان بہنوں کے نام جو تعلیم یافتہ ہیں اور اتنی وسعت نہیں رکھتیں کہ ایسے رسالے خریدیں۔ ایک سال کے لئے رسالہ عصمت جاری کریں۔ میں نے سنا ہے کہ مخزن پریس میں کچھ اردو کی نئی کتابیں چھپی ہیں۔ براہ مہربانی پریس میں حکم دیدیں کہ فہرست کتب میرے نام بھیجی جائے۔ میں اردو کی کچھ کتابیں منگانا چاہتی ہوں۔ امید ہے کہ ہماری قابل تعلیم یافتہ بہنیں رسالہ عصمت میں اس بات کا بھی جلدی فیصلہ کرینگی کہ لڑکیوں کو اردو کی کونسی کتابیں پڑھانی چاہئیں۔ میں آپکے کہنے کے مطابق کبھی کبھی مضمون لکھا کرونگی۔ (مسز محمد شفیع)
ارباعنا بنیورہ

جنابہ مسز محمد اکرام صاحبہ۔ تسلیم۔ پرچہ عصمت میں نے پڑھا۔ اپنے رنگ کی ایک اچھی چیز ہے۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ۔ سرورق سب بہت اچھا۔ تصویروں اور نظموں کا جو خیال آپکو آیا قابل قدر ہے۔ یہ ماہوار رسالہ مجھے بھی بھیجنا شروع کیجئے۔ ایک مضمون بھی ارسال خدمت ہے۔ گاہے گاہے قلمی امداد کا وعدہ کرتی ہوں۔
بیگم کماری (از گجرات)

عصمت

جلد-۱
نمبر-۳

اگست ۱۹۰۸ء

یعنی

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے

اُردو میں

پاکیزہ خیالات علمی اور ادبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے

اور

ہر پرچہ ملک کے ممتاز اہل قلم کے مضامین کے علاوہ معزز خواتین کے

طبعزاد مضامین اور مشہور مقامات اور مناظر کی تصاویر سے بھی مزین ہوتا ہے

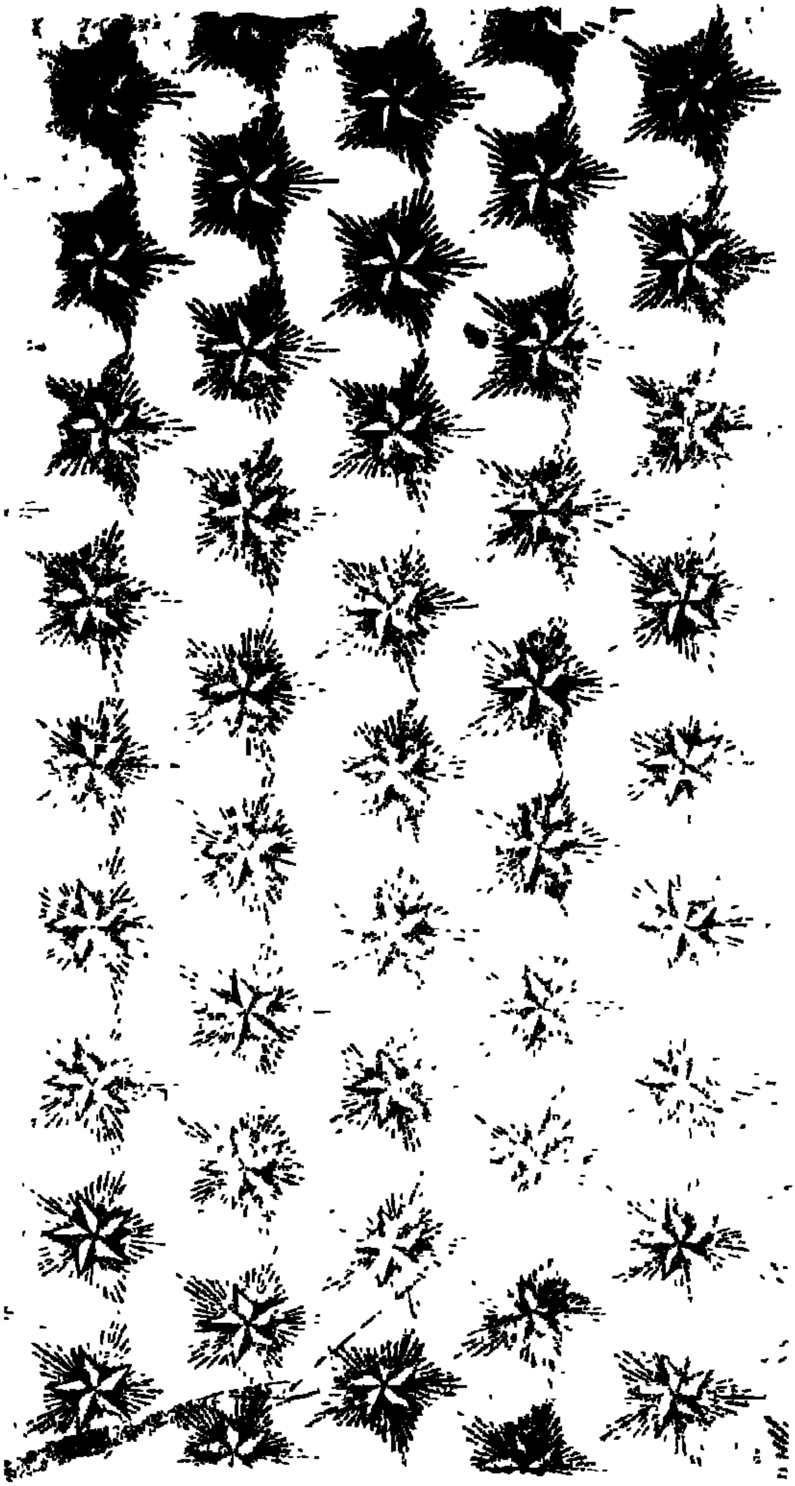
ایڈیٹر رسالہ شیخ محمد اکرام | جائنٹ ایڈیٹر مسز محمد اکرام

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک عے فی پرچہ ۱ر

فہرستِ مضامین

اگست ۱۹۰۸ء



عصمت

سینا پرونا

سینا پرونا ایسی چیز ہے کہ ہر ایک عورت کو اسے ضرور سیکھنا چاہیئے یوں ٹانکا لگانا سلنگے مارنا اور بیہ کرنا اور تیپچی بھرنا تو بُرا بھلا سب کو آتا ہے۔ مگر سلائی ایسی سیکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی اچھا نہ کہے تو ناک بھی نہ چڑھائے اور موقع بےموقع اُس کے اُدھڑ جانے کا ڈر نہو۔ اچھی سلائی جاننے کے عورتوں کو بہتیرے فائدے ہیں۔ اگر کوئی شریف مگر غریب بیوی ہو اور پردہ کی وجہ سے باہر نکلکر کوئی کام نہ کر سکے تو وہ بیچاری گھر میں بیٹھے بیٹھے سلائی کے ذریعہ سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتی ہے اور کنبہ کی لاج رکھ سکتی ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ باریک اور مضبوط سلائی جانتی ہو۔ اگر اس کی سلائی موٹی اور جلد اُدھڑنے والی ہوگی تو اوّل تو اُسے کوئی بیوی اپنا کپڑا سینے کو نہ دیگی۔ اور اگر سخت ضرورت پر کسی نے دے بھی دیا تو وہ بھدی سلائی دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیگی اور سلائی کم دیگی۔ برخلاف اس کے اگر سلائی باریک اور اعلیٰ درجہ کی ہو تو کپڑے

والی کا جی خوش ہو جائیگا اور وُہ بے تامّل مُنہ مانگے دام دیدیگی۔ کم بضاعت بیویوں کے علاوہ خوشحال اور فارغ البال خانونوں کو بھی سینا سیکھنا چاہیئے اور نہ صرف سادی سلائی بلکہ سوزن کاری کی تمام قسموں کی مشق بہم پہنچانی چاہیئے اور اگر ممکن ہو تو ٹکائی کشیدہ۔ موزے اور گلوبند کا بُننا گوکھرو کا موڑنا اور شوت۔ اُون اور کامدانی کا کاڑھنا بھی سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ امیر غریب سب کو کسی نہ کسی وقت ان سے کام پڑتا ہے اور اگر یہ کام مستورات کے ہاتھ میں ہوں تو وُہ کسی کی محتاج نہیں رہتیں اور اپنا سارا ہلکا بھاری کام اپنے ہاتھ سے اپنی مرضی کے موافق کر سکتی ہیں۔ ہمارے دیس میں ایک بڑا عیب یہ ہے کہ اوّل تو امیرزادیاں اعلیٰ درجہ کا سینا پرونا سیکھتی ہی نہیں اور اگر کسی کو آتا بھی ہے تو وُہ اپنا یا اپنے بچّوں یا شوہر کا کپڑا اپنے ہاتھ سے سینا اپنی کسر شان جانتی ہیں اور مغلانیوں یا درزیوں سے اپنے کپڑے سلواتی ہیں۔ اس میں کئی طرح کے نقصان ہیں۔ اوّل تو یہی کہ بھر مُٹھی روپے دینے پڑتے ہیں۔ دُوسرے درزیوں کی دوکانوں پر عورتوں کے کپڑوں کا سِلنا معیُوب بھی ہے۔ اور اگر مغلانیوں سے بھی سلوایا جائے تو سَو میں کوئی ایک مُغلانی ایسی ہوگی جو بیوی کا کام اپنا کام سمجھ کر کرے اور محنت و دیدہ ریزی سے بیگمات کے کپڑے سیئے ورنہ اکثر مُغلانیاں تو سر کی بیگار ٹالتی ہیں اور مصالحہ بھی بچاتی یا اِدھر اُدھر پھینکدیتی ہیں۔ رہا درزی اُسے بھی اپنی مزدوری کا خیال ہوتا ہے اور جہانتک بن پڑے وُہ کام کو جلد نبٹانا چاہتا ہے۔ پھر جلدی کا کام جیسا

پیدا رہوگا وُہ ظاہر ہے۔ پھر درزی کاٹنے چھانٹنے میں بھی احتیاط نہیں کرتے اور بہت سا کپڑا ضائع کر دیتے ہیں۔ کوئی درزی احتیاط سے کاٹتا بھی ہے تو خود کپڑا بچاتا ہے اور چونکہ ناپ پردہ میں سے لی جاتی ہے اس لئے کپڑے میں جھول رہنے یا تنگ ہو جانے کا بھی ڈر ہوتا ہے۔ پس سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ بیویاں خواہ امیر ہوں یا غریب ہر طرح کی سلائی سیکھیں اور اوّل تو اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے سئیں ورنہ جن بیویوں کو اللہ نے مقدور دیا ہے وُہ مغلانیوں سے اپنی نگرانی میں کام لیں اور کم از کم سب کپڑے اپنے ہاتھ سے قطع کریں۔ سینا پرونا کوئی عیب نہیں بلکہ عورت کا بڑا ہنر ہے اور فرنگستان کی تمام امیر زادیاں بلکہ بادشاہزادیاں ہر قسم کی سوزن کاری جانتی اور اپنے اور اپنے بچوں کے کپڑے اپنے ہاتھ سے سیتی یا اپنی نگرانی میں سلواتی ہیں۔ مَیں نے ملکۂ رومانیا کی ایک تصویر ایسی دیکھی ہے جس میں وُہ سینے کی مشین چلا رہی ہیں اور ہماری قیصرہ الگزینڈرا ماشاء اللہ ایسی اعلیٰ درجہ کی سلائی جانتی اور سیتی ہیں کہ بڑے بڑے مبصر دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ ہمارے مُلک میں پردہ کے رواج کی وجہ سے اسکی ضرورت یورپ سے بھی زیادہ ہے کہ بیویاں سب قسم کا سینا پرونا جانتی ہوں پس لڑکیوں کو اپنی تعلیم میں سے تھوڑا سا وقت بچا کر سینا ضرور سیکھنا چاہئے اور جو بیویاں ماشاء اللہ گھر بار کر رہی ہیں اُنہیں سلائی اپنے ہاتھ سے کرنی چاہئے۔ اُمید ہے کہ عصمت میں اَور بہنیں بھی سوزن کاری کے متعلق اپنے اپنے خیالات اور تجربے لکھ کر بھیجا کریں گی۔ مَیں نے صرف مضمون شروع کر دیا ہے۔ (ہر ہائینس) نواب بیگم آف جنجیرہ

مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

قسطنطنیہ میں بھی سلطان سلیمان کی ملکہ اور سلطان سلیم کی والدہ اور دیگر علم دوست خواتین کے قائم کیئے ہوئے مدارس اور تعلیم گاہیں تھیں۔ جہاں خاص و عام مستورات کی تعلیم کا جدا جدا انتظام تھا۔ اس طرح جوں جوں اسلام کا عروج ہوا تمام ممالک اسلامیہ مکہ مدینہ بغداد بخارا مرو ہرات نیشا پور میں یا تو زنانہ تعلیم گاہیں نہیں یا دیگر وسائل ایسے پیدا کیئے گئے جنکے ذریعہ سے مسلمان مستورات کو کم و بیش علم کی دولت سے متمتع ہونے کا موقع ملا۔

جب دولتِ اسلام میں انقلاب ہو کر مسلمانوں کی حالت روبہ تنزل ہوئی تو اس کا لازمی نتیجہ علم کی ترقی کا موقوف ہونا تھا۔ مرد و عورت کی ترقی و تنزل لازم و ملزوم ہیں ساتھ ہی تعلیم نسواں کو بھی بڑی ضرب لگی۔ مگر خیر اتنا رواج ضرور رہا کہ ابتدائی تعلیم لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ساتھ دی جاتی تھی اور بڑے ہونے پر کوئی تعلیم یافتہ معلمہ یا معمر معلم پردے کے اندر درس و تدریس دیا کرتے۔ اس طرح تعلیم نسواں گو ٹمٹماتا چراغ ہو گیا تھا مگر اس کی دھیمی دھیمی روشنی برابر قائم تھی کہ ممالک ترکی میں سلطان عبدالمجید مرحوم کے زمانے سے زور و شور سے اپنی لو بلند کرنے لگی اور اب سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکہ کے وقت میں تو اعلیٰ پایہ پر ہے اور یہاں کی تعلیم تمام ممالک یورپ کی تعلیم کے مقابلہ پر ہے۔ جابجا زنانہ تعلیم گاہیں اور مدارس جاری

ہیں جہاں لڑکیاں ترکی اور فرانسیسی زبانوں میں علوم و فنون سیکھتی ہیں۔ زنانہ ٹکنیکل اسکولوں میں صنعتی تعلیم الگ ہوا کرتی ہے۔ کئی نارمل اسکول معلمات کی تعلیم کے لئے ہیں مدرسہ ثانیہ مسلمان لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے باب عالی کی خاص توجہ سے جاری ہے جس میں علاوہ لکھنے پڑھنے کے موسیقی، مصوری۔ سوزن کاری کی تعلیم بھی ہوا کرتی ہے۔ اور اس کے متعلق لڑکیوں کے لئے بورڈنگ بھی ہے جس کا اہتمام تعلیم یافتہ مسلمان خواتین کے ہاتھ ہے۔

مصر میں بھی تعلیم نسوان کو تنزل ہو کر اب سے ساٹھ ستّر برس پیشتر لڑکیوں کو صرف قرآن و حدیث پڑھانے پر اکتفا کیا جاتا تھا مگر اب وہاں بھی تمدّن کے ساتھ ساتھ تعلیم نسواں کی ترقی ہو رہی ہے۔ طبقہ متوسط کی لڑکیاں چہروں پر نقاب ڈالکر لڑکوں کے ساتھ ابتدائی تعلیم پاتی ہیں۔ کئی زنانہ مدرسے "مدرستہ البنات" وغیرہ کے نام سے قائم ہوئے ہیں۔ شاہی حرم سراؤں میں ذی علم معلّمہ جنکو شیخہ کہتے ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے مقرر ہیں۔

اسی طرح بربر۔ مراکش۔ فلسطین۔ الجزائر وغیرہ جہانتک ممالک اسلامیہ ہیں۔ سب میں تعلیم نسواں کی تسہیل کے لئے روز بروز مختلف ذرائع و وسائل موجود ہوتے جاتے ہیں۔

افسوس ہمارا ہندوستان یہاں جب سے اسلام نے قدم رکھا ہے تعلیم نسواں نے کبھی رونق نہیں پائی۔ تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہاں ہمیشہ اس طرف

بے توجہی رہی۔ یہاں کبھی کوئی وسیلہ ایسا قائم نہیں ہوا جس سے خاص و عام ہر طبقہ کی عورتیں تحصیلِ علم سے بہرہ ور ہوسکیں۔ اس کا باعث مسلمانوں کی تمدنی حالت پر ہندوؤں سے خلط ملط کا اثر تھا۔ عورتوں کو جاہل رکھنے کی رسم ہندوؤں میں عام تھی ایک عورت کی کیا تخصیص تھی۔ دُور اندیش برہمنوں نے اپنے عروج و اقتدار کے ترقی دوام کے خیال سے غیر فرقہ برہمن کے مردوں کو بھی تحصیلِ علم سے باز رکھنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا اس جگہ تعلیمِ نسوان کا بھلا کیا ذکر۔ اب بھی راسخ الاعتقاد پرانے طریقے کے ہندوؤں کے ہاں خواندہ مستورات کم نکلینگی ہاں نئے فیشن کی نئی روشنی والوں کی الگ بات ہے۔ مگر خیر اتنے مزاحم و موانع کے ساتھ بھی یہاں کے مسلمان فرمانروا اور امرا۔ اپنی اپنی لڑکیوں کو جس طرح ممکن ہوا تعلیم دلوانے میں پہلو تہی نہ کرتے تھے۔

شمس الدین التمش بادشاہ دہلی نے اپنی بیٹی بلقیس جہاں کو مردوں کی طرح تعلیم دلوائی تھی جو سلطانہ رضیہ کے نام سے صفحۂ تاریخ میں یادگار ہے۔ بابر ہی کے زمانہ میں تعلیمِ نسواں کی دقتوں کی تسہیل کسی حد تک ہو چلی تھی کہ زمانۂ اکبر میں ایک فرقہ فلاکت زدہ ایرانیوں کا ہندوستان آیا اُن کے ہمراہ ایک گروہ تعلیم یافتہ عجمی خواتین بھی تھیں جنکے ذریعہ سے علم و ہنر شاہی محلوں میں پھیل گیا اور اس ہی وجہ سے اُسوقت کی اکثر امیرزادیاں اور شاہزادیاں تعلیم یافتہ تھیں۔ مگر عوام الناس کی لڑکیوں کی تعلیمی حالت یہاں کبھی نہ سُدھری بلکہ جب انقلابِ زمانہ سے شاہزادیاں اور امیرزادیاں

حقیقی تنزل میں پہنچکر عوام الناس سے متاثل ہوگئیں تو علم کا وہ جگمگاتا ستارہ جو شاہی اُفق الاعلیٰ میں کبھی کبھی نظر آتا تھا ادبار کی تاریکی میں بالکل روپوش ہوگیا۔ ہاں کہیں مغلانیوں یا آتونوں کے ذریعے سے دو چار سورے طوطے کی طرح پڑھا دیئے یا نماز رٹادی کہیں کہیں قرآن شریف بڑی دھوم دھام سے شروع ہوگیا اور دو چار سورتوں کے متن کی روانی ہوتے ہوتے شادی ہوگئی تو وُہ اَور بات تھی۔ ورنہ تعلیم و تعلّم ہمارے لئے کہاں لیس روبیہ سے تو ہم سمجھے ہوئے تھے کہ علم و فضل کا دروازہ ہم پر جو بند ہوا ہے تو حشر تک اس کو ہم نوں سے شغلِ علم گھُسنے کی نہیں۔ یاس کے عالم میں پہلے پہل مشنریوں نے اتنا تو احسان کیا کہ اپنے دامِ فریب پھیلانے کی غرض سے کئی جگہ مسلمان لڑکیوں کے لئے سکول کھولے ان اسکولوں میں شرفا کی لڑکیوں کا جانا معقول وجُوہات سے ممکن نہ تھا۔ البتہ عوام الناس کی کچھ لڑکیاں جانے لگیں مگر اُونچے طبقے کی لڑکیوں کی تعلیم کی طرف سے بے پروائی بدستور رہی۔ ہمارے مردوں کو تو جہالت کے مرض نے ایسا گھیرا تھا کہ سر میں تعصّب کا سودا پیدا ہوگیا تھا اور لگے زور و شور سے ہماری تعلیم کی مخالفت کرنے۔ ان لوگوں نے اپنی دانست میں ہمارے لئے علم کو حرام ہی کر دیا تھا۔ سچ کہا ہی ع

شامے بجہاں نیست کہ او را سحرے نیست

زمانے کو پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ ان آنکھوں نے وُہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ رہی ہُوں باوجود اِس قدر مخالفت و مزاحمت کے ہماری تعلیم کا جابجا بندوبست

بہ رہے ہیں اور انشاءاللہ یوں ہی ہوتا رہیگا اور خیر پر شر کا فتح پانا نور پر ظلمت کو مٹا دینا بوجوہ اعلیٰ ثابت ہو جائیگا۔ تقریباً ہندوستان کے ہر حصہ و صوبہ میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے سامان ہو رہے ہیں۔ ریاست حیدرآباد اور بھوپال میں جنکو ہم ہند میں اسلامی سلطنت کہ سکتے ہیں۔ اس طرف خاص توجہ مبذول کی گئی ہے۔ برار اور حیدرآباد سندھ میں بھی مدارس نسواں ہیں جہاں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ہے۔ پونا اور احمدآباد میں تو ایسے مدرسے کثرت سے ہونگے۔ خاص شہر بمبئی کی مسلمان لڑکیوں کی تعلیم تو آفتاب نصف النہار ہے وہاں کی اعلیٰ تعلیم کا ثبوت مسز علی اکبر صاحبہ مس فیضی صاحبان ممتاز جہان بیگم اور آبرو بیگم کی ذات سے ہے۔ میسور میں بھی مسلمان لڑکیوں کے اسکول ہیں۔ صوبہ پنجاب اور خاص شہر لاہور میں بھی گرل اسکول ہیں۔ ریاست ٹرانکور ریاست کولہاپور میں زنانے مدرسوں میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بہار کے شہر آرہ اور بانکی پور میں مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک ایک اسکول ہے اور بھی کتنے چھوٹے چھوٹے مدارس مختلف مقامات میں ہونگے جو گوشۂ گمنامی میں اپنا فیض جاری کر رہے ہیں۔ حال میں علیگڈھ میں ایک زنانہ نارمل اسکول مسلمان لڑکیوں کے لئے بڑے شد و مد سے کھولا گیا ہے۔ جس کے چندہ دہندوں کی فراخ حوصلگی اور کارکنوں کی سرگرمی دیکھ کر امید کی جاتی ہے کہ قلیل زمانہ میں یہ مدرسہ منبع خیر و برکت ہو کر یادگار زمانہ ہوگا +

شہر وردیہ

"مہذّب گھر"

جون کی کڑکتی گرمی کا مہینہ تھا اور گرمی بھی لکھنؤ کی۔ خدا بچائے۔
۔ل باغ روڈ پر ایک عالیشان کوٹھی نئی وضع کے سامان سے آراستہ اپنے
مکینوں کی خوش سلیقگی و مغربی مذاق کا پتہ دے رہی ہے یوں تو سب ہی
کچھ سامان آسائش مہیا ہے۔ لیکن آجکل جن چیزوں کا زیادہ رواج ہے
یا یوں کہو کہ جن کی طرف زیادہ خیال ہے وہ پنکھے اور برف کا انتظام ہے۔
چوطرفہ برآمدے اُنکے گرد احاطہ اور ایک کمرہ باورچیخانہ اس کا تمام نقشہ
کھینچنا اس گرمی میں مشکل ہے۔ دیکھنے تو اس گھر کے حالات ہیں۔

صبح ۸ بجے کا وقت ہے جبکہ کوٹھی کے احاطہ میں سوائے چند بچوں کے
اور کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں وہ سامنے کے کمرے سے ایک عورت سفید
ساڑھی باندھے ہاتھ میں تولیہ لئے نکلی۔ حیثیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازمہ
ہوگی۔ ایک کمرے سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوئی۔ جہاں ایک سترہ سالہ
لڑکی سفید ڈریسنگ گون[1] پہنے کرسی پر بیٹھی۔ ایک چھوٹے بچے کو پڑھا رہی تھی

مکالمہ

آنیوالی عورت "۔ صاحبزادی! آپ نے بہت دیر لگادی۔ سب چارکی میز پر
انتظار میں بیٹھے ہیں"۔

سلہ [1] ڈھیلا لباس جو رات کو سونے وقت پہنا جاتا ہے اور صبح کو کپڑے بدلنے سے پہلے زیب تن ہوتا ہے۔

لڑکی۔ "گلاب! تم چلو میں ابھی آئی۔ بیشک دیر لگ گئی"۔ اس کے جانے کے بعد لڑکی نے اُٹھ کر سفید ریشمی بلاؤس (زنانہ قمیص) اور ہلکے آسمانی رنگ کا گون پہنا اور دوپٹہ سنبھالتی ہوئی بچے کا ہاتھ پکڑ کر اُس کمرے میں گئی جہاں سب چار کی میز کے گرد بیٹھے تھے۔ یہ لوگ چھوٹے بڑے سب پندرہ ہونگے۔

لڑکی۔ "سلام علیکم"۔

ایک صاحب جو سیاہ سوٹ پہنے ننگے سر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔

"بیٹی تم نے آج بہت دیر کی۔ کیا کر رہی تھیں"؟

بیٹی۔ "پاپا میں صبح ۵ بجے ہی تیار تھی یہ میاں شکیل جو پہنچے میں نے اُن سے انگریزی میں کہا کہ مجھے بوٹ اُٹھا دو یہ نہ سمجھے۔ جب کہا کہ انگریزی کا یہ حال ہے تو بسورنے لگے اور بولے گھنٹہ بھر ٹھہر کر مجھے آٹھ الفاظ یاد کرادیں کہیں مار نہ پڑے۔ کیک پہلے ہی بند ہے اب چار بھی بند نہ ہو جائے میں بیٹھ گئی آپنے چار میں کیوں دیر کی۔ مسز جمیل آپنے انکو چائے نہ دی۔

مسز جمیل۔ خورشید! جب تک تم آؤ پاپا ہی کیا کوئی بھی کھانا شروع نہیں کرتا۔

خورشید۔ اچھا تو میں ہی بناتی ہوں اب کبھی تم ہاتھ نہ لگانا" یہ کہکر خورشید نے چار بنا کر سب کو دی اور شکیل سے کہا کہ تم بھی کیک لو۔

شکیل۔ سسٹر[1]! میں ہرگز کیک نہ کھاؤنگا۔ جب تک انگریزی پورا نہ اتروں۔ آج شام گذر جانے دو۔ کل لے لونگا۔ اگر پاس ہو گیا تو! اس پر سب ہنسے اور ان ہی صاحب نے بچے کو اُٹھا لیا۔ پیار کرنے لگے۔

اس وقت تک پتہ نہیں۔ یہ سب آپس میں کون کون رشتہ دار ہیں خیر کچھ بھی ہو

[1] بہن

ہیں اسی گھر کے معزز اور مہذب ممبر۔

وہی صاحب۔ کہو خورشید تم نے جلسہ کا کیا انتظام کیا۔ پچھلی مرتبہ تو مسز الفریڈ کے بنگلے پر امتحان لیا تھا آج کہاں ہوگا؟

خورشید۔ پاپا مسز الفریڈ کی صلاح سے آج ہمارے باغ میں ہوگا سب بچے یہیں آئینگے (اتنا تو معلوم ہوگیا کہ خورشید ان صاحب کی بیٹی ہے)۔

وہی صاحب۔ اچھا یہ بتاؤ اب کے ممتحن کون ٹھہرا۔

خورشید۔ مس الفریڈ تو یہاں نہیں۔ پچھلے مہینے اُنہوں نے امتحان لیا تھا۔ آج تو میں چاہتی ہوں مسز جمیل لیں۔ مسز جمیل نہیں پاپا میں نہیں لینے کی چار بچے جو سب سے شوخ ہیں مجھ سے نہیں ڈرتے۔ وہ آنٹی آنٹی کرتے ہیں سب کا امتحان خورشید آنٹی ہی لینگی

پاپا۔ ہاں بیٹی ٹھیک ہے یہ کام خورشید ہی کا ہے۔ کتنے ایک بچے ہوجائینگے تمہیں پرائیویٹ سکول جاری کئے۔ تھوڑا عرصہ ہوگیا ہے اتنے عرصہ میں ضرور بچوں کو شد بد ہوگئی ہوگی۔

خورشید۔ ہاں کوئی ۲۰ ہو ہی جائینگے۔ دس اپنے ہیں۔ چار مسٹر الفریڈ کے۔ چار پانچ اور ہونگے۔ یہ تو باتیں کرتے رہے بچے جلدی جلدی چاء سے فارغ ہو اپنے سکول کے کمرے میں جا بیٹھے۔ یہاں یہ قاعدہ نہ تھا کہ بے طریقہ کوئی بچہ کتاب لئے پلنگ کے پائینتی بیٹھا ہی کوئی در سے لگا کھڑا ہی نہیں بلکہ انکی لائق تعلیم یافتہ ماؤں نے ایک کمرہ علیحدہ سکول

سلہ انگریزی میں خالہ چچی۔ پھوپھی سب کے لئے ایک لفظ ہے "آنٹ" اور پکارتے وقت پیار سے "آنٹی" کہتے ہیں۔

کے لیے مقرر کر دیا تھا جسمیں اُنکے پڑھنے کا سامان تھا۔ تمام دن گذر گیا اور شام کے ۵ بجے کا وقت آپہنچا جبکہ جلدی جلدی تیاری کر کے بچے دعائیں مانگ رہے تھے کہ ہم کامیاب ہوں۔ آج پائیں باغ عجیب بہار پر تھا یوں روز ہی اچھا رہتا ہے لیکن آج کچھ مہمانوں کی آمد تھی۔ میز کرسی درست طریقہ سے لگی تھی۔ برآمدے میں۔ بڑے میز پر شیشے کے گلاس اور کئی طرح کے شربت لیمونیڈ لائم جوس وغیرہ کی بوتلیں رکھی تھیں۔ دوسری طرف بچوں کے واسطے جگہ تھی۔ جہاں لکڑی کی رنگین کاؤچیں بچھی تھیں اور چھوٹی کرسیاں ½۶ بجے باغ کا آہنی سلاخوں والا دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے ۹-۱۰ بچے آ گئے جو لڑکے سلیکوٹ چھوٹی چھوٹی پتلونیں پہنے ہوئے تھے اور لڑکیاں آسمانی گلابی فراک[1]۔ یہ سب گھاس پر جا بیٹھے اور علم نباتات پر بحث کرنے لگے جو رات دن سیکھتے تھے۔ ان کے آنے کے چند ہی منٹ بعد مہذب لباس یعنی ترکی گون اور جیکٹ پہنے سب لیڈیاں داخل ہوئیں گنتی میں سات تھیں۔ سب سے آگے ایک عمر رسیدہ بیگم سفید سلک[2] کا ٹرکش ڈریس[3] پہنے تھیں جس پر لیس وغیرہ بہت ہی کم تھی۔ پیچھے جوان لڑکیاں طرح طرح کے لباسوں میں آنکر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

ایک لڑکی۔ اماں جان آپ نے آج بھی لیسدار ڈریس نہ پہنا۔

بیگم۔ یہ سوانگ بھرنا تمہیں مبارک رہے۔ دیکھو مری خورشید کے سادے کپڑے ہیں۔

---

[1] لڑکیوں کا جامہ جو گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اور جس کے نیچے جرابیں پہنی جاتی ہیں [2] ریشم [3] لباس۔

خورشید۔ مسز جمیل آپ ہمیشہ میری اماں جان کے لباس کو ٹوکتی ہیں دیکھتی نہیں۔ مسز الفریڈ کے کپڑے کیسے سادہ ہوتے ہیں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ دروازہ باغ سے ایک یورپین حسین لیڈی بادامی ڈریس پہنے پیلوں سے خوبصورت بچے ساتھ لئے آتی نظر آئیں سب نے کھڑے ہو کر انکو بٹھایا بچے سلام کر کے بچوں میں جا ملے۔

بڑی بیگم۔ مسز الفریڈ تم نے تو بہت دیر لگا دی۔ "مسز الفریڈ میں تو ۹ بجے ہی آنے لگی تھی۔ چھوٹی فریڈی نے کہا کہ مجھے سبق یاد نہیں ہے۔ ڈیئر خورشید خفا ہونگی یاد کرا لو تب چلنا اس لیے میں بیٹھ گئی پھر اٹھی تھی کہ مسٹر الفریڈ آ گئے انکو چاء دی۔ کہو خورشید آج کتنی بیبیاں تمہارے شاگرد بچوں کے ساتھ آنے کو ہیں؟

خورشید۔ آج تو کوئی بھی نہیں آئینگی جو بچے امتحان کے لئے آئینگے انکی مائیں ناچ پارٹی میں شریک ہوتی ہیں ایسے جلسوں میں نہیں آتیں۔ ہاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کی بیوی آج آئینگی۔

مسز الفریڈ۔ وہ کیسی ہیں کیا اُنکے بھی بچے ہیں؟

خورشید۔ بچے تو ہیں لیکن وہ ابھی تک انکو بالکل تربیت نہیں دیتیں ہم نے ابھی انکو دیکھا بھی نہیں۔ تھوڑے دن ہوئے فیض آباد سے آئی ہیں۔ پاپا نے ہماری تعلیم و تربیت کا ذکر کیا تھا۔ ڈپٹی صاحب نے کہا اب امتحان ہوگا تو میری بیوی کو بھی بلانا شاید کچھ اثر پڑے" (ایک ملازمہ آکر) بیگم صاحب ڈپٹی صاحب کے گھر کی سواری آ گئی"۔

بیگم۔ اُتروا لاؤ۔

چند منٹ بعد جو دیکھا دو ماماؤں کے ساتھ ایک اچھی امیر بیگم چلی آرہی ہیں اس قدر تنو گرمی ہو گلُرن کا ریشمی لباس ہلکے گوٹے کی جھلکی سے مزین ہے۔ اور زیور سے لدی ہوئی ہیں۔ جوں ہی نزدیک پہنچیں خورشید معہ سب کے کھڑی ہو گئی۔ شیک ہینڈ[1] کر کے سب سے پہلے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ ہیں بیگم عباس علی بیگ جنھوں نے آپ کو مدعو کیا اور یہ ہماری مہربان مسز الفریڈ جنکے شوہر سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ یہ میری بھاوج مسز محمد جمیل ہیں۔ اسی طرح ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر یہ میری بڑی بہن مسز امجد علی ہیں یہ لڑکی میری چھوٹی چچی مسز عزیز احمد ہیں اور مجھے تو پہچان لیا ہوگا۔ وہی خورشید عباس علی ہوں جس کا خط کل آپ کو ملا تھا۔ تعارف کے بعد خورشید معہ سب کے بیٹھ گئی اور بیگم صاحبہ حیرانی سے سب کو دیکھتی رہیں۔

خورشید۔ یہ مسز الفریڈ آپ نے بیگم صاحبہ ڈپٹی احمد علی خاں کو دیکھا یہ ہمارے معزز چچا احمد علی کی بیوی ہیں گو بدقسمتی سے بہت عرصہ میں ملنے اتفاق ہوا۔

بیگم صاحب خانہ۔ آپ کے بچے کہاں ہیں انہیں کی خاطر تو آپ کو بلایا گیا ہے جو تجویز ڈپٹی صاحب و میرے صاحب میں ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگی۔

ڈپٹی بیگم۔ ہاں میں نے سنا ہے کہ آپ کی صاحب زادی نے مدرسہ جاری کیا ہے۔ بچوں کو پڑھاتی ہیں۔

بیگم صاحب خانہ۔ نہیں مدرسہ تو جاری نہیں کیا۔ میری لڑکی ابھی چھ ماہ ہوئے کانپور سے آئی ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ یہاں بچوں کی تربیت کا کسی قدر

[1] ہاتھ ملا کر۔ مصافحہ ۱۲

قابل اطمینان بندوبست ان لڑکیوں میری بہو بیٹیوں نے مل کر کیا ہی سکول کی تعلیم ہرگز ایسا اثر نہیں ڈال سکتی۔ جیسا کہ گھر کی۔ بس ان پانچوں لڑکیوں کی ہر وقت یہی کوشش ہے کہ بچے بچیاں لائق ہوں ہم ۸ سال تک لڑکے اور لڑکی کو گھر پڑھاتے ہیں۔ پھر سکول بھیجدیتے ہیں۔ چنانچہ کچھ بچے ابھی لکھنؤ میں پڑھتے ہیں۔ دو پوتیاں کانپور ہیں۔ خورشید ابھی کانپور سے آئی ہے۔ یہ بچے شروع سے انگریزی پڑھتے ہیں۔ غالباً اس بات کے ماننے کو آپ تیار ہوں گی کہ اب انگریزی بغیر گذارہ نہیں تو کیوں نہ بچپنے سے سکھائی جائے۔ اسی لیئے انکے باپ بھائی دادا نے یہ بندوبست کیا ہے بچہ پیدا ہوتے ہی انگریزی سُنے تاکہ وُہی بولے۔ بدقسمتی سے عربی تو آجکل ہم میں اس قدر نہیں ہے۔ خُدا کے فضل سے انگریزی میں میری بہو بیٹیاں سب بول چال کے قابل ہیں جنکی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ دو سال کا بچہ اپنی ضروریات کی چیزیں انگریزی میں طلب کرتا ہے۔ ڈپٹی صاحب کو یہ حالات معلوم ہُوئے۔ اُنہوں نے کہا میری بیوی کو بُلاکر راضی کرو کہ وُہ اپنے بچوں کو انگریزی سیکھنے کے لیئے یہاں بھیجیں۔ دیکھیے ماہوار ان کا امتحان لیا جاتا ہے۔ چار سالہ لڑکیاں جو ابھی الف بے کی پہچان نہیں رکھتیں فر فر انگریزی بولتی ہیں۔ اب آپ دیکھیے گا کیسا سماں ہوگا۔

ڈپٹی بیگم۔ تو یُوں کہیئے آپ نے سب طریقے فرنگ چال کے اختیار کر لیئے ہیں مانا کہ انگریزی ضروری ہے لیکن بغیر قرآن شریف پڑھے جو یہ بچے انگریزی پڑھینگے تو اُنکے مذہبی خیالات کیسے بودے ہونگے۔

صاحب خانہ۔ اس کا بھی امتحان لے لیں۔ ایسی ہی تربیت میرے بچوں کی ہوئی۔ محمد جمیل محمد جلیل سابق میں سکول بھیجے گئے تھے۔ جب تک سوا عربی، حساب اور انگریزی کے کچھ نہ جانتے تھے بفضل خدا ۱۰ سال سکول کالج میں رہے اب دیکھو کون نہیں کہتا کہ یہ علی گڈھ کے سچے نمونے ہیں دوست مولوی کہہ کر بلاتے ہیں لڑکیاں ہیں وہ بھی ایسی ہی ہیں بڑی لڑکی کی شادی میں نے اپنے دیور کے لڑکے سے کی ہے جو میرے پاس رہتا ہے پوچھو بیوی سے کیسا خوش ہے وہ لڑکی یعنی رشید بھی میری کانپور کی تعلیم یافتہ ہے۔ اب رشید کے بچے دیکھو کیسے ہیں۔ ۶ سال کی لڑکی نماز پڑھتی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ خورشید کو ڈاکٹری پڑھنے کو آگرہ بھیجوں۔ اگر قسمت ہے تو ایسا ہوگا بہن! اب بغیر تعلیم کے دنیا چلنی مشکل ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک لڑکے نے جس کی عمر ۱۰ سال کی ہوگی آکر کہا آمنی خورشید۔ ۷ بج گئے اب اٹھئے۔ خورشید "چلو" کہکر ساتھ چلی اور ڈپٹی بیگم سے کہا ذرا تکلیف کر کے میرے پاس آرام چوکی پر چل بیٹھیں۔ وہ بیچاری حیران وہاں جا بیٹھیں۔

بیگم۔ اب کیا ہوگا انگوٹھا لوگی؟

خورشید۔ نہیں صرف باتوں باتوں میں انگریزی کا امتحان لونگی کہ اس مہینے میں کتنی ترقی کی۔ جو الفاظ پچھلے مہینے میں نہیں آتے تھے اب بھی آئے یا نہیں۔ خورشید نے انگریزی میں چھوٹے چھوٹے جملے بولنے شروع کیے۔ مثلاً یہ کہ مجھے ایک گلاب کا پھول لادو۔ یہ بچوں میں پندرہ سمجھ گئے۔ بھاگے ہوئے ایک ایک پھول توڑ لائے ۵ جو رہ گئے

الگ الگ کر دیا۔ پھر کہا ان پھولوں کو مسز الفریڈ کی ٹوپی میں لگا دو۔ گیارہ لے گئے۔ اور لگانے لگے۔ چار اُن میں سے رہ گئے۔ پھر کہا سوڈے کی بوتل کھول کر برف ڈالو۔ دو نے فوراً کھول لی۔ اسی طرح ہر ایک کی انگریزی کا امتحان لیا۔ جس کی سمجھ میں نہ آتا اسکو سزا دی جاتی۔ وہ یوں کہ احمد سے کہا۔ خورشید احمد! تم اپنی ٹائی گلے سے کھول ڈالو پسینہ آ رہا ہے وہ نہ سمجھا دوبارہ کہا تب بھی نہ سمجھا تو کر دیا۔ بس اس واقعہ سے آگاہ ہو جاؤ۔ کل سے صبح کی چاء بند دوپہر کا کھانا ملیگا۔ اس قسم کی کئی بار گفتگو کی پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر کہا دیکھئیے بیگم صاحب اِس میں کوئی مدرسہ کا سا دباؤ پڑتا ہے۔ محض کھیل ہے۔ ہاں جس جس کی چاء بند ہو گئی ہے وہ کل کو اچھی طرح یاد کریںگے اچھا اب میں اُردو میں ایک نظم پڑھتی ہوں تم اس کا ترجمہ انگریزی میں کرنا اس کام کے لئے صرف تین بچے رہیں۔

ڈپٹی بیگم۔ کیوں تین کیوں رہیں؟

خورشید۔ کیونکہ اور یا تو بہت کم عمر ہیں۔ یا اُن کی اتنی لیاقت نہیں ہے۔ ان تینوں کی عمر بڑی ہے۔ ان کی انگریزی بھی اچھی ہے۔ اچھا شکیلہ نسیم۔ اختر۔ تم تینوں ادھر آؤ۔ تو اس کی انگریزی کرو۔ ؎

گیا دورہ حکومت کا بس اب جگت کی ہے باری

جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

تینوں بچوں نے ہم آواز ہو کر اس شعر کا صحیح ترجمہ کیا۔

خورشید۔ شاباش بالکل ٹھیک دیکھا بیگم صاحبہ ابھی بچے ہیں اور ابھی بیماری سے اُٹھے ہیں۔ اچھا دو مصرعوں کا اور ترجمہ کرو۔

اختر۔ کہیئے ہم ساری نظم کا ترجمہ سنا دیں آپ کہتی جائیں +

خورشید۔ اب شام ہوگئی ہے ۸ بجنے والے ہیں ایک کا اور سُنا دو۔

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو بتا دونگا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام اُنکا مٹا دونگا

تینوں بچوں نے پھر اسی طرح ترجمہ سُنا دیا۔

خورشید۔ بہت ٹھیک خدا تمھیں خوش رکھے۔ اب آٹھ بج گئے تھے سب کھڑے ہوگئے۔ وہیں باغ میں نمازِ مغرب ادا کی اور چاندنی میں کُرسیوں پر بیٹھکر سب نے کھانا کھایا۔ گراموفون وغیرہ بجتا رہا۔ رات کو ڈپٹی بیگم صاحبہ اپنے گھر چلی گئیں۔ وہاں جاکر جو بیان کیا وہ پھر کسی موقع پر بیان کیا جائیگا +

بنت نذر الباقر

وقت بیوقت کے لئے اس ترکیب سے بنا دیں (ہیضہ) کی گولیاں بنا کر رکھ چھوڑو۔ ایک حصہ افیم دو حصے ہیرا ہینگ تین حصے کالی مرچیں پیس کر کوٹ کر چنے چنے برابر گولیاں بنالو۔ جب ہیضہ کا شبہ گذرے ایک کھالو +

بارہا تجربہ کیا گیا ہے نہایت مفید ثابت ہوئی ہیں ⁂

ساون

یہ عجیب دلچسپ مہینہ ہے جیسی جیسی قدرتی دلچسپیاں اس مہینہ میں
ہیں کسی میں نہیں۔ یوں کہئے کہ خود فطرت کو اس سے دلچسپی ہے۔ یہ
فطرت کے جوش و نمو کے دن ہیں آجکل فطرت طرح طرح کے رنگوں
میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ شاید یہ مہینہ فطرتی سال کا پہلا دن اور نوروز
فطرت کا مبارک دن ہے کہ جو خوشی آسمان سے برس رہی ہے آگ
رہی ہے۔ ہواؤں کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ تمام آسمان زمین
کا منہ دھلا کر فطرتی کارندوں نے اسے آئینہ بنا دیا ہے۔ مخملی فرش سبز
بچھا ہے طرح طرح کی نعمتوں کا دسترخوان چنا گیا ہے اور ساری
مخلوقات کو دعوتی رقعے بارش کی تار پر آن واحد میں تمام دنیا میں
بٹ گئے ہیں جس مخلوق کو دیکھئے ہشاش بشاش مارے خوشی کے
جو ں نہیں سماتی۔ طیور ہیں تو الگ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں
میں جھولے جھول رہے ہیں۔ اس ڈال سے اس ڈال اس ڈال
سے اس پات پر پھدکتے نیا دانہ چگتے نیا پانی پیتے پھر رہے ہیں۔ چرند
ہیں سو الگ چرائی میں مشغول ہیں کبھی ادھر ایک منہ مار دیا اور کلیلیں بھرنے
لگے کبھی ادھر ایک تنکا بھرا اور چھلانگیں مار گئے۔ نباتات ہیں تو انہیں
الگ سبز سبز مخملی لباس ملا ہے اس کو پہنے کھڑے جھوم رہے ہیں اور حضرت

اِنسان بھلا اُن کا کیا پوچھنا۔ عالم کی ساری دلچسپیاں اُنہیں کے لئے تو ہیں پھر مردوں کا تو کہنا ہی کیا۔ کتابوں میں پڑھتی ہوں کہ آجکل پہاڑوں پر سرسبز دوب کا آنکھوں میں کھُبنے والا مخملی فرش ہو رہا ہے۔ جھرنے جھرتے ہیں۔ آبشاریں چھوٹتی ہوتی ہیں۔ جھرنوں کا پانی پہاڑی چٹانوں سے ٹھوکر کھا کھا کر جو بہت نیچے گرتا ہے تو بہت دلچسپ سماں اور نہایت سُریلی آواز پیدا ہوتی ہے اور ٹیڑھے ترچھے راستوں سے پانی جو اٹھکیلیاں کرتا ہُوا بہتا ہے تو بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ایسے ایسے ہزاروں دلچسپ منظر وُہ دیکھتے ہیں اور جی بھر کے دیکھتے ہیں خیر یہ اُنہیں کو مُبارک ہو۔ ہم پردہ میں بیٹھنے والیوں کو بھی خُدا نے اپنے خوانِ کرم سے محروم نہیں رکھا ہے۔ ہمارے واسطے بھی گھر بیٹھے اس سے بڑھ بڑھ کے دلپسند منظر پیدا کر دیتے ہیں۔ بلکہ ایک طرح سے ہم اُن سے بھی اچھے رہے۔ کیونکہ اُن منظروں کے دیکھنے کے لئے اُنہیں دُور دُور جانا پڑتا ہے اور بہت کچھ خرچ کرنا ہوتا ہوگا اور ہمیں تو گھر بیٹھے بے کوڑی بے دام ایسے موقعے ہاتھ آتے ہیں۔

آہا ہا ہا ذرا دیکھنا پورب سے کیا کالی اور کیسی گھنگھور گھٹا کس دھوم دھام سے اُٹھی آرہی ہے اور بجلی کس چمک دمک سے تڑپتی آرہی ہے واہ کیا تڑپ ہے ابھی ادھر چمکی تھی ابھی اُدھر تڑپ گئی۔ ذرا کوندی اور غائب ذرا چمکی اور ہَوا صاف سُتھرے ڈھلے ڈھلائے آسمان میں یکایک اس طلسمات کا ظاہر ہونا کیا دلچسپ سماں ہے۔ سماں؟ اجی جادو

ہے جادو۔ گھٹا کا دھواں دھار اوٹھنا بجلی کا چمکنا بدلی کا کبھی ٹپ ٹپ ٹپکنا کبھی آہستہ آہستہ پھوار ہوتا تھم تھم کر چھینٹے پڑنا رہ رہ کر موسلادھار برسنا کبھی گھٹا کا برستے برستے پھٹ جانا یک بیک اندھیری میں دھوپ کا چمکنے لگنا کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ نیلی نیلی بدلیوں کا پورب سے پچھم آنچل اڑانا اور کالے کالے بادلوں کا ہاتھی کی طرح چنگھاڑیں مارتے آنا زور شور سے برستے آنا شور و غل سے برستے جانا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے چلنا سرسبز درختوں کا زور زور سے جھومنا ہرے ہرے پتوں سے پانی کا ٹپ ٹپ گرنا بڑے بڑے درختوں کا شرابور ہونا چھوٹے چھوٹے پودوں کے ہرے ہرے پتوں پر ننھے ننھے قطروں کا موتی کی طرح سے لڑھک لڑھک کر زمین پر گرنا کیا ہی لطف دیتا ہے اور کیسا دلپسند تماشا ہے۔ بادل کی کڑک بجلی کی چمک آسمان کی گڑگڑاہٹ زمین کی دھمک سے بچوں کا سہم سہم کر ماؤں کی گودوں سے لپٹ لپٹ پڑنا پرندوں کا پتوں میں دبک دبک جانا موروں کا جھنگارنا قمریوں کا حق سرہ گانا پپیہا کا پیہو پیہو الاپنا واہ رے میرے ساون خدا نے تجھے فطرتی دلچسپیوں سے بھرپور اور قدرتی صنعتوں کی پھوار سے نورٌ علیٰ نور بنایا ہے۔ میں تیری بیشمار خوبیوں میں کس کس کو اور کب تک اور کہاں تک گنواؤں گی۔ میں تو تیری نزاکتوں اور رنگ برنگ کی رنگینیوں کو جانتی ہی نہیں ہوں۔ خدا جانے ہمارے اُدو قابل بھائی بہنوں نے تیرے کیسے کیسے گیت گائے ہونگے۔ کیا کیا نثریں لکھی ہونگی تیری

کیسی کیسی نازک نازک تصویریں اپنے باریک ذہن کے نازک خیالوں سے کھینچی ہونگی۔ ہائے کاش مخزن و عصمت اُن ادبی پیاری پیاری زندہ تصویروں کا مرقع سجاویں اور کچھ نہیں اگر اس موسم کی دو چار پھڑکتی ہوئی ادبی تصویریں مخزن و عصمت میں شائع ہو جائیں تو سمجھو کہ میں نے صلہ پایا۔ اتفاق سے مجھے ابھی ابھی ایک پرانی کتابی نظم ساون کے متعلق یاد آگئی ہے وُہ ننھی سی تصویر ہے۔ حصہ نظم میں کھڑی مسکرا رہی ہے۔ آپ بھی دیکھئے :-

ساون

آؤ مل جل کے سکھی آج منائیں ساون — آجکل باغ پر عالم ہے گھٹا پر جوبن
ہائے کیا باغ ہے کیا ابر ہے کیا سبزہ ہے — بوندیاں پڑتی ہیں چلتی ہیں ہوائیں سن سن
پانی پتوں سے ٹپکتا ہے شرابور ہیں پیڑ — دھلی دھلائی روشیں صاف ہیں جیسے چندن
باغ میں آکے یہاں تک تو جھکی ہے بدلی — سب لٹیں بھیگیں جو مالن نے جھکالی گردن
بادل امڈے چلے آتے ہیں جدھر کو دیکھو — بجلیاں کوندتی ہیں شور ہے اُتر و دکھن
یوں گھٹا چھائی ہے یوں کوند رہی ہے بجلی — جیسے نیلم کے نگینے پہ جڑا ہو کندن
اس قدر زور سے چلتی ہیں ہوا کی جھونکے — پیڑ اس طرح جھکے جاتے ہیں جس طرح دلہن
مینہ برسنے کی ہے آواز ہوا کا غل ہے — شور سے سر پہ اُٹھاتے ہیں چمن مرغ چمن
اسقدر چار طرف ابر ہے ماشاء اللہ — چشم بد دور نہیں دیکھا ہے ایسا ساون

سیدہ (پٹنہ)

قسمت کا نوشتہ

یہ مختصر سی طبعزاد کہانی برج کماری صاحبہ نے جو دیوان نرندر ناتھ صاحب بہادر ایم۔ اے ڈپٹی کمشنر ضلع گجرات پنجاب کی دختر نیک اختر ہیں عصمت کو عنایت کی ہے۔ اس سے یہ عبرت ناک سبق حاصل ہوتا ہے کہ عقل انسانی اپنی دور اندیشیوں کے باوجود زمانہ آئندہ کی بابت حکم لگانے میں قاصر ہے اور اس کا صحیح علم ہی ذات مطلق کو ہے جس کے ہاتھ ہر حال و استقبال کی باگ ہے۔ دو بہنیں ایک وقت میں بیاہی جاتی ہیں۔ بڑی بظاہر زیادہ خوش قسمت معلوم ہوتی ہے اور چھوٹی بدنصیب۔ لیکن انجام چھوٹی کا اچھا ہوتا ہے اور بڑی کی عمر کا آخری حصہ غم و الم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کہانی سے۔ اور سبق سے جو حاصل ہوتا ہے قطع نظر کر کے بھی یہ مضمون ایسا ہے جس کے لئے برج کماری صاحبہ مستحق مبارکباد ہیں۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیالات کے اظہار پر انہیں کیسا اچھا ملکہ حاصل ہے۔ انہوں نے سرد ملک کے سرما۔ اور راجپوتانہ کے گرما کی تصویر کس عمدگی سے کھینچی ہے:-

ہم نے افلاک کو سو رنگ بدلتے دیکھا لیک قسمت کے نوشتہ کو نہ ٹلتے دیکھا

ایک شام کو چاروں طرف برف پڑی ہوئی تھی۔ راستہ مکان سڑکیں درخت گھاس میدان سب برف کی سفید چادر میں ڈھکے تھے۔ اونچے اونچے سایہ دار درخت جو اپنے چکنے چکنے سبز پتوں میں ہمیشہ چھوٹی نازک خوبصورت چڑیوں کو پانی دھوپ اور ہوا سے بچایا کرتے تھے۔ اسوقت خود رنگ بدل کر انکے لئے ایک سفید

قبر بنگئے ہیں۔ سارے شہر پر ایک سناٹے کا عالم طاری ہے۔ کئی کئی دن سے لوگوں نے اپنے کام بند کر رکھے ہیں۔ پہاڑوں وادیوں جنگلوں چراگاہوں بازاروں میں جس طرف نظر اُٹھاؤ ایک ہُو کا عالم ہے۔ عالم سکوت میں خلل انداز ہونے والے انسان نہیں بلکہ کچھ چرند پرند ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً خوراک کی تلاش میں اِدھر اُدھر اُڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اِسی حالت میں ڈل کے کنارہ ایک عالیشان مکان کی چمنی سے دُھواں نکلتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس بڑے میدان میں یہ ایک ہی مکان ہے جو مالکِ زمین نے اپنے رہنے کے واسطے بنایا ہے۔ ظاہری صُورت سے تو سہ منزلہ خوش وضع عالیشان مکان کسی امیر کبیر کا معلوم ہوتا ہے۔ چاروں طرف سے بڑے بڑے سایہ دار پُرانے درختوں خُوبصورت قیمتی دمکتے پھُولوں سے گھرا ہُوا ہے۔ جو اس وقت برف کی وردی پہنے اس طرح مؤدب کھڑے ہیں۔ جیسے کسی بڑے حاکم کی کچہری میں کوئی مجرم کھڑا ہو۔ بالکل بے حس و حرکت ایک پتّا ایک پنکھڑی تک تو ہلتی نہیں۔ دراصل یہ مکان ریاستِ کشمیر کے ایک بڑے افسر کا ہے۔ اس کمرہ میں جسکی چمنی سے دُھواں نکلتا ہوا دِکھائی دے رہا ہے۔ چار آدمی انگیٹھی کے پاس بیٹھے ہُوئے چمکدار آگ کی خوشگوار گرمی سے مسرور ہو رہے ہیں۔ ایک مرد جو شکل سے ۵۰ سال کا معلوم ہوتا ہے اور جو اس چھوٹے سے خاندان کا سرگروہ ہے۔ انگیٹھی کے بہت ہی قریب بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا ہے۔ ایک عورت جس کی عمر ۴۵ برس سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی۔ ذرا الگ خالی ہاتھ بیٹھی ہُوئی کچھ سوچ رہی ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ کی طرف دو خوش شکل خوش وضع لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں کچھ باتیں

رہی تھیں - ایسی بے تحاشا بکے جاتی ہیں کہ ایک لمحہ بھر کے واسطے تو انکی زبان بند ہوتی نہیں - اِن میں سے بڑی لڑکی جس کا نام سیتاوتی ہے اس کی نسبت ایک بڑے رئیس خاندان کے لڑکے سے ٹھہر چکی ہے جسکی عمر اس وقت ۲۷ برس کی ہے - اچھا فہمیدہ پڑھا لکھا نیک چلن لڑکا ہے - مہاراجہ جودھ پور کی ریاست میں پانسو روپیہ ماہوار کا ملازم ہے - ماں باپ بھی اچھے خاصے امیر ہیں - ۵ لاکھ کئی ایک بینکوں میں جمع ہیں چھوٹی صاحبزادی کی نسبت کی ابھی ماں باپ کو تلاش ہی ہے - کوئی گھر اپنی حیثیت کے مطابق اور بر اپنی بیٹی کے قابل نظر نہیں آتا - رُقعے اور پیغام تو بہت جگہ سے پہنچ چکے ہیں - مگر دل کے ساتھ ہی نہیں جمتا کوئی بر پسند آتا ہے تو گھر قابلِ اطمینان نہیں ملتا - کسی کا گھر اچھا نکلتا ہے تو بر قابل پسند نہیں ہوتا - ان سب میں سے اگر کوئی کچھ تھوڑا سا طبیعت کو بھاتا ہے تو وُہ اجمیر کا ایک معمولی سا خاندان ہے - جس کی آمدنی پانسو روپیہ مہینہ سے کسی طرح زیادہ نہیں - اندوختہ بھی ویسی ہی سا ہے - صاحبزادے ہنوز طفلِ مکتب ہیں - والدین کا دل کسی پہلو سے اس انتخاب پر پورا نہیں جمتا - بار - بار خیال آتا ہے کہ معلوم نہیں لڑکی وہاں خوش رہیگی یا نہیں اس کو وُہ غریبانہ بود و باش جس کی وُہ ایک دن بھی عادی نہیں کس طرح پسند آئیگی - لڑکے صاحب ابھی طالب علم ہی ہیں - معلوم نہیں کب تک تحصیل علم سے فارغ ہوں جو کچھ ہو شروع شروع میں لڑکی کو ضرور ہی تکلیف اُٹھانی پڑے گی اور پھر آئندہ زندگی کا بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ۵

سالہا باید کہ تا یک طفل از فضل و علم فاضلے گردد نہیں۔ یا شاعری خوش سخن دوسرے پہلو پر غور کرتے تو یہ خیال آتا کہ یہ خیال کرنا کہ موجودہ حالت تا زندگی اس کے ساتھ رہیگی۔ بعید از عقل ہو۔ قسمت ہر وقت ساتھ ہو اور خدائے عزّوجل ہر جگہ حاضر و ناظر و ناصر۔ ممکن ہو یہی لڑکی کہ جسکی موجودہ حالت کو خیال میں لاکر ہم آئندہ کوئی قابلِ اطمینان حالت تصور نہیں کرسکتے کسی وقت اپنی قسمت سے خوشحال نظر آئے۔ زمانہ مستقبل کا مُنہ ہم نے نہیں دیکھا اور نہ ہمیں غیب دانی میں دخل ہو اور نہ دولت و کامرانی کسی خاص قابلیت پر منحصر ہے۔ مثنوی

بخت و دولت بکاردانی نیست جز بتائید آسمانی نیست
او فتادست درجہاں بسیار بے تمیز ارجمند و عاقل خوار
کیمیاگر بغصّہ مردہ و رنج ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

ہم نے بہت سے باثروت لوگوں کی تقدیر کو اس طرح بدلتے ہوئے دیکھا ہو کہ گداگری کی نوبت پہنچی اور ہزاروں فقیر ایک اُسکے اشارہ سے تونگر ہوتے دیکھے۔ خدائے پاک کی نظرِ عنایت درکار ہے۔ ظاہری حالات کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اسکی تقدیر کا جو کچھ ہو اُسے حاصل ہوہی رہیگا۔ پس زیادہ پس و پیش کی کیا ضرورت ہو جو کچھ خدا دے اُس پر قانع ہونا چاہیئے۔ اور دانش بھی اسی کو کہتے ہیں کہ جو خدا کرے اُس میں اپنی بہتری سمجھیں۔ آخرکار یہی فیصلہ ہوا کہ اسی لڑکے سے نسبت قرارپانی واجب ہوا اور دلِ پختہ کرکے اپنی رضامندی لڑکے والوں پر

ظاہر کردی۔ نسبت کے قرار پاتے ہی لڑکیوں کے جہیز کی تیاری شروع ہوئی اور تجویز کیا گیا کہ سال آیندہ کے موسم بہار میں لڑکیوں کی شادی کی جاوے۔ ایک سال ایک گھڑی کی طرح ہنسی خوشی گذر گیا۔ اِس برس بھر میں انکے لئے بہت سی قسم کے زیور تیار ہوئے جڑاؤ کنٹھے موتیوں کے قیمتی ہار۔ چوڑیاں وغیرہ کپڑا بھی اچھے سے اچھا۔ کارچوب زربفت کمخواب کس کس چیز کا نام لوں۔ ہر قسم کا موجود تھا۔ موسم بہار کے شروع ہوتے ہی اودے سنگھ یعنی لڑکیوں کے باپ کے ہاں بیاہ کی تیاری دھوم دھام سے شروع ہوئی۔ مکان کے چاروں طرف عیش و خوشی کے سامان نظر آنے لگے۔ ایک سرسری نظر سے بھی یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ اس جگہ کی ہر ایک چیز ایک باشوکت تقریب سی کی منتظر ہے۔ مکان جھاڑوں فانوسوں بڑی بڑی تصویروں اور پتھر اور پیتل کی بڑی بڑی مورتوں وغیرہ سے آراستہ ہو کر خاصا دلہن سا بنگیا ہے۔ لڑکیوں کے دلوں کی کچھ عجب کیفیت ہے۔ کبھی میکے سے جُدا ہونے کے خیال سے افسردہ ہو کر روتیں تو کبھی بچہ ہی تو تھیں اپنی نئی طرز زندگی سے خوش بھی ہو جاتیں۔ ۲۵ ماہ جون کی شب کو اس پر فضا مکان کی کچھ عجب شان تھی۔ درختوں کی شاخوں میں چھوٹی چھوٹی خوشنما قندیلیں جگنوؤں کی طرح چمک رہی ہیں۔ جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو دلہن بنا ہوا۔ جس چیز کو دیکھو آراستہ پیراستہ۔ خوشبودار پھولوں کی مہک سے سارا گھر معطر ہے۔ ہر طرف سبزہ و ہر سمت گلزار ہے۔ موسم بھی کچھ ایسا خوشگوار ہے۔

گویا قدرت نے اُنکی زندہ دلی پر رشک کھا کر خود بھی خوشنمائی کا جامہ زیب تن کیا ہے۔ رات تاروں بھری ماہتاب پورا نکلا ہوا اُس پر ہوا آہستہ آہستہ سبز اور سُرخ پھولوں کو ہلاتی جاتی تھی۔ گویا اُنکو آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ سے تھپک رہی ہے۔ اِس دل آویز نظارہ کے حُسن کو ڈل کے صاف و شفاف پانی نے اور بھی دوبالا کر دیا تھا۔ اِس قصرِ دلکشا کا عکس اس کے پاکیزہ پانی پر پڑ رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وُہ بھی اِس شان و شوکت کا مقابلہ کرنے کو آمادہ ہے۔ ایک بڑے کمرہ کے اندر مسند پر تکیہ سے لگے ہوئے دونو شہ سبزگوں اور سُرگیں بیٹھے ہیں۔ سروں پر معطر پھولوں کے سہرے بندھے ہیں۔ تمام کمرہ مہمانوں سے پُر ہے۔ رنگا رنگ کے لوگ اِدھر سے اُدھر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں مراسم شادی ادا ہوئیں اور لوگوں نے چند گھنٹہ کے واسطے آرام کیا۔ اتنے میں پَو پھٹنے لگی۔ دُور پہاڑوں کے پیچھے سے آفتاب نے اپنے پُرنور رُخ کا ایک تھوڑا سا حصہ دکھایا اور نقابِ ظلمت اس کے چہرہ سے اُترنی شروع ہوئی اندھیرا کم ہونے لگا اور سہ

اُلٹنا دیکھ کر گھونگھٹ عروسِ صبح خنداں کا ہُوا فق رنگ رُخ لیلائے شب کی زُلف پیچاں کا

کچھ اسکی پیاری صورت نے انہیں شرما دیا کہ تاروں نے فلک کی نیلگوں چادر منہ ڈھانکا

.... سب ذی رُوح بیدار ہوئے۔ گھر کی عورتوں نے لڑکیوں کو خوبصورت قیمتی زیورات اور عروسی پوشاکوں سے آراستہ کر کے دُلہن بنایا۔

..نوں بہنوں کی صورت سے اُداسی ٹپک رہی ہے کبھی کبھی چپکے چپکے جلدی سے آنسو بھی پونچھ لیتی ہیں اور دل ہی دل میں سوچ رہی ہیں کہ خدا معلوم یہ تبدیلی ہماری بھلائی کے واسطے ہوئی ہے یا بُرائی کے واسطے بڑی دُلہن صاحبہ کو تو کبھی کبھی اطمینان بھی ہو جاتا تھا مگر چھوٹی کے لئے تو اس وقت خوشی مفقود اور اطمینان معدوم تھا۔ اسی اثنا میں بہنیں دروازہ سے لگائی گئیں اور لڑکیاں میکے والوں سے جُدا ہونے لگیں۔ ماں اپنی پیاری بیٹیوں کو پیار کرکے رونے لگی اور اُس نے انکو بہت سی نصیحتیں کیں۔ چھوٹی بیٹی کی طرف سے ماں کو کامل اطمینان کسی صورت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اسی واسطے وُہ اُس کو خاص طور پر دُعائیں دیتی اور پیار کرتی تھی۔ ماں سے جب رخصت ہو چکی تو باپ نے دستِ شفقت سر پر پھیرا اور دُعا دی جیتی رہو عمر دراز ہو۔ خدا نیک ہدایت دے۔ سرسبز و آباد رہو۔ کشمیر جنت نظیر کی دلکشا پُرفضا خوبصورت وادی کو چھوڑ کر۔ جہاں کہ جابجا اُنکی آنکھیں پانی کے شفاف چشموں کو جو اُونچے اُونچے آسمان سے باتیں کرتے رنگارنگ کے پھولوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں سے ایسے زور سے نیچے آتے تھے گویا کوئی بڑی طاقت اُنکو دھکیل رہی ہے اور پاکیزہ پانی کی آہستہ آہستہ بہتی ہوئی ندیوں کو کہ صنعتِ الٰہی کی تعریف ہلکے ہلکے کرتی ہوئی ہری لمبی گھاس کے نیچے سے گذرتی ہوئی دیکھنے کی عادی تھیں اور جہاں کی خوشگوار ہوا ہر وقت پیارے پیارے خوش رنگ پھولوں پھلوں سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی معلوم ہوتی

تھی۔ بعض اوقات اُن سے ناراض ہو کر اُنکو اپنے جاہ و مرتبہ پر سے ہٹا کر زمین پر بھی لا گراتی تھی اور درختوں کی ہر ہر شاخ پر ہزاروں چھوٹی چھوٹی خوش الحان چڑیاں چہکتی ہوئی اپنی اپنی مختلف راگنیوں سے ہوا کو بذاتِ خود ایک مجسم راگ بنا دیا کرتی تھیں۔ ایسی جگہ کو چھوڑ کر وہ اپنی اپنی سسرال آ پہنچیں یہیں پہلی تبدیلی تھی جو اُنکی حالت میں واقع ہوئی۔ یک بیک اس قدر دلکش جگہ کو چھوڑ کر وہ ریگستان راجپوتانہ کی جلا دینے والی گرمی میں آپہنچیں ان سایہ دار اونچے چنار کے درختوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں سبزہ زاروں چمکتے ہوئے چشموں شفاف ندیوں کے بجائے اُنہوں نے سوائے آندھی خاک دُھول سورج کی جلاتی ہوئی کرنوں تپتے ہوئے کوئلہ سی سپاٹ زمین طمانچے مارتی ہوئی لو کے سوائے وہاں کچھ نہ دیکھا۔ جغرافیہ وغیرہ میں یہاں کے موسموں وغیرہ کا حال پڑھ تو چکی تھیں مگر پوری طرح اتنے بڑے فرق سے آشنا نہ تھیں۔ بڑی دُلہن کو تو سوائے آب و ہوا کے فرق کے کوئی فرق میکے اور سسرال میں معلوم نہیں ہوا اگر والد کا مکان سہ منزلہ تھا تو خسر صاحب کا بھی دو منزلہ ضرور تھا۔ انکے باغ میں چنار اور بلوط کے درخت تھے تو یہاں بھی نیم کے سایہ دار چھتر موجود تھے۔ وہاں ناشپاتی سیب انگور انار وغیرہ کثرت سے تھے تو یہاں بھی آم ناریل اور اور انواع و اقسام کے میوجات کی کمی نہ تھی وہاں یہ ماں باپ کی لاڈلی تھیں۔ تو یہاں بھی ساس سسرے کی چہیتی۔ خاص ان کا کمرہ بھی قسم قسم کی خوشنما تصویروں جھاڑ فانوسوں وغیرہ سے

آراستہ تھا عیش و آرام خوشی اور مسرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگیں مگر چھوٹی لڑکی بیچاری کو تو میکے اور سسرال میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوا نہ وہ باغ تھا نہ وہ سہ منزلہ مکان نہ وہ پُر تکلف فرش تھا نہ وہ بیش بہا سامان نہ وہ پہاڑ تھے نہ وادیاں نہ وہ پھول تھے نہ پھل نہ وہ دل کا پُر فضا کنارہ تھا نہ ہوا میں جھومتے ہوئے بادل نہ وہ دل خوش کن گلزار تھا نہ چمن ہر ایک چیز گویا ایک جادو کے زور سے اس سے چھین لی گئی تھی۔ خوشدامن اور خسر بیچارے ہر چند خوش کرنے کی کوشش کرتے حتی المقدور اس کی خاطر کرتے ہر سامان عیش و راحت کا جو امکان میں تھا اس کے لئے مہیا کرتے ہر وقت مہربانی اور خلق سے پیش آتے یہ بھی ہر وقت انکی خاطر سے اپنے تئیں خوش ظاہر کرتی مگر اس کا دل کسی طرح نہ بہلتا تھا ہر چند وہ اپنے آپ کو سسرال کی ہر چیز سے مانوس کرنا چاہتی مگر ناکام رہتی۔ بار بار خیال کرتی کہ خدا معلوم کس بڑے گناہ کی میں مرتکب ہوئی ہوں کہ یہ اتنی بڑی تبدیلی میری حالت میں واقع ہوئی وہ اس نئی طرز زندگی سے کچھ ایسی سہم سی گئی تھی کہ ہر وقت خوف اسکے دل میں رہتا وہ لڑکی جسکے دلمیں آٹھ پہر میں ایک دفعہ بھی خدا کا خیال نہ آیا تھا اب ہر وقت اسی کی طرف دھیان لگائے رہتی۔ والدین کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ بھی ہمیشہ اس کے خیال سے رنجیدہ ہو جاتے اور اکثر پروردگار سے دعا کرتے کہ تو کسی طرح اس کے دن پھیر دے۔ اسی طرح تین چار سال گذر گئے۔ اگرچہ یہ لڑکی اپنے آپ کو قانع اور آسودہ

تو ظاہر کرتی مگر اصل میں ہر وقت بے چین رہتی اور اس کا دل ہر لحظہ بارگاہِ الٰہی کے آگے دستِ بدعا رہتا کہ یا خدا میری حالت بہتر کر دے اور میری زندگی پھر اسی عیش و آرام سے بسر ہو کہ جس کی میں عادی تھی۔ آخر اللہ میاں نے اُس کی دعا قبول کی۔ اس کا خاوند تحصیلِ علم سے فارغ ہوا یہ آدمی اگرچہ کچھ بہت تیز و ذکی تو نہ تھا مگر پھر بھی خاصا خوش عقل تھا نوکری کی طرف طبیعت بہت ہی کم رجوع تھی زیادہ تر میلان تجارت کی طرف تھا چنانچہ اپنی تھوڑی سی پونجی سے اُس نے ایک چھوٹی سی دوکان ولایتی کپڑے کی کھولی جس سے آمدنی شروع شروع میں کچھ بہت نہ تھی مگر رفتہ رفتہ اس کی تجارت ترقی کرتی گئی۔ اور کچھ عرصہ بعد اسکی دوکان ہندوستان کی مشہور دوکانوں میں سے ایک ہو گئی اور رفتہ رفتہ یہ ایک نامور تاجر بن گیا اور اب اس لڑکی کے ایامِ حسرت تمام ہوئے اور تمام زندگی خوشی اور چین سے گذاری۔ اب بڑی بہن کا حال سنیئے ایک مرتبہ ۱۸۹۲ء یعنی سیتاوتی کی شادی کے سات سال بعد اس بستی میں ہیضہ کی ایسی سخت بلا آئی کہ ایک ایک کوچہ سے تیس تیس چالیس چالیس آدمی روزانہ نکلنے لگے۔ صرف ایک بازار یعنی بازارِ موت تو گرم تھا باقی جس طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھو سناٹا اور ویرانی جس پہلو پر نظر کرو وحشت و پریشانی جن بازاروں میں کہ آدھی آدھی رات تک کھوے سے کھوا چھلتا تھا اب وہاں دن میں چلتے پھرتے ڈر معلوم ہونے لگا دنیا کے کاروبار سب بند تھے۔ آنا جانا میل ملاقات بازدید دعوت و ضیافت

چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ غرض یہ کہ اتنے بڑے غدار شہر میں صرف چند خدا ترس بندوں کے سوائے کوئی نہ تھا اس عام مصیبت کے زمانہ میں اُن کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہیں بچا۔ مان سنگھ یعنی لڑکی کے سسرے نے بہت سی دوائیں اس بلا سے ناگہانی سے بچنے کے واسطے مہیا کر رکھی تھیں۔ مگر بقول ع چوں اجل آید طبیب ابلہ شود۔ اسکی قسمت میں بچنا نہیں تھا نہ بچا۔ شام کے وقت باغ میں پھرتے پھرتے جب آفتاب غروب ہو رہا تھا کچھ کچھ اندھیرا بھی ہو چلا تھا انکو بڑے زور سے استفراغ ہوا لوگ مردانہ سے انکو اس حالت میں بیٹھا ہوا دیکھ سب دوڑے آئے کسی نے پنکھا جھلنا شروع کیا کسی نے کوئی یونانی دوا پیش کی کسی نے کوئی عرق پلا دیا۔ القصہ جلدی سے انکا ایک صاحبزادہ ڈاکٹر کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ جلدی چلیئے ایک لمحہ بھر بھی دیر نہ ہو والد کی حالت بہت نازک ہو۔ ڈاکٹر نے مریض کی حالت سُن کر اس کے جاں بر ہونے سے کامل ناامیدی ظاہر کی۔ ہر لحظہ اُنکی حالت بگڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُنکو خود بھی اپنے جاں بحق ہونے کا یقین پختہ ہو گیا اور اُنہوں نے اپنے پانچوں بیٹوں کو بلا کر وصیت کی اور ایک ایک لاکھ روپیہ ان سب کے نام کر دیا اس کی تھوڑی سی دیر بعد نزع کی حالت ان پر طاری ہو گئی لوگوں نے اُٹھا کر زمین پر ڈالا اور رُوح پاک جسم خاکی سے پرواز کر گئی اس ناگہانی مَوت سے گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا چیخ پکار غل غپاڑا کان پڑی آواز نہ سُنائی دیتی تھی۔ ادھر بہوئیں سر پیٹ رہی ہیں تو اُدھر بیٹے

زور زور سے رو رہے ہیں کہیں بیٹوں کو والد کی یاد آ آ کے آنسو بہلاتی ہے تو کہیں ستم رسیدہ دل افگار بیوہ اپنی قسمت کے اُجڑ جانے پر ماتم کرتی ہے۔ غرض یہ کہ بہت دیر میں کوئی پانچ چھ گھنٹے بعد مرحوم کا جنازہ اُٹھ گیا اور کہیں شام تک مراسم کی ادائگی سے فراغت ہوئی۔ قصّہ کوتاہ مدّتے خود انکے مضطرب عزیزوں کو صبر بخشا اور معمولی کاروبارِ دنیا میں مصروف ہو گئے ایک روز راج سنگھ نے بھائیوں سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس بینک سے کہ جس میں والد مرحوم روپیہ چھوڑ گئے اپنے نام کا ایک لاکھ نکلوالوں اور ایک دُوسرے اجمیر کے بینک میں رکھوالوں کہ وہاں سے سود زیادہ ملتا ہے۔ بھائیوں نے جواب دیا کہ وہ بینک جہاں سے سود کم ملتا ہے اکثر زیادہ محفوظ ہوتے ہیں اور زیادہ سود دینے والوں کا دوالا اکثر جلدی نکلتے دیکھا ہے۔ راج سنگھ نے کہا کہ میں تو ایسا دُور اندیش نہیں کہ اچھے خاصے چلتے چلاتے بینک کی نسبت فرض کرلوں کہ بہت جلد اس کا دوالہ نکل جائیگا۔ میں تو ضرور اپنا روپیہ اس میں رکھوں گا جب اُنہوں نے اس کو اتنا اصرار کرتے دیکھا چُپکے ہو رہے۔ چنانچہ دو ہی تین روز بعد اس نے اپنا روپیہ اس ہی سے نکلوا کر دُوسرے میں رکھوا دیا روپیہ کو اس نئے بینک میں رکھے ہوئے بھی تین سال گذر گئے آخر انکو سیر و سیاحت کا خیال آیا۔ امیر سیٹھ کے بچے تو تھے ہی۔ شاہانہ مزاج رکھتے تھے ۵۰ ہزار روپیہ فوراً بینک میں سے نکلوا مہاراجہ صاحب سے ایک برس کی چھُٹی کی درخواست کی۔ اس عرضی کی منظوری چوتھے دن ہی اُن کے

سا پہنچ گئی اور انہوں نے فوراً ایک مشہور و معروف کمپنی کو چٹھی لکھ اپنے
ہندستان جانے کے واسطے اول درجہ کا ٹکٹ لے لیا۔ چھ سات دن
بمبئی پہنچے۔ شام کے وقت جہاز کو بندرگاہ بمبئی سے روانہ ہونا تھا علاوہ
سنکڑوں انگریزوں کے بہت سے ہندوستانی بھی موجود تھے۔ جو ہندوستان
کے مختلف حصوں سے مختلف کاموں پر جا رہے تھے تھوڑی سی دیر میں
جہاز کی گھنٹی بجی۔ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور جہاز روانہ ہوا۔ اس درجہ
میں کہ جہاں راج سنگھ جا کر بیٹھا تھا آرام و آرائش کے سب سامان موجود تھے
کرسیاں گدیاں فرش فروش سب حاضر تھا سمندر بالکل ساکن تھا جس طرف نگاہ
اٹھا کر دیکھتے سوائے نیلگوں سمندر کے کچھ نظر نہ آتا۔ لہریں کبھی کبھی اس کے
نیلگوں دامن میں موجیں مارتی نظر آتیں مگر نہ اسقدر کہ خطرناک ہوں دُور
دُور تک بلکہ جہاں تک نظر کام کرتی کوئی ذی روح نظر نہ آتا۔ صرف کبھی کبھی کوئی
مچھلی پانی سے منہ نکال کر سانس لیتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ چار دن تک
کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہوئی مگر پانچویں دن جب کہ راج سنگھ اپنے
ان چند شخصوں سے شطرنج کھیل رہا تھا جو رستہ میں اس کے دوست بنگئے
تھے یہ شور سنا کہ جہاز کے پیندے میں ایک سوراخ ہوگیا ہے اور پانی اس کے
اندر جلدی جلدی گھسا آتا ہے اور اس کے ڈوب جانے کا بڑا خطرہ ہے۔
ہر چند اس پانی کے خارج کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر وہ تو کچھ ایسا بلا کا پانی
تھا کہ گھسا ہی آتا تھا آخر جہاز کا نچلا حصہ پانی سے بالکل ڈھک گیا اور لوگوں
نے اپنی اپنی جانیں لے کر چھوٹی کشتیوں پر جانا شروع کیا۔ جہاز ہر دم نیچا ...

جاتا تھا اور لوگ بالکل وحشت زدہ ہو گئے تھے۔ اسی گھبراہٹ کی حالت میں راج سنگھ بھی اپنی جان بچانے کو آیا۔ مگر رستے کو پکڑا ہی تھا کہ وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ پانی میں جا پڑا۔ چند آدمیوں نے اس کو گرتا دیکھ کر بچانا چاہا بہت سے لوگ مدد کے واسطے چلائے۔ مگر اس وقت تو لوگوں کو اپنی ہی جانوں کے لالے پڑے تھے اس کی کس کو پروا تھی۔ تھوڑی سی کوشش کرنے کے بعد چپکے ہو کر بیٹھ رہے اور سمجھے کہ فرض انسانیت ادا کر چکے۔ راج سنگھ بیچارے کی حالت اسوقت نا قابل بیان تھی وہ ابھی تک کامل ہوش میں تھا ہر چند ہاتھ پاؤں مارتا کہ کوئی چیز ہاتھ میں آجاوے کہ جس کے ذریعہ سے وہ کشتی تک پہنچ سکے کبھی دعا کرتا کہ یارب اب کی دفعہ سلامتی سے مجھے واپس کردے مگر بھلا کب تک ان امواج جانستاں کا مقابلہ کرتا۔ ایک چشم زدن میں دریا کی لہریں اس کو نیچے لے گئیں اور اس نے نہایت یاس اور حسرت کے ساتھ جان دی بہت جلد راج سنگھ کے اس طرح ڈوب کر مر جانے کا حال اس کے گھر تک پہنچ گیا جس کے سنتے ہی تمام گھر پر غم والم کی بدلی چھا گئی۔ ماں تو بیچاری پہلے ہی دکھیاری تھی اس خبر کے سنتے ہی غش کھا کر گر پڑی تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئی تو دماغ صحیح نہ رہا تھا جو اس صدمہ بھی متحمل ہو چلے تھے۔ شرم سنگھ راج سنگھ کہ کے کئی بار پکارا آ۔ اے را۔ ما۔ ابھی الفاظ پوری طرح منہ سے نکلنے نہ پائے تھے کہ ایک ہلکی ہچکی کے ساتھ طائر روح جسم خاکی کو چھوڑ عالم جاودانی کو پرواز کر گیا۔ یہ تو والدہ کا حال تھا۔ اب سیتا دئی کا سنئے اس کی حالت

بھی ناگفتہ بہ تھی وُہ الگ چیخیں مار مار کر رو رہی تھی اور کہتی تھی میرے مالک - میرے مالک - میرے مالک تم ایک دفعہ خود مجھے کسی کے سپرد کر جاتے مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ تمہارا سفر سفر آخرت ہی - آہ ! کیا میں پھر کبھی تمہاری صُورت نہیں دیکھونگی - ہائے ! ہم سب سے اس قدر بیزار کیوں ہو گئے کہ ایک لمحہ بھی ہمارے پاس گذارا نہیں چاہتے - میرا قصور معاف کرو اور ایک دفعہ صرف ایک دفعہ میں زیادہ نہیں کہتی مجھے اپنی صُورت دکھاؤ - اَے خدا تو مجھے بھی اُٹھالے کہ یہ لمبے کے جینے مجھ سے چپائے نہیں جاتے - یہ بجلی میرے مزرعہ قرار کو جلائے ڈالتی ہی - اَے موت ! اگر تجھے کسی دِن آنا ہو تو آج ہی کیوں نہیں کر یہ کام تمام کرتی - اسی طرح کئی دِن گذر گئے پھر اس کے ماں باپ نے اسکو اپنے گھر بلا لیا اور یہ اُنکے پاس چلی گئی - والدین کی بیقراری یاس و حسرت کا کیا بیان ہو - وُہ جسکو وُہ ہمیشہ کامل خوش شاد اور آباد دیکھ کر ہمیشہ خوش ہوا کرتے تھے اور جس کی بابت وُہ یہ خیال کیا کرتے کہ دُنیا کی ہر ایک نعمت سے مالا مال ہو مال و دولت جاہ و مرتبہ خوشی و راحت جو چاہئے سب میسر ہے - اس وقت دُنیا کی ہر ایک نعمت سے محروم ہو کر ایک دُکھیاری بے کس ستم رسیدہ کی شکل میں اُنکے سامنے کھڑی تھی - خاوند کے بعد یہ ایک دن خوشی کا نہ گذار سکی - رنگین کپڑے پہننے زیور پہننا سب کچھ چھوڑ دیا ہر وقت روتی رہتی والدین ہر چند چاک جگر کے پیوند کی کوشش کرتے مگر وُہ پیوند کے قابل نہیں رہا تھا -

میکے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد اسکو یہ خبر ملی کہ وُہ روپیہ جو اس کے خاوند نے اجمیر کے بینک میں رکھوا دیا تھا۔ ڈوب گیا۔ کسی اور وقت اگر وُہ یہ خبر سنتی تو نہیں معلوم اُس کو کتنا صدمہ ہوتا مگر اب تو دُنیا کی ہر چیز اسے ہیچ نظر آتی تھی اور اسی واسطے روپیہ کی تباہی اب اس کے لئے ایسا صدمہ نہ تھا جو اُٹھائے نہ اُٹھے۔ ایک آہ سرد بھر کر چُپ ہو رہی اور صرف یہ کہا کہ جب وُہ نہیں رہے جن کے ساتھ میرے سے لئے دُنیا آباد تھی۔ تو دولتِ دُنیا کیا چیز ہے جس کا غم کروں"۔

برج کماری (از گجرات)

سیر یورپ

(از ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ جزیرہ جنجان)

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

پنجشنبہ ۲۰۔ اپریل ۱۹۰۸ء کل کا دن نہایت گرم تھا۔ شام کو ذرا ٹھنڈی ہوا چلی۔ گرمی میں سب مسافر گھبرائے پھرتے تھے اور یہ ایک کی ہی کوشش تھی کہ جہاز کا کوئی ٹھنڈا سا گوشہ ڈھونڈیں۔ غروب آفتاب نہایت خوبصورت تھا۔ آج پھر اچھا دن ہے۔ مسٹر دت سے اور عطیہ سے آج یورپ کے مشاہدات پر گفتگو رہی۔ مسٹر دت نے اس کے مشاہدات کی بیستی۔ اسکی وسعت معلومات اور انگریزی زبان کی مہارت کی بہت تعریف کی۔

رات کو کھانے کے بعد اُس روسی بی بی سے جس کے خوش وضع اور خوبصورت ہونے کا ذکر پہلے کر چکی ہوں۔ بہت سی باتیں ہوئیں یہ بی بی۔ ایک معمّا ہے۔ تمام دُنیا کا سفر کر چکی ہے۔ لباس نہایت شاندار پہنتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خُدا نے دولت بخشی ہے۔ بس ایک عُقدہ نہیں کُھلتا۔ کہ اس کا شوہر ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں ہے؟ کیونکہ اپنے خاوند کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہتی۔

جب ہم کھانے پر تھے جہاز نے عدن پر لنگر ڈالا۔ ہم سب اُوپر دوڑے گئے۔ مگر کالے پہاڑ اور چراغوں کے سوا اَور تو کچھ نظر نہ آیا۔

اگر دن کو جہاز یہاں ٹھہرتا تو ہم ضرور کنارے پر اُترتے۔ اسوقت ہمیں جی جی بائی بھی مل گئیں۔ کئی دن سے غائب تھیں۔ سبب یہ معلوم ہوا کہ اُن کے خاوند کی طبیعت اچھی نہ تھی۔ روانہ ہونے سے پیشتر اُن پر اپریشن (عمل جرّاحی) ہوا تھا جس میں اب درد ہو رہا ہے۔ اسوقت ذرا آرام تھا تو اُوپر آئیں۔ اُن سے خوب باتیں ہوئیں۔ بال بچے ساتھ لیکر جا رہی ہیں۔ سب تین سال انگلستان میں رہنے کے ارادہ سے جا رہے ہیں۔ اکسفورڈ کے قریب ٹھہرینگے۔ خاوند بیرسٹری کا امتحان دینگے اور یہ خود بھی کچھ پڑھینگی۔ علی باغ کی گدی "خالصہ" ہوگئی۔ ان کے والد کا حق تھا۔ سرکار نے انکو سالانہ ۱۰ ہزار روپیہ کی آمدنی کی جاگیر دی ہے اور تیس ہزار کا زیور اور چاندی کا اسباب۔

یکم مئی۔ جمعہ۔ دریائے احمر۔ صبح میں کپڑے پہن کر ہمیشہ سالون میں آبیٹھتی ہوں۔ اس وقت یہاں کوئی نہیں ہوتا۔ اپنا چھوٹا سیپارہ پڑھتی ہوں۔ یا گھر کے خط لکھتی ہوں۔ صبح چھ بجے بھائی نے آکر کہا۔ جلد دیکھو باب المندب میں سے گذر رہے ہیں۔ اتنے دن بعد زمین کتنی اچھی معلوم ہوئی۔ زمین کم و بیش دن بھر نظر آتی رہی۔ عجیب عجیب وضع کے پتھروں کے ٹکڑے خوبصورت صندلی ریت پر بکھرے ہوئے بہت خوشنما تھے۔

جہاز پر بعض دفعہ عجیب شرطیں لگتی ہیں۔ آج مسافروں سے ایک ایک شلنگ لیا گیا اور ٹکٹ انہیں دئے گئے۔ شرط اس بات پر تھی کہ رات بھر میں جہاز کتنا چلا۔ جس کا نمبر سب سے قریب آتا ہو اُسے

سب سے بڑا انعام دیا جاتا ہے۔ مہاراجہ کوچ بہار کے لڑکے نے جس کا نام جیت ہے۔ کئی پونڈ کے ٹکٹ خریدے۔ سب سے بڑا انعام جو پچیس پونڈ کا تھا۔ اسی کو ملا۔ دو انعام اور تھے وُہ دوسرے شخصوں کو ملے۔

مس چکراورتی ایک بنگالی بی بی لکھنؤ کی رہنے والی ہیں۔ سخت سودیشی خیال کی ہیں۔ دوپہر کو اُن سے خوب بحث رہی۔

ایک بجے لنچ کھانے کا بعد ذرا اِدھر اُدھر ٹہل کر ہم اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں۔ پردہ گرا دیتے ہیں اور بجلی کا پنکھا چلتا ہے۔ پھر ساڑھے چار بجے باہر نکلتے ہیں۔ یہ وقت غنیمت ہوتا ہے۔ دو تین گھنٹے کے لئے عام جھگڑے سے نجات ملتی ہے۔ مَیں اس جھگسٹے سے بالکل بیزار ہوگئی ہُوں۔ تمام وقت کپڑے پہنے او چُست وچالاک رہنا فرض ہے۔ مگر تا کے۔ فطرتِ انسانی کبھی تو آرام بھی چاہتی ہے۔

رات کو جہاز پر بال ہوا۔ تمام کُرسیاں اُٹھوا دی گئیں۔ پیانو تو عرشے پر ہی موجود تھا۔ ایک وایولین بجانے والا بھی پیدا ہوگیا۔ تختوں پر ایک قسم کا پوڈر چھڑکا گیا تاکہ پیر اچھی طرح پھسلیں۔ چند جوڑے خُوب ناچے۔ حیرت کی بات ہے کہ جہاز اِتنا ہلتا تھا اور تختے پھسلنے تھے۔ ان لوگوں کے قدم کس طرح جم سکتے تھے۔ کوچ بہار والی پارٹی ناچنے میں انگریزوں سے سبقت لیگئی۔ مہاراجہ صاحب اپنی بڑی لڑکی کے ساتھ ناچتے تھے اور اُن کا بیٹا اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ۔ کسی غیر مرد کے ساتھ وُہ لڑکیاں نہیں ناچیں۔ مگر اس صفائی سے کہ گویا آنکھوں کے

سامنے تصویر پھرا کرتی ہے۔ ہر شخص اُن کے کمال پر دنگ تھا۔ گو ہندیوں کے لئے ناچنا مَیں معیوب سمجھتی ہوں۔ پھر بھی مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ ایسے فن میں بھی جو یورپ کے لوگوں کا مدت سے حصہ ہے۔ بعض ہندی اُن سے بڑھ سکتے ہیں۔

سر سٹینگ ایجرلی صاحب بھی اسی جہاز پر ولایت جا رہے ہیں۔ اُن سے آج ملاقات ہوئی۔ مَیں حضور کے ساتھ ٹہل رہی تھی اور وُہ بھی چکر لگا رہے تھے۔ حضور سے سلام علیک ہوئی۔ اس پر باتیں شروع ہوگئیں۔ مَیں نے پُوچھا کہ "کبھی آپ جزیرہ گئے ہیں"۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ "لارڈ میرس کے وقت میں اُنکے ہمراہ میں بھی گیا تھا"۔ مجھ سے ہمارے خاندان کا حال پُوچھتے رہے۔ کہ چچا صاحب بدرالدین سے کیا رشتہ تھا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے سب بیان کیا۔ پھر پُوچھا کہاں کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے بتایا کہ یورپ کے بڑے بڑے مقام دیکھنے اور استانبول جانے کا عزم ہے۔ مگر چھ مہینے میں کہاں کہاں جائینگے۔ ممکن ہے کچھ مقام چھوڑ دینے پڑیں۔ اُنہوں نے کہا کچھ ضروری نہیں۔ کہ صرف چھ مہینے ہی سفر کرو۔ آپ زیادہ وقت لے سکتے ہیں"۔ مجھ سے یہ سُنکر بہت متعجب ہوئے کہ میری پیدایش استانبول کی ہے اور ابّا جان کا کاروبار وہاں تھا۔

آج اکثر لوگ خط لکھ رہے ہیں۔ کیونکہ پورٹ سعید قریب ہے۔ برنڈزی پہنچنے کی اُمید ہے۔ میرے بہت خط لکھنے پر بھی اعتراض ہوتے رہتے

ہیں۔ کہ میں ہر وقت کیا لکھتی رہتی ہوں۔ مگر اپنے عزیزوں کو خط لکھنا گویا اُن سے باتیں کرنا ہے اور دل کے آرام کا ایک ذریعہ ہے۔

شنبہ ۲۔ مئی۔ دریائے احمر۔ وُہ روسی بی بی آج پھر میرے پاس آبیٹھیں۔ میں الائچی چکنی ڈلی کھا رہی تھی۔ اُنکو پیش کی۔ اُنہوں نے اسے بہت پسند کیا۔ مَیں نے ایک بٹوا بھر کر انہیں دے دیا ہے۔

ایک پارسی بی بی ہمارے قریب بیٹھتی ہیں۔ مَیں اُنکی محنت اور استقلال کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تمام ساڑھی چکن سے بھر رہی ہیں۔ اور چکن بھی پُرانا سورتی چکن۔ حیرت ہے کہ روز اس میں ترقی نمایاں ہے۔ انہی لوگوں سے ایسے کام ہوسکتے ہیں۔ مس جوشی نے آج ایک عمدہ چیز کھلائی۔ سونٹھ اور شکر سے ایک پاپڑ سا بنایا جاتا ہے جو مرہٹی عورتیں اکثر کھاتی ہیں۔ اُنہوں نے اس میں ایک مزے کی ترمیم کی ہے یعنی ادرک پیس کر شکر کی سخت چاشنی میں اس کو یہاں تک پکایا کہ قوام پڑ جائے۔ پھر بڑے تھال میں جما کر گزا یا پٹی کی قسم کے ٹکڑے بنا کر رکھنا سونٹھ اور شکر سے بہت بہتر چیز بن جاتی ہے۔

شام کو ہم سب آگبوٹ کا اندرونی حصہ دیکھنے گئے۔ ایک چیف انجنیر صاحب روز ہماری میز پر بیٹھتے تھے۔ اُنہوں نے انتظام کرا کے آدمی بھیجا کہ آئیے۔ سب ہندی شریک ہو گئے اور ہم ایک معقول پارٹی بنکر آگبوٹ کے پیٹ میں گھسے۔ ایک مسلمان خلاصی نے ہم سب کے ہاتھ میں تولیے دیئے تاکہ کٹہرے کو پکڑنے سے ہاتھ نہ خراب ہوں۔ کیونکہ

سب تیل سے چکنا ہو رہا تھا۔ ہمیں ہدایت کی گئی کہ ہم اپنے کپڑے سنبھالیں۔ سیڑھی تنگ تھی۔ اور لوہا پھسلنا جھنور۔ تو یہ حال دیکھ کر واپس چلے گئے۔ نیچے سے ہوا ایسی گرم آتی تھی۔ کہ میں بھی گھبرائی۔ کہ اس دوزخ میں کون جائے۔ مگر انجنیر صاحب نے کہا کہ نیچے چل کر ایسی گرمی نہیں معلوم ہوگی۔ خیر۔ بہزار خرابی۔ لباس کو تھامتے ہوئے۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اس چھوٹے سے جہنم میں ہم اُترے۔ نیچے گرمی سخت تھی اور تیل کی بدبو الامان۔ مگر جو معلومات جہاز کی کلوں کی بابت حاصل ہوئی اس کے لئے سب گوارا ہے۔ بھائی نے سب باتیں پوچھ پوچھ کر مفصل لکھ لی ہیں۔ مگر مختصراً میں بھی لکھتی ہوں۔ تمام سانچے سولہ ہزار "ہارس پاور" یعنی گھوڑے کی طاقت" کا ہے۔ اور آٹھ بہت بڑے کرینک چلتے ہیں جنکے ذریعے ایک فولاد کی لاٹھ پھرتی ہے۔ اسی لاٹھ کے سروں پر وہ پنکھے ہیں جو پانی میں پھرتے اور آگبوٹ کو چلاتے ہیں۔ ایک جادو کا کارخانہ معلوم ہوتا ہے اور ان تمام سانچوں کا جُدا جُدا ہلنا گویا جنات کے ہاتھ پیر ہلتے ہیں۔ جو آٹھ کرینک ہیں اُن میں سے ہر ایک "دو ہزار ہارس پاور" کا ہے۔ بھائی کہتے ہیں کہ انمیں سے ایک بمبئی کی بڑی سے بڑی مل چلانے کو کافی ہے۔ لوہے کی صفائی قابلِ دید تھی۔ منجتے منجتے چاندی کی طرح چمکنے لگا تھا۔ پھر ہمیں بائلر کے قریب لیگئے اور جہاں آگ جل رہی تھی۔ اس کا دروازہ کھولا۔ بس یہ دوزخ کا نمونہ تھا۔ پھر ہم سے دو بائلر کے درمیان جانیکو کہا۔ میں نے کہا۔ اب یہاں زیادہ ٹھہرنیکی ہمت نہیں۔ ہم میں جو زیادہ ہمت والے تھے وہ بھی ہمت ہار بیٹھے۔ اور چند متفرق چیزیں دیکھ کر اوپر آتے۔ اوپر ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے رُوح کو تازگی آئی اور ہم خدا کا شکر بجالائے۔

اسلامی خواتین

جناب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب دہلوی ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ اپنی بیشمار ذمہ واریوں اور مصروفیتوں میں انہوں نے اس پرچہ کے لئے بھی چند لمحے نکال لئے۔ اور تعلیم نسواں کے متعلق نہایت بیش قیمت مشورہ دیا۔ جو قوم کے بزرگوں اور تعلیم کے رہنماؤں کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ اُن کا ارشاد تو یہ تھا کہ یہ مضمون انکے دستخط سے نہ شائع ہو کیونکہ رواروی میں لکھا گیا ہے اور انہوں نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ آئندہ کوئی اور مضمون عنایت کرینگے اور اُسے دستخط کے ساتھ چھاپنے کی اجازت دینگے۔ ہم اس وعدہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُن کے ارشاد کی تعمیل نہ کرنے کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ اس مضمون کا اثر انکے دستخط سے دوبالا ہو جائیگا اور یہ ایسا اہم امر ہے کہ قوم کے اہل الرائے اس پر جس قدر غور کریں کم ہے :-

خوشی کی بات ہے کہ دو چار برس سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنی بہنوں کی تعلیم کا خیال پیدا ہوا ہے۔ اور اُمید ہوتی ہے کہ اس مفید خیال کو روز بروز ترقی ہوتی جائیگی۔ لیکن اس ضروری اسلامی عنصر کی تعلیم کے وقت ہمیں چند ضروری باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ جن سے غفلت کرنے کا نتیجہ اُس سے زیادہ بدتر اور نقصان رساں ثابت ہوگا جیسا کہ مسلمان

بچوں کی تعلیم کے وقت انکی تربیت اور اخلاقی درستی کی طرف توجہ نہ کرنے سے ہُوا تھا۔

ہمیں اب تجربہ ہو گیا ہو کہ ہمیں اپنے اُستاد (یورپ) سے کن کن چیزوں کا سبق لینا چاہیئے۔ ہم نے یہ معلوم کر لیا ہو کہ ہمارے لئے یورپ کی معاشرت کی تقلید نقصان دینے والی ہے۔ ہمیں یہ تجربہ ہو چکا ہو کہ جس نے اس سیلاب کی تیز رو کا اپنے دست و بازو سے مقابلہ نہیں کیا وہ سلامتی کے کنارہ پر نہیں پہنچا۔ اگر ہم سمجھنے کے بعد بھی اس رو کا مقابلہ نہ کرینگے تو ایک بھنور سے اُبھر کر دوسری بھنور میں اور ایک گڑھے سے نکل کر دُوسرے گڑھے میں جا پڑینگے۔ میرے خیال میں کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کسی قوم کی تمام باتیں قابل تقلید ہیں۔ بلکہ ہر ایک قوم میں بُری اور اچھی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم کسی قوم کی کورانہ تقلید کرینگے تو اُس کے یہ معنے ہونگے کہ ہم اُس کی بھلی اور بُری باتوں کو اختیار کریں۔ حالانکہ کوئی دانشمند اس بات کو گوارا نہ کریگا کہ دیدہ و دانستہ بُری باتوں کو اختیار کرے جس کا نقصان نہ تنہا اُسے پہنچیگا بلکہ اس کی آئندہ نسلوں میں بھی بغیر سرایت کئے نہیں رہیگا۔

اس میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ اسلامی خواتین کی تعلیم ہمارے لئے خود ہماری تعلیم سے بہت زیادہ مفید ہو گی لیکن اگر ہماری بہنیں اسی غلط راستہ پر چلیں جس راستہ پر ہم ابتدا میں چلے تھے تو یقین کرنا چاہیے کہ ہندوستان کی اسلامی آبادی میں ایک ناگوار خلش پیدا ہو جائیگی اور صرف

ایک اعتبار سے نہیں بلکہ کئی اعتبار سے قوم کو نقصان پہنچ جائیگا جس کی تلافی کرنی ہماری مجموعی طاقت سے بھی باہر ہوگی۔

ہماری بہنوں کو چاہیئے کہ وُہ اپنے اسلامی خیالات کو سب سے پہلے مضبوط کریں اور اسلامی شعار کو ہمیشہ محفوظ رکھیں۔ اُس کے اندر وُہ جس قدر بھی تعلیم حاصل کریں اُنکے لئے بہتر ہوگا۔ انہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہر ایک قوم کے مجموعی حالات باہم ایک دُوسرے سے مربُوط ہوتے ہیں۔ اگر ہم کسی قوم کی کوئی چیز اختیار کریں تو ہمیں اپنی بھی چند چیزوں کو چھوڑنا پڑیگا۔ کیونکہ ہمارے مجموعی حالات کے ساتھ یہ چیز جو ہم نے ایک اجنبی قوم سے لی ہے مناسب نہیں ہے۔ پس اس طرح سے ہم ایک چیز کو لے کر اور بھی چند چیزوں کے لئے مجبور ہونگے۔ اگر یہ قوم دولتمند ہے اور اس کی معاشرت کی چیزوں میں سے ہم نے ایک چیز لی ہے اور اس ایک چیز کی وجہ سے ہم نے اور چند چیزیں بھی اختیار کرلی ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم روز بروز افلاس میں مبتلا ہوتے جائینگے۔ اس نقصان کے علاوہ ہمیں یہ بڑا نقصان برداشت کرنا پڑیگا کہ ہم اپنے قومی شعاروں سے جنکی وجہ سے ہم حقیقت میں ایک قوم سمجھے جاتے ہیں علیحدہ ہوتے جائینگے۔ اگر فرض کرو کہ ہماری ایک بہن نے صرف انگریزی لباس کی اوّل اوّل تقلید کی جس کی حقیقت میں انہیں کوئی ضرورت نہیں تھی تو انہیں اس لباس کے ساتھ گاؤتکیہ لگا کر بیٹھنا کبھی بھلا نہ معلوم ہوگا اور وُہ خواہش کرینگی کہ انکی نشست کے لئے کرسیوں کا انتظام ہو۔ جب وُہ نشست کے لئے کرسیوں کی عادی ہونگی تو انہیں ناگوار ہوگا کہ وُہ کھانا زمین پر

بیٹھ کر کھائیں اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ کھانا میز پر کھانا شروع کرینگی اور ہاتھ کی امداد سے منہ موڑ کر چھری کانٹے کی محتاج ہو جائینگی۔ غرض یہ سلسلہ اسی طرح سے بڑھتا جائیگا جس کی تفصیل کرنے کی یہاں زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ اب خیال کرنا چاہیئے کہ اس بیفائدہ تقلید سے ہماری بہنوں کی مالی حالت پر کیا اثر پڑیگا۔ اور انکے مصارف کی زیادتی کے بوجھ کو انکے خاوند یا انکے والدین جو خود اپنے بار سے عام طور پر بہت کم سبک دوش ہوتے ہیں کہاں تک برداشت کرینگے۔ اور جبکہ ایسے سبق گھر کے بڑوں سے انکے چھوٹے لینگے تو اُسکا نتیجہ عام خاندان کے تموّل پر کیسا پڑے گا۔

میں اپنی اُن بہنوں سے جو اس وقت تعلیم حاصل کر رہی ہیں یا حاصل کرنیکا خیال کر رہی ہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انہیں عادات و خصائل۔ تمدن اور معاشرت میں ایسا ہونا چاہیئے کہ دوسرے ملک کی عورتیں انہیں دیکھ کر یہ کہہ سکیں کہ یہ ہندوستان کی مسلمان خاتونیں ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ انہیں یورپ کی بکار آمد اور مفید چیزوں کے لینے میں کبھی بخل اور تعصب نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ بہت خوشی کے ساتھ ان علوم اور صنعتوں کو جو انکے لئے ضروری ہوں سیکھنا چاہیئے اگر وہ ایسا کرینگی تو میرے خیال میں وہ ترقی کی سچی شاہراہ پر لگ جائینگی اور اُن مظالم سے دور رہینگی جن میں یورپ کی تعلیم یافتہ مبتلا ہیں۔ ہماری خاتونوں کو معلوم نہیں ہے کہ یورپ باوجود اس قدر تموّل کے عورتوں کے فضول مصارف سے کس قدر نالاں ہے۔

میں خواہش کرتا ہوں کہ ہندوستان میں جتنے اسلامی رسالے عورتوں کی درستی اور ترقی کے مقاصد لئے ہوئے نکلتے ہیں وہ سب اس ضروری مضمون پر بشرطیکہ میرے ہم آہنگ ہوں

تعلیم کے فوائد

مری بہنو! جہالت نے تمہیں ڈالا تباہی میں
تمہارے واسطے بانی یہی ہے ہر مصیبت کی

تمہاری بھی خطا ہے کچھ تو کچھ تقصیر مردوں کی
غرض دونوں کی غفلت سے مرض ذہنی شدت کی

نہ بے تعلیم کے سمجھوگی تم اپنی مضرت کو
ذرا اب جاگ اٹھو حد بھی ہے اس خواب غفلت کی

ہزاروں خامیاں تم میں ہیں جب ایسی جہالت پر
تو پھر تعلیم پر ہوگی ترقی کس قیامت کی

حقوق مرد کیا تم پر ہیں یہ سمجھوگی پڑھنے سے
کہ ہو جاؤگی تم پابند قانون شریعت کی

تمہارے حق ہیں کیا مردوں پہ یہ بھی جان لوگی تم
کہ کچھ اُن کے لئے بھی حد معین ہے اطاعت کی

بہت پڑ جاتی ہے مشکل امور خانہ داری میں
بہت نقصان اُٹھاتی ہو بدولت اس جہالت کی

علالت سے کوئی دم تم کو چھٹکارا نہیں ہوتا
کہ تدبیریں نہیں معلوم ہیں حفظان صحت کی

اصول تندرستی سے جو ہو جاؤگی تم واقف
تو پھر گھر میں نہ آئیگی نظر صورت علالت کی

مشقت سے کما کر مرد جو کچھ تم کو دیتے ہیں
اُٹھاتی ہو اُسے بیجا نہیں عادت کفایت کی

ہزاروں ایسی رسمیں ہیں کہ جن سے کچھ نہیں حاصل
مگر مشکل ہے اُن کا ترک مجبوری قدامت کی

کوئی تقریب کا سامان جو تم کو پیش آتا ہے
نہیں پھر خیریت آتی نظر مال و معیشت کی

بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بربادی کا باعث ہیں
کہا جو کچھ بہت ہے وہ ضرورت کیا صراحت کی

جو تم میں علم آ جائے تو طرز زندگی بدلے
تمہیں پابندیاں ہو جائیں پھر وقت و ضرورت کی

ہو کیونکر پرورش بچوں کی کیونکر تربیت انکی
وہ کیا برتاؤ ہیں جن سے نہ بربادی ہو صحت کی

بڑا احساں کیا عصمت نے تم پر تم اگر سمجھو
نہ اس کی قدرداں ہو تم تو خوبی اپنی قسمت کی

تمہیں اک رہنما کا کام دیگا یہ وہ پرچہ ہے
کہ اس کی بزم میں ہے روشنی شمع ہدایت کی

خواتیں بزم عصمت میں نظر آئیں کئی جنکی
شہادت دیتی ہے تحریر علمی قابلیت کی

مضامین دیکھکر ان کے بہت حیرت ہوئی مجکو ۔۔۔ کہ کیسی ملک میں بھی عورتیں ہیں اس لیاقت کی
ہر اک فقرہ نمونہ اُن کی ہے عالی خیالی کا ۔۔۔ بہت کچھ اپنی بہنوں کیلیے قلمی اعانت کی
مرا روئے سخن ان کے سوا اوروں کی جانب ہو ۔۔۔ کہ جن بہنوں نے کار علم میں ابتک ہو غفلت کی
معافی چاہتا ہوں تم سوای بہنوں ابصد منت ۔۔۔ کہ شاید ناگوارا ہو تمہیں تلخی نصیحت کی
برائی اپنی آپ انسان مشکل سے سمجھتا ہے ۔۔۔ یہ ہمدردی یہ اتنی بات میں غرض خدمت کی
ترقی آپ کی مدنظر ہے اس نصیحت میں ۔۔۔ وگرنہ ہو تمہیں ہر گھر میں باعث زیب و زینت کی
تمہارا سا نہ ہو جس گھر میں اہل عفت و عصمت ۔۔۔ کوئی صورت نہ ہو اُس گھر میں پھر آرام و راحت کی

(سید عنایت حسین امداد عظیم آبادی پٹنہ)

جامع مسجد دہلی ہند کی عجیب اور قابل دید عمارات سے ہے ۔ آج اسکی تصویر زیب ورق اوّل ہے ۔ ہندوستان بھر میں یہ مسجد لاجواب ہے ۔ اس کا نقشہ جس دماغ سے اُترا ۔ اُس دماغ کی تعریف جس قدر کی جاے کم ہے ۔ خوش عقیدت لوگ تو اس نقشہ کی خوبصورتی پر اپنی حیرت کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ بادشاہ کو خواب میں یہ نقشہ دکھلایا گیا تھا ۔ گویا بیداری میں ایسے نقشے کا ذہن میں آنا محال ہو ۔ ہر خوش مذاق سیاح دہلی میں آتا ہو سب سے پہلے یہ مسجد اُس کو دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو ۔ اور وہ دیر تک محو حیرت کھڑا رہتا ہو ۔ مسجد کی بلند کرسی ۔ اسکی وسیع اور خوشنما سیڑھیاں اس کا فراخ صحن اسکے وسط میں پانی سے لبالب بھرا ہوا حوض ۔ صحن کے تینوں طرف ہوادار برامدے ۔ اور سب سے بڑھکر مسجد کے گنبد و مینار جن پر حسن تعمیر نے تکمیل کی مہر لگا دی ہو ۔ سنگ سرخ میں سنگ مرمر کی دھاریاں ۔ سنگ مرمر پر عربی فارسی عبارتوں کی گلکاریاں کس کس چیز کی انسان تعریف کرے ۔ کبھی موقعہ ہوا تو اس نادر عمارت کے متعلق ایک علیحدہ مضمون لکھا جائیگا ۔ اس وقت فقط یہ مقصود ہو کہ عصمت کے دور کے رہنے والے ناظرین تصویر کے ذریعے اس متبرک عبادت گاہ سے روشناس ہو جائیں +

بزمِ عصمت

السلام علیکم - میں خیریت سے پشاور پہونچی راستے کی خرابی کا جو اندیشہ تھا خدا نے اس سے بچایا اور کچھ تکلیف نہیں ہوئی -
آپ نے جس خلوص محبت سے مجھے رخصتی پارٹی دی ہے - اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی - اس مجمع میں خوب رونق رہی اول بارش نے کچھ بے لطفی کی لیکن بارش کے بعد ابر کے سہانے وقت میں بڑے لطف سے وقت گذرا - جن بہنوں سے اسوقت الوداعی ملاقات ہوئی ہے اس کا اثر ابتک دل پر باقی ہے +
بہن فاطمہ کبریٰ صاحبہ نے خوشخط عربی تحریر میں فارسی کا رخصتی شعر جس محبت سے عنایت کیا تھا ویسے ہی میں نے بھی پاس رکھا ہے - اور جس جس نے الوداعی شعر دیئے تھے وہ سب شکریہ کے ساتھ میں نے اپنی کاپی میں نقل کر لئے ہیں +
آج پیر کا دن ہے - آپ سب شام کو کلب میں جانے کی تیاری کر رہی ہونگی - آج پہلا ہی پیر ہے کہ جو کلب میں میں شریک نہیں ہوں خیر آپ کلب میں مصروف ہوں ہم یہاں تصور میں شریک ہونگے - امید کہ آپ کلب کے چھوٹے سے پودے کو خوب ترقی دیگی اور مجھ سے زیادہ ممبروں کی فہرست بڑھائینگی - میں ۲۰ ممبروں کی فہرست دے کر آئی ہوں - یقین ہے کہ آپ اور اتنے ہی نام درج فرمادینگی +

میں یہاں بھی ایک کلب بنانے والی ہوں۔ دس بیبیاں ممبر تجویز ہوگئیں ہیں۔ انشاءاللہ ستمبر تک کلب بن جائیگی +
امید ہے کہ آپ کلب کے حالات کی خبر دیتی رہیں گی۔ زیادہ سلام خدا حافظ +

آپکی بہن۔ سلطان بیگم

مکرمہ بہن صاحبہ
بعد سلام وشوق ملاقات آپکا عنایت نامہ کل دستیاب ہوا۔ گاہے ماہے مضمون بھیجنے کی ضرور کوشش کرونگی۔
آپ میرے خاندان کی بیبیوں کے نام چاہتی ہیں غالباً آپ اکثر سے واقف ہونگی۔ اور ان کے نام پرچہ جاری ہوگا۔ میری بہن مسز بدرالدین لقمانی اور بھاوجوں یعنے مسز مرتضی طیب جی مسز حسین طیب جی کے ہاں بھی شائد پرچہ جاتا ہوگا۔ مسز حیدری صاحبہ حیدرآباد دکن میں ہیں۔
ایک بہن نے عصمت میں دوپٹے رنگنے کی ترکیب پوچھی ہے انگریزی سے پول سوپ ہر انگریزی دوکان پر ملتا ہے۔ شاید ۲ آنہ کا گولا ہوتا ہے۔ اِنچ بھر ٹکڑا گولے میں سے کاٹکے گرم پانی میں خوب ملنا چاہئے۔ ۱۲ دوپٹے اسمیں رنگے جاتے ہیں۔ دھانی رنگ تو خاص دیکھا نہیں مگر مرا ہوا سبز رنگ بہت عمدہ ہوتا ہے یہ سب رنگ دھونے پر جاتے نہیں اس لئے داغ بھی نہ پڑینگے +
اس صابن کو انگریزی میں Maypole Soap Sea Green
Orange colour وغیرہ کہتے ہیں۔

آج ناگ پنچمی کی سواری یہاں ہوگی یہ زنانہ سواری ہوتی ہے رانی صاحبہ مع اپنی خویشیوں کے ہاتھیوں پر جاتی ہیں۔ ہم اہل دربار گاڑیوں میں جا کے دربار میں شریک ہونگی۔ اب خدا حافظ۔

راقمہ امینہ طیب جی از بڑودہ

پیاری بہن۔

آپ کو اس کامیابی کی تہ دل سے مبارکباد دیتی ہوں۔ جو عصمت کے پہلے دو پرچوں میں آپ کو ہوئی ہے۔ الحمدللہ مدت کی آرزو پوری ہوئی۔ وہ تجویزیں جو آپ اور ہم سوچا کرتی تھیں آج پوری ہوئیں۔ پردہ نشینوں کی معلومات کے وسیع کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ ان تمہیدی فقرات کے بعد اس سوال کا جواب لکھتی ہوں۔ جو بنت منشی سعد اللہ صاحب نے رنگوں کی ترکیب کی بابت کیا ہے۔ ہمارے پاس ایک کتاب صباغ نادر ہے۔ جیسے بے وارثوں کا رنگریز کہنا بجا ہے۔ وہ ہم سے منگا کر دیکھ سکتی ہیں۔ اس میں ہر قسم کے پختہ اور خام رنگوں کے رنگنے کی ترکیبیں مفصل درج ہیں۔ اس سے پیشتر بہت بہنوں کے خطوط سے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ ایک ناچیز سی چیز ہے۔ جس بہن کو ضرورت ہو ہم بطور یادگار بھیجنے کو تیار ہیں۔
اب میں ایک سوال پوچھتی ہوں۔ میرے والد صاحب تقریباً ایک سال سے لاہور میں درد گردہ کے مرض میں مبتلا ہیں اب کسی قدر افاقہ ہے مگر اصل مادہ مرض کا دور نہیں ہوتا۔ موسم گرما میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اگر کوئی بہن یا بھائی درد گردہ کا کوئی مجرب نسخہ بتا دیں تو کمال مہربانی ہوگی ✦

(راقمہ۔ بنت سید محمد شاہ دار لاہور)

عالمِ نسواں

دہلی سے مسز رضاء اللہ صاحب کا پشاور تشریف لے جانا جہاں اُن کے شوہر آج کل تعینات ہیں دہلی کے طبقۂ نسواں کے لئے سخت صدمہ ہے جن کی کوششوں سے تعلیم کا شوق اور ترقی کی امنگیں پیدا ہو چلیں تھیں نہایت افسوس ناک ہے۔ گو امید کی جاتی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے وطن مالوف میں آتی رہیں گی۔ اور یہاں کی بہنیں اُن کی کوششوں سے فائدہ اُٹھاتی رہیں گی۔ تاہم تھوڑے عرصے کے لئے بھی اُن کی غیر حاضری یہاں کی بیداری کی اس ابتدائی حالت میں نقصان دہ ہے اُنکے رخصت ہوتے وقت ایک پارٹی ہوئی تھی جسمیں باوجود بارش کے دہلی کی بہت سی شریف بیبیاں جمع ہو گئیں تھیں دعوتی۔ رقعے عصمت کی جائنٹ ایڈیٹر کی طرف سے تھے۔ مطبع ترقی کے صحن میں اس دن چاروں طرف پردہ کرا دیا گیا تھا اور ہال کو بہت خوبی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ انگریز بیبیاں بھی تشریف لائی تھیں اور مس ایس سی رب جی دہلی کے زنانہ ہسپتال کی ہر دلعزیز لیڈی ڈاکٹر جو ایسے جلسوں کی روح رواں ہیں۔ وہ بھی موجود تھیں کچھ لیڈیاں بیڈمنٹن کھیلتی رہیں اکثر خواتین آپس میں ملاقات اور تبادلۂ خیالات کرتی رہیں۔ ایک طرف گراموفون بج رہا تھا سامان خورد و نوش دو میزوں پر ہال میں چُنا ہوا تھا۔ کوئی پانچ بجے سے سات بجے تک بہت لطف سے وقت گذرا سب نے مسز رضاء اللہ کو خیریت سے منزل پر پہنچنے اور خیریت سے واپس آنے کی دعا دی اور ایک ایک کرکے اُن سے رخصت ہوئیں۔ انہوں نے سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں زنانہ

کلب جاری رکھنے کی تاکید کی۔ اُنکا یہاں تک خیال ہے کہ وہاں جاتے ہی جو خط لکھا ہے۔ اُس میں پھر وہی تاکید ہے۔ اور وہ خود تو جہاں رہیں گی وہاں کے لئے اُن کا قیام مفید ہوجائیگا چنانچہ اب پشاور میں کلب قایم ہونے کی تدبیر ہورہی ہے۔

یورپ و امریکہ میں جسم کی ترکیب درست کرنے۔ اعضاء کو متناسب بنانے چوٹیاں گوندھنے۔ اور اُبٹنوں، معجونوں اور پوڈروں کے ذریعہ سے چہرہ کی رنگت نکھارنے کے لئے سینکڑوں سنگار گھر قایم ہیں جنمیں بڑی بڑی ہوشیار اور چابکدست مشاطہ عورتیں یہ کام بڑے سلیقہ سے انجام دیتی ہیں مگر چونکہ مہذب ملکوں میں مشینوں کا عام رواج ہوگیا ہے اور سائنس وطب کی نئی تحقیقاتوں کے بموجب مشاطہ کے ہاتھ بدن پر لگنے سے کئی قسم کی بیماریوں کا اندیشہ ہے اسلئے امریکہ کے زینت انسٹیٹیوٹ میں ایسی مشینیں لگائی گئی ہیں جو جسم کے تمام حصوں پر رنگت کی صفائی و چمک کے لئے بڑی احتیاط سے لیپ لگاتی۔ ہاتھوں پاؤں اور گھٹنوں کو قالب میں ڈھالتی۔ اور دوسرے اعضا کو موزوں و متناسب بنانے کے لئے حسب ضرورت دباتی یا اوبھارتی ہیں۔ ایک اور کاٹھی گھوڑے کی حرکات کی ہوبہو نقل کرتی ہے اور اُس پر بیٹھکر عورتیں گھوڑے کی سواری کا پورا فایدہ اُٹھاسکتی ہیں۔ الغرض یورپ میں زنانہ آرائش و زیبائش کے فن کو بہت بڑی ترقی دیگئی ہے۔ جسے پڑھکر تعجب آتا ہے۔ حیرت ہے کہ یوروپ کی عورتیں ایسی تعلیم یافتہ اور سمجھ دار ہوکر ان ترکیبوں پر جنمیں سے اکثر صحت کے لئے مضر ہیں اپنا روپیہ اور وقت برباد کرتی ہیں +

ممالک متوسطہ کی گورنمنٹ کئی مہینے

سے ناگپور میں ایک عظیم الشان فنی و صنعتی نمائش کی تیاریاں کر رہی ہے جو شاید وسط نومبر ۱۹۰۸ء میں کھلیگی اور کئی ہفتے برابر قایم رہیگی حال میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ نمائش کا ایک حصہ زنانہ دستکاریوں کے لئے الگ رکھا جائے اور اُس میں ہندوستانی عورتوں کے ہاتھ کی چیزیں سجائی جائیں۔ منتظم نمائش کے اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ زنانہ صنعت کے متعلق کلابتونی۔ کارچوبی کشیدہ کے کام۔ سوتی اور اونی بناوٹ کی چیزیں۔ پوشتوں کا سامان سفری چکن۔ پھندے۔ جالی۔ مروڑی وغیرہ کے کام۔ لیس۔ فیتے۔ لکڑی کی کھدائی کے کام۔ اور رنگائی۔ سلائی۔ ٹکائی۔ بناوٹ وغیرہ کا سامان زنانہ حصہ نمائش میں سجایا جائیگا۔ اور نمائش ختم ہونے کے بعد اصل چیز یا بصورت فروخت اُس کی قیمت مالکوں کو ارسال ہوگی۔ اعلےٰ نمونوں پر انعامات تمغے اور سارٹیفکیٹ دئے جائینگے لیں جو بہن اس نمایش میں کچھ سامان بھجوانا چاہیں وہ سیکرٹری صاحبہ زنانہ نمایش ناگپور سے خط و کتابت کریں! +

صوبجات متحدہ کی بیدار مغز گورنمنٹ اپنی ان قابل قدر کوششوں پر جو تعلیم نسواں کے متعلق اُس نے کی ہیں شکریہ کی مستحق ہے پہلے گورنمنٹ مذکور نے زنانہ تعلیم پھیلانے کیلئے لائق اصحاب کی ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ اور اُس کمیٹی کی رپورٹ پر ۱۹۰۴ء سے ابتک کئی لاکھ روپیہ عورتوں کی تعلیم پر خرچ کیا۔ امسال وہ ایک لاکھ روپیہ اس مد میں صرف کرنا چاہتی ہے۔ گورنمنٹ کی خواہش ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ اپنے کنبہ کی عورتوں کے پڑھانے کا انتظام کریں اور متحدہ کمیٹیاں بناکر زنانہ مدرسے کھولیں۔ اور سرکار سے مدد لیں۔ امید ہے کہ صوبجات متحدہ کے لوگ اس برکت سے فائدہ اُٹھانے میں پہلو تہی نہ کرینگے +

عصمت

جلد-۱
نمبر ۴
ستمبر ۱۹۰۸ء

یعنی

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لیے

اُردو میں

پاکیزہ خیالات، علمی اور اَدَبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے

اور

ہر پرچہ ملک کے مُمتاز اہلِ قلم کے مضامین کے علاوہ مُعزّز خواتین کے

طبعزاد مضامین اور مشہور مقامات و مناظر کی تصاویر سے بھی مزیّن ہوتا ہے

اڈیٹر رسالہ شیخ محمد اکرام — جائنٹ اڈیٹر مسز محمد اکرام

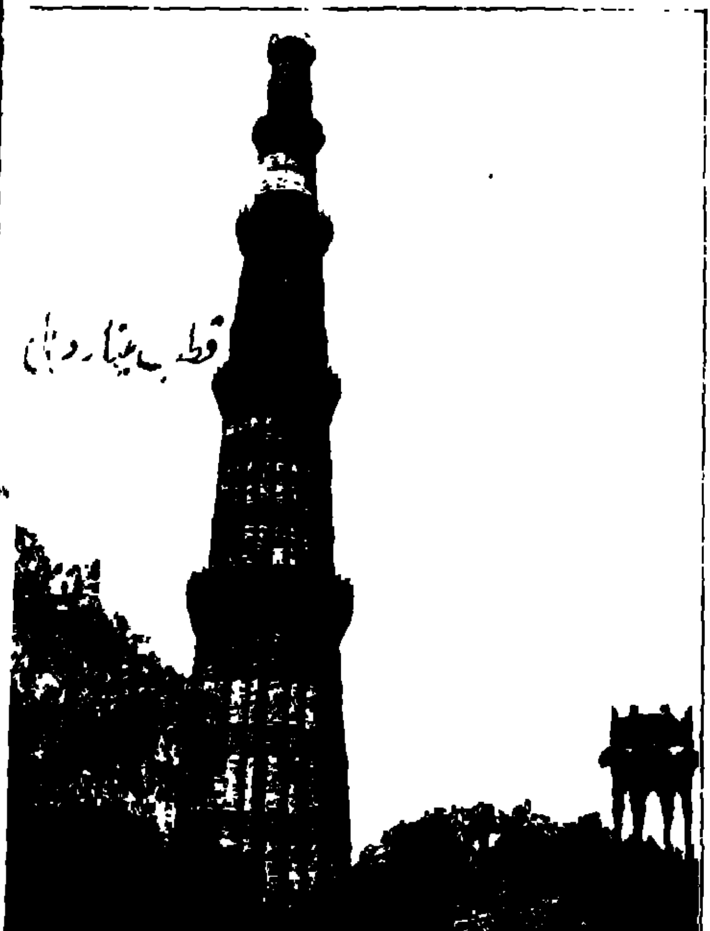
باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصولِ ڈاک ے فی پرچہ ۴ر

فہرست مضامین عصمت بابت ستمبر ۱۹۰۸ء

تصویر۔ قطب مینار دہلی

صفحہ



قطب مینار دہلی

عصمت

پان کھانا

ہمارے ہندوستان میں بہت کم ایسی بیبیاں ہونگی جو پان نہ کھاتی ہوں عموماً امیر غریب سب عورتوں کو پان کی طلب ہے۔ پان بھی بُری چیز نہیں بلکہ کھانے کے بعد پان ہاضمے کے لئے بہت مفید ہے۔ مگر بعض بیبیاں جو سارے دن پان کھاتی رہتی ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ پان اعتدال سے کھانا چاہیئے اور سب چیزوں میں احتیاط رکھنی چاہیئے۔ اگر چھالیہ موٹی کتری گئی تو مسوڑھوں کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اگر چونا زیادہ ہو گیا تو مُنہ پھٹ جاتا ہے۔ زبان میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔ میرے نزدیک پان کی ایک گلوری جو دو پانوں کی بنانی چاہیئے۔ ہر کھانے کے بعد کھانی ضروری ہے اور اگر کوئی مہمان آجائے تو اُس کی خاطر سے ایک آدہ گلوری اور کھا لیجائے بعض لوگ مصالحے کا پان کھاتے ہیں۔ مگر مصالحہ عُمدہ لینا چاہیئے عام طور پر تمبول بہار اچھی چیز ہے مگر اچھا بنا ہوا ہو۔ اگر تمبول بہار

خراب ہوگا تو آواز بیٹھ جائیگی - انگریزوں میں پان کا رواج نہیں ہو اس لئے
انگریز ڈاکٹر پان کھانا پسند نہیں کرتے - مگر پان ہندوستان کا ایک تحفہ
ہے اور منہ صاف رکھنے کے لئے بھی اچھا ہے*

ہر ہائینس نواب بیگم آف بھوپال

خاندان کی ادبی اصلاح:- ہر شخص کو خاندان کی ادبی اصلاح کا فرض
ادا کرنے میں دو اصولی باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے - اوّل یہ کہ اپنی بیوی
کو تمام خاندانی معاملات میں اپنا شریک سمجھے اور اس کی واجبی تعظیم و تکریم میں کوئی
دقیقہ باقی نہ رکھے - اور دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو خاندان کے بچوں کا مربی و سرپرست
خیال کرے.... اور اس امر کا یقین رکھے کہ خاندان و قوم کی آئندہ عزت یا ذلت صرف
بچوں کی تعلیم و تربیت پر منحصر ہے اور خاندان کا سرپرست اُن تمام جرائم کا جواب دہ
ہے جو اُس کے خاندان کے افراد سے بوجہ سوء تربیت کے سرزد ہوتے ہیں یہی اصول تمدن
جدید کی شریعت نے نافذ کئے ہیں اور اُنہیں خاندانی تربیت کے تمام مسائل کا دارو مدار ہے
اسلام نے تمام دنیا سے پہلے ان اصول کو قائم کیا ہے - اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی زبان سے عورتوں کی واجبی تعظیم و تکریم کی ترغیب میں فرمایا ہو کہ جو شخص صاحب عزت ہیں
وہ عورتوں کا اعزاز و اکرام کرتے ہیں اور جو پاجی ہیں وہی اُنکی توہین کرتے ہیں" اور فرمایا
ہو کہ عورتوں کو اُنکی مرضی پر چھوڑ دو - قرآن مجید کی یہ آیت "کہ اے خدا تو ان دونوں
(باپ ماں) پر رحم کر جیسا کہ انھوں نے بچپن کی حالت میں مجھکو پرورش کیا ہے" اس بات
کی روشن دلیل ہے کہ بچوں کی تہذیب و تربیت میں عورتوں کو بہت کچھ دخل ہے -

(علامہ فرید وجدی)

یوروپین اور ہندوستانی لیڈیوں کا میل جول

یورپینوں اور ہندوستانیوں کا میل جول بہت کم ہے اس پر اکثر اردو اور انگریزی اخباروں میں مضمون لکھے جا چکے ہیں دونوں طرف سے یہ کوشش جاری ہے کہ ہندوستانیوں اور یورپینوں میں اتحاد بڑھایا جائے تاکہ حاکم و محکوم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے لگیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قصور ہندوستانیوں کا ہے جو انگریزوں سے ملنے میں گریز کرتے ہیں اور ملتے ہیں تو اس اعلیٰ مقصد یعنی ہندوستانیوں کی ترقی کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نہیں یہ سراسر انگریزوں کا قصور ہے جو بلا ضرورت ہندوستانیوں سے ملنے میں کسر شان سمجھتے ہیں اور ربط ضبط بڑھانا نہیں چاہتے۔

ہم عورتوں کو جہاں اور بہت سی باتوں پر غور کرنے کی ضرورت درپیش ہے۔ وہاں اس مسئلہ کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ہندوستانی بہنوں کی تھوڑی سی کوشش سے یہ حد فاصل جو مشرق و مغرب کے درمیان حائل ہے۔ کچھ گھٹ جائے اور یورپینوں و ہندوستانیوں میں میل جول کی راہ نکل آئے۔ آجکل کی تہذیب اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے یورپین و ہندوستانی خاتونوں کا آپس میں ملنا نہایت ضروری ہے۔ جس طرح ہمارے مرد انگریزوں کی صحبت و تعلیم سے

فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اُسی طرح ہم عورتیں بھی اپنی یورپین بہنوں کے میل جول سے بہت کچھ نفع حاصل کر سکتی ہیں۔ بہت سی دستکاریاں ایسی ہیں جو ہم انگریزوں سے سیکھ کر اپنے خاندان میں رائج کر سکتے ہیں۔ اکثر مفید معلومات خانہ داری کے متعلق حاصل کر سکتے ہیں اُن کے بچوں کا رکھ رکھاؤ، اُن کے گھر کی صفائی و انتظام، انکے مکانوں کی آرائش، ہر چیز کے مناسب استعمال کا طریقہ، یہ سب ایسی باتیں ہیں جنکی ہندوستانی گھروں میں بہت ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں اوّل اپنے عزیزوں ہی سے ملنے میں بڑی شرم اور حجاب برتا جاتا ہے اور یورپینوں سے ملنا تو معاذ اللہ سخت عیب اور بعض بعض جگہ گناہ خیال کیا جاتا ہے۔ اکثر بیبیاں انگریزوں کے نام سے ڈرتی ہیں اگر اتفاق سے اُنکی کہیں کسی یورپین لیڈی سے مُلاقات ہو جائے تو بات کرنی کجا۔ اُس سے ہاتھ تک ملانا نہیں چاہتیں بلکہ یہ بات گناہ میں داخل سمجھتی ہیں۔ میں نے ایک بی بی کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی میم سے ہاتھ ملاتی تھیں تو بعد میں بڑی احتیاط سے ہاتھوں کو پاک کرتی تھیں اور جب تک کہ پاک نہ کر لیتی تھیں کسی کھانے وغیرہ کی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتی تھیں۔ یورپین لیڈیوں سے ہم لوگ کئی طریقوں سے مل سکتے ہیں مگر پہلے آداب ملاقات سے واقفیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس کے بعد کچھ علمی قابلیت یعنی اُردو فارسی کی مہارت ہونی لازمی ہے اور تھوڑی بہت اگر انگریزی بھی آتی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ جو بیبیاں انگریزی قاعدے

سے واقف نہیں ہیں وُہ انگریزنوں سے پہلی ہی ملاقات میں ایسے ایسے سوال کرتی ہیں جن سے اُنکو خود بہت شرمندہ ہونا پڑتا ہے مثلاً پہلا ہی سوال یہ ہوتا ہو کہ میم صاحبہ! تمہاری شادی ہوگئی۔ تمہارے کتنے بچے ہیں۔ میاں کتنے کے نوکر ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے سوالوں کا جواب اگرچہ وُہ دیدیتی ہیں لیکن دل میں ہم لوگونکی بے تہذیبی پر بہت ہنستی ہیں۔ اس لئے مناسب ہو کہ جس لیڈی سے ہمیں ملنا ہو پہلے اُس کی بابت تھوڑے بہت حالات دریافت کر لئے جائیں تاکہ گفتگو شروع کرنے میں آسانی ہو۔ یہ بھی ضروری ہو کہ جب دو ایک مرتبہ کسی یوروپین لیڈی کے ہاں ملنے کو جائیں تو کبھی اُسکو بھی اپنے گھر بلائیں۔ اِس موقع پر معمولی انتظام گھر کی صفائی وغیرہ کا درست ہونا چاہئیے اور اگر ہو سکے تو دو چار باسلیقہ ہندوستانی بیبیوں کو جو کچھ باتیں کرنے کے لائق ہوں بلا لینا چاہیئے۔ شغل کے واسطے دو چار کھیل بھی ہوں اور مہمان سے اجازت لیکر چائے وغیرہ کا انتظام بھی کر لینا چاہیئے۔ اگر کسی جلسہ میں ملاقات کرنی ہو تو کسی دوست کے ذریعہ سے اپنا تعارف کرانا چاہیئے۔ ایسے موقعوں پر جو بات چیت کیجائے وُہ وقت اور جگہ کے مناسب ہو۔ زیادہ بے تکلفی بڑہانے کی ضرورت نہیں لیکن یہ تمام باتیں اُنہیں خاتونوں کے واسطے ہیں جنکی طبیعت میں قدرتی طور پر میل جول کا مادّہ موجود ہی اور جن کے ہاں انگریزی تعلیم نے تھوڑا بہت اثر کر لیا ہے ورنہ جو بیبیاں ہمیشہ

اپنے گھر میں بیٹھ کر زندگی بسر کرتی ہیں اور اس بات کی کچھ پروا نہیں کرتیں کہ انکی ہمعصر بہنیں اپنا وقت کس طرح گذارتی ہیں اور زمانہ کی رفتار پر چل کر کیا کیا فائدے اُٹھاتی ہیں۔ اُن میں یہ مادّہ پیدا کرنا اور خاصکر یورپین لیڈیوں سے اُنکی رسم بڑھوانا بہت مشکل ہے۔ میری رائے میں اس مقصد کی ترقی کے واسطے زنانہ کلب جیسے کہ لاہور بمبئی۔ پونا دہلی وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں قائم ہوتے جاتے ہیں۔ بہت مفید ہیں اور اِن سے ایک بہت بڑا آرام یہ ہے کہ اوّل تو اپنی ہندوستانی بہنوں سے ایک جگہ ملاقات کرنے کا بہت اچھا موقع ملتا ہے۔ دوسرے جو خاتونیں یوریپین لیڈیوں کے ہاں جاتے اور انکو اپنے یہاں بلاتے ہوئے حجاب کرتی ہیں وہ ایسے جلسوں میں مل کر ایک دوسرے کی صحبت و تعلیم کے فائدہ اٹھا سکتی ہیں +

ناطقہ بیگم ممتاز اللہ خاں بی۔اے

از رامپور

اگر لوگ ایکدوسرے کو مدد دینی چھوڑ دیں تو بنی آدم کی نسل بہت جلد ہلاک ہو جائے۔ اسوقت سے لیکر جبکہ ماں یا دائی نوزائیدہ بچے کا سر باندھتی ہے اس لمحہ تک جبکہ کوئی شفیق تیماردار مرنے والے کے ماتھے پر سے موت کا پسینہ پونچھتا ہے ہم باہمی اعانت کے حاجتمند ہیں اور اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ پس جن اشخاص کو امداد کی ضرورت ہو وہ اسکا استحقاق رکھتے ہیں کہ اپنے ابنائے جنس سے اسے طلب کریں اور جو شخص دوسروں کو مدد دینے کی طاقت رکھتا ہے وہ اس سے انکار کرنے میں ضرور قصوروار ہے + (سر والٹر اسکاٹ)

ایک تجویز

بہن سیدہ نے جو رسالہ عصمت نمبر۲ میں تجویز قرآن مجید کا اردو ترجمہ چھاپنے کی پیش کی ہے وہ حقیقت میں قابل قدر ہے۔ اگر عصمت کے لائق ایڈیٹر علمائے سے اجازت لیکر اور کوشش فرما کر اس طرف توجہ کریں۔ تو ہم مستورات پر بڑا بھاری احسان ہوگا۔ اور یہ کام نہایت مفید ثابت ہوگا۔ گو ہم میں اس قدر قابلیت نہیں کہ کسی امر میں اپنی رائے دے سکیں یا کوئی تجویز پیش کر سکیں۔ تاہم اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ اپنے خیال کے مطابق کوئی اچھی بات ذہن میں آئے یا کوئی تجویز سوجھے اور اُسے دوسروں پر ظاہر کرنے میں دقت ہو۔ جب کہ حامیان قوم کی عنایت سے فیض کے چشمے جا بجا ہمارے لئے جاری ہو گئے اور ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک ہماری آواز پہنچانے اور ہمارے دلی ارادوں کا دوسروں پر اظہار کرنے کے ذریعے نکل آئے ہیں۔ تو ایسے وقت میں خیالات کو دل سے دماغ تک لاکر رہ جانا عجب حماقت ہے۔ اگر پیش کردہ تجویز پر عملدرآمد نہ ہوگا اور کوئی پسند نہ کریگا تو بھی اتنا ضرور فائدہ ہوگا کہ ہماری لائق بہنوں اور بھائیوں کے جوابات سے ہمارے خیالات کی درستی اور اصلاح ہو جائیگی۔ بہن سیدہ کے نیک خیال سے

ہم متفق الرائے ہیں۔ اگر اُردو میں قرآن شریف کا ترجمہ چھاپا جائیگا۔ تو ہر وقت اُس کے مطالعہ سے فائدہ اُٹھا لینے کا موقع ملیگا۔ آجکل ہر طرف تعلیمِ نسوان کے چرچا اور کوششیں ہو رہی ہیں۔ مگر مذہب کی طرف بہت کم توجہ ہے۔ بہت سی بہنیں باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اپنے مذہب سے اچھی طرح واقف نہیں۔ اور نہ مذہبی فرائض کا پابند ہیں۔ مرد جن پر دُنیا کے بہت سے جھگڑے اور بوجھ ہیں۔ پھر بھی کچھ عبادتِ الٰہی کرتے ہیں اور ہر ایک مسجد میں دس پندرہ نمازی خدا کی عبادت میں مشغول نظر آتے ہیں۔ غیر اقوام کے سخت سخت حملوں سے اپنے مذہب کو بچاتے ہیں۔ ہم عورتوں میں بالا وسط ایک یا دو مشکل سے عبادت گذار ہونگی۔ مذہب میں بحث مباحثہ کرنا تو درکنار ہمیں یہ خبر نہیں کہ ہمارے مذہب کے اصُول کیا ہیں۔ بحالت تعلیم یافتہ ہونے کے ہم فقہ حدیث سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ ہم اس طرف مشغول نہیں ہوئے۔ کیا سبب ہے کہ ہم پر مذہبی اثر نہیں ہوتا؟ جہاں تک میرے ناقص ذہن میں آتا ہے یہ وجہ ہے کہ اس کے لیئے کوئی خاص انتظام نہیں۔ تحریروں میں وُہ اثر نہیں ہو سکتا جو زبانی وعظ و ہدایت کا ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ علمائے دین جگہ جگہ کلامِ حق کی منادی کرتے ہیں اور عبرت دِلا دِلا کر خدا کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں وجوہ سے مرد بہ نسبت مستورات کے زیادہ خدا پرست ہیں۔ اور وہ کیا رحمت کا وقت ہوتا ہے جب

ملے ہوئے خدا کی یاد میں نظر آتے ہیں بے اختیار یہ کلمہ ہماری زبان سے نکلتا ہے کہ کاش ہمارے لئے بھی کوئی ایسا انتظام ہو"۔ اگلے زمانہ میں چونکہ پردہ کا ایسا رواج نہ تھا۔ عورتیں بھی مردوں کے کلام سے مستفید ہوتی تھیں۔ جوں جوں زمانہ ترقی پکڑتا گیا پردے کی قید زیادہ ہوتی گئی اور مذہب کی طرف سے لاپروائی اور بے خبری بڑھتی گئی۔ مگر اب اس کو محسوس کرکے اس کی طرف پوری توجہ کرنی لازم ہے۔ ایک تجویز میں اپنی لائق بہنوں کے روبرو اس کے متعلق پیش کرتی ہوں اور اُمید رکھتی ہوں کہ ہماری خدا دوست وصاحب لیاقت بہنیں اس پر پوری توجہ فرما کر اپنی اپنی رائے ظاہر کرینگی۔ وُہ تجویز یہ ہے کہ میرے خیال میں ایک خاص انجمن مسلمان بہنوں کی ہونی چاہیئے یہ تو ہم پردہ دار مستورات کے لئے مشکل ہے کہ ہر روز مل کر عبادت کریں۔ ہر جمعہ کو یا مہینے کے اوّل یا آخر جمعہ کو سب بہنیں جمع ہو کر اوّل نماز ادا کریں۔ بعد میں باری باری سے مذہبی باتوں پر لکچر یا درس دیا کریں۔ ہر مہینے ایک بہن کی باری ہونی چاہیئے اسی طرح سب بہنوں کو دینی کتابوں کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوگا اور اپنا اپنا لکچر دینے یا واعظ کہنے کے لئے وُہ دینی کتابوں کا مطالعہ ضرور کرتی رہینگی۔ جس وقت یہ رائے قائم ہوگی پھر مذہبی کتابیں اور دیگر تجویزیں بھی سوچی جاوینگیں۔

اب رہی یہ بات کہ وُہ مجلس کس جگہ پر ہونی چاہیئے۔ پس کرایہ مکان کے لئے فوراً چندہ جمع ہونا مشکل ہے پس فی الحال محلہ بہ محلہ مختلف مکانوں

پر اس کا انتظام کیا جائے۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ چندہ کر کے ایک زنانہ پردہ وار عبادت خانہ (مسجد) تعمیر کرائی جائے۔ اتنا چندہ عورتوں کے لئے ہونا فدا مشکل امر ہے۔ مگر وہ کونسی بہن ہونگی جو مسجد کیلئے چندہ نہ دینگی۔ شہر میں نظر اُٹھا کر دیکھا جائے تو بے شمار مسجدیں نظر آئینگی۔ تو کیا ایک زنانہ عبادتخانہ بننا ہی مشکل ہے؟ پہلے انسان کسی کام میں ہاتھ ڈالتا ہے تو امرِ محال نظر آتا ہے۔ جب کمرِ ہمت باندہ لیتا ہے تو ضرور کر کے رہتا ہے یہ کام تو خدا کا کام ہے۔ مجھے اُمید واثق ہے کہ ہماری ہمدردِ قوم بہنیں اس تجویز کو پسند کر کے اپنی رائے سے مطلع فرمائینگی*

دختران سید محمد شاہ صاحب بلیڈ
از لاہور

قطب مینار کا نہ صرف عجائبات دہلی میں بلکہ عجائبات عالم میں شمار ہے۔ سیاح دُور دُور سے صرف اسی دیکھنے کیلئے دہلی آتے ہیں۔ پُرانی عمارات میں اس شوکت شان کی عمارات جو صدیوں گرم و سرد زمانہ کے صدمے اُٹھانیکے بعد ایسی اچھی حالت میں قایم و باقی ہو۔ بہت ہی کم یاب ہے۔ یوں تو دہلی اور نواح دہلی تاریخی یادگاروں سے مالا مال ہے اور فصیل سے باہر نکلتے ہی چشم بینا کیلئے ایک دفتر عبرت کھل جاتا ہے۔ مگر شہر سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر وہ حصہ جہاں قطب مینار واقع ہے مطالعہ علم تاریخ کے شیدائی کیلئے ایک ایسی جامع کتاب ہے جس کی دلچسپی کبھی ختم نہیں ہو سکتی قدیم ہندو زمانہ کے کھنڈرات اور اسلامی عہد حکومت کے اولین نمونے پاس پاس کھڑے ہیں۔ مگر ان سب میں قطب مینار ہیئت میں ایسا ہی ممتاز ہے جیسا بلندی میں اس کا تناسب اعضا کی خوبصورتی خود بخود نگاہ کو کھینچتی ہے اور قریب جاکر جلی عربی خط میں قرآنی عبارات جو سارے مینار کی زینت ہے باذوق لوگوں کو متحیر کر دیتی ہے۔ صناع نے پتھر پر وہ خوشنویسی کی ہے کہ کاغذ پر بھی اُس کی نقل آسان نہیں۔ اس دلچسپ تاریخی یادگار کے مفصل حالات کسی قدر ایک علیحدہ مضمون میں

نہ خُرما نہ ثواب

ایک بہن جنابہ سیدہ صاحبہ نے جولائی گذشتہ کے پرچہ عصمت میں ایک مضمون بعنوان ہم خرما وہم ثواب لکھا ہی جس میں وُہ تجویز فرماتی ہیں کہ قرآن شریف کا اُردو ترجمہ اکیلا ایک اُردو کتاب کی صُورت میں چھاپا جائے تاکہ اُردو خواں بیبیوں کو قرآن کی تعلیم سے واقف ہونے کا شوق پیدا ہو اور غیر مسلمان عورتیں بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکیں نیز بے وضو ہونے کی حالت میں بھی اس اُردو ترجمہ قرآن کو چھو سکیں اور پڑھ سکیں۔

سیدہ صاحبہ اپنے شوق مذہب اور شوقِ اشاعتِ مذہب کے واسطے بیشمار تحسین و آفریں کی مستحق ہیں اور اُنکی یہ تجویز بھی بظاہر ایسی پیاری اور بھلی معلوم ہوتی ہے کہ مجھے خوف ہی کہ میری اِس ناچیز تحریر کے شائع ہونے سے پہلے ہی بعض خوش عقیدت اور نیک اعمال بہنوں نے سیدہ صاحبہ سے اتفاقِ رائے کر لیا ہوگا اور وُہ امید کرتی ہونگی کہ ہر ایک مُسلمان مرد اور عورت کو اس تجویز سے اِتفاقِ رائے ہوگا۔ مگر مَیں اس خیال کی بہنوں سے معافی مانگ کر گذارش کرتی ہُوں کہ مجھے اس تجویز سے اختلاف ہی اور سخت اِختلاف

ہے جس کی وجوہ یہ ہیں -

اوّلاً - مختصر طور پر عرض کرتی ہوں کہ قرآن شریف کو جو ایک خاص امتیاز دُوسری آسمانی کتابوں پر ہے وُہ یہ ہے کہ جو قرآن سوا تیرہ سو برس ہُوئے مُلکِ عرب میں جناب رسالتمآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا تھا وہی قرآن بلا ایک حرف یا ایک زیر یا زبر کے تغیر و تبدل کے آج ہمارے پاس ہر ایک مُلک میں موجُود ہے - دُنیا میں کوئی کتاب زمانہ کے حوادث کے اثر سے نہیں بچی سوائے اِس ایک کتاب قرآن مجید کے جس کے الفاظ اور عبارات کا بدلنا تو درکنار آج تک اُس کے الفاظ کی رسم الخط یعنی طرزِ نوشت بھی نہیں بدلی - علاوہ بریں قرآن شریف اور اُس کے ہر ایک حصہ کے رکوع - آیات الفاظ - حروف - زبر - زیر - پیش - جزم - تشدید - پھر ہر ایک حرفِ تہجی کی تعداد یعنی جتنی دفعہ وُہ قرآن شریف میں اِستعمال ہوا وغیرہ وغیرہ تک گنے ہُوئے ہیں اور کتبِ رموز القرآن میں درج ہیں اور پھر ان سب باتوں کے علاوہ قرآن شریف ہمیشہ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو حفظ یاد ہوتا ہے - قرآن شریف کی حفاظت کا اہتمام خود خداوند تعالےٰ نے جس کا وُہ کلام پاک ہے اپنے ذمہ لیا ہے اور مندرجہ بالا کل اسبابِ ظاہری اس کی حفاظت کے واسطے مہیا کر دیئے ہیں - خداوند تعالیٰ کی مشیت سے حفاظتِ قرآن کے یہ سب اسباب ایک ایسے زمانے میں مہیا اور میسّر ہو گئے جو مذہب کا زمانہ تھا ورنہ آجکل ایسے افلاطونی

زمانہ میں کسی مذہبی کتاب کی بابت ایسا اہتمام ہونا ممکن ہے۔ سیدہ صاحبہ کا مجوزہ ترجمہ ایک ایسی کتاب کی صورت میں ہوگا جسکا نام ہم اُردو کا قرآن رکھ سکینگی اور فرض کرلو کہ اسوقت ہم جناب مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمۂ قرآن سے یہ کتاب مرتب کرلیں۔ کسی دُوسرے شخص کے واسطے بھی اسی طرح سے ممکن ہوگا کہ مرزا حیرت صاحب کے ترجمۂ قرآن سے ایک اور ایسی ہی کتاب مرتب کرلے۔ اور اسی طرح ایک تیسرا شخص مولوی معشوق الٰہی صاحب کے ترجمۂ قرآن سے اور ایک چوتھا شخص مولوی فیروزالدین صاحب ڈسکوی کے ترجمہ قرآن سے ایک ایک ایسی ہی کتاب مرتب کرلے۔ یہ سب کتابیں اپنی اپنی جگہ پر اُردو کا قرآن کہلائینگی۔ لیکن یہ سب کتابیں کئی مقامات پر ایک دوسرے سے مختلف ہونگی کیونکہ کئی مقام پر ایک مترجم کا ترجمہ دُوسرے مترجم کے ترجمہ سے علیحدہ ہوگا۔ اب جب تجویز مخدومہ سیدہ صاحبہ قرآن شریف کی اصلی عبارت تو ان ترجموں کے ساتھ موجُود نہ ہوگی جو پڑھنے والے یا پڑھنے والی کو مقابلہ ترجمہ کرنے یا ترجمہ کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی جانچ کرنے یا موزوں اور ناموزوں الفاظ کا فیصلہ کرنے کے قابل بنائے نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص کے پاس جو کتاب ان میں سے ہوگی وُہی اس کا قرآن ہوگا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ کہا جاسکیگا کہ مختلف لوگوں کے پاس مختلف قرآن ہیں اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد یہ اختلاف اس قدر بڑھ جائیگا کہ جس کے ضرر کی کوئی حد نہ رہیگی۔ اور جب ان اُردو قرآنوں

سے ترجمہ در ترجمہ دُوسری زبانوں میں شروع ہوگیا۔ تو پھر اسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔ خدا وُہ دن نہ لائے کہ ہم اپنی مقدس کتاب کو ایسی حالت میں پائیں۔ میرا خیال ہر کہ طریق مروجہ جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں قرآن شریف کے ترجموں کا رہا ہے کہ وُہ در اصل عبارت قرآن کے ساتھ چھاپے جاتے ہیں وُہ طریقہ ایسا درست اور صحیح ہر کہ جس سے بڑھ کر احتیاط اور عقلمندی کا طریقہ خیال میں نہیں آیا۔ جن لوگوں کو یہ پروا نہ ہو کہ اُن کی آسمانی کتاب ہر ایک طرح محفوظ رہے وُہ چاہیں تو اُس کے علیحدہ ترجمے چھاپیں اور چاہیں خلاصے بنائیں لیکن وُہ قوم کبھی ایسا نہیں کرسکتی جس کا مایہ ناز ایک ایسا قرآن ہے کہ کسی قسم کی چھوٹی سے چھوٹی تبدیلی کو بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

دوم یہ کہ ترجمہ کے ساتھ اصلی عبارت قرآن کے ہونے سے ہمیں ہر وقت قرآن شریف کی زیارت اور تلاوت کا موقعہ ملتا ہے۔ ہماری آنکھوں سے وُہ الفاظ گذرتے ہیں۔ ہمارے مُنہ سے وُہ الفاظ نکلتے ہیں اور ہمارے کانوں کو وُہ الفاظ سُنائی دیتے ہیں جو اُس خدائے کلیم۔ سمیع اور بصیر کے الفاظ ہیں جو مُنہ نہیں رکھتا مگر بولتا ہے کان نہیں رکھتا مگر سُنتا ہے اور آنکھ نہیں رکھتا مگر دیکھتا ہے۔ خدا کی محبت نیکیوں کی جڑ اور نیکیوں کی انتہا ہے۔ اور اس لئے ایسے الفاظ کا آنکھوں سے دیکھنا۔ مُنہ سے بولنا

اور کانوں سے سُننا نہ صرف ایک غیر محسوس برکت کا باعث ہوتا ہے بلکہ اس سے خدا کی محبّت میں زیادتی اور خدا کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور خُدا کی عظمت وشان اور خدائی مذہب کی سچائی دِل میں جگہ پکڑتی ہے۔

سوم یہ کہ قرآن شریف کے اصلی الفاظ اور عبارت کے متعلق ہی یہ حکم ہے (نہ کہ اس کے ترجمہ کے متعلق) کہ اسکے پڑھنے والے یا پڑھنے والی کو ایک ایک حرف کے بدلے کئی کئی نیکیاں ملتی ہیں پس نہایت افسوس ہوگا کہ اس زمانہ میں جبکہ ہم مُسلمان دوسرے طور پر نیکیاں حاصل کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اُردو قرآن چھاپ کر یہ ذریعہ نیکیوں کے حاصل کرنے کا بھی کھو دیں جو پردہ کے اندر بیٹھنے والی کے واسطے اور میدانِ جنگ میں لڑنے والے کے واسطے ایک ہی درجہ کی آسانی رکھتا ہے۔

چہارم یہ کہ صرف اُردو کے قرآن کے رواج دینے سے مسلمانوں کا عربی قرآن سے جو اصلی قرآن ہے روز بروز تعلق گھٹتا جائیگا۔ اور وُہ دِن جلد آئیگا کہ وُہ لوگ جو اُردو قرآن سے مانوس ہونگے اصلی قرآن کو اوپری نظر سے دیکھینگے اور اُردو قرآنوں کی ترویج کے نتائج تو میں اوپر بیان کرچکی ہُوں اُنکے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا دِن خدا کرے کہ نہ آوے کیونکہ وُہ اسلام اور مسلمانوں کے واسطے نہایت ہی کمبختی کا دن ہوگا۔

پنجم یہ کہ کل اسلامی ممالک میں ترجمہ قرآن کو خواہ وُہ کسی زبان میں ہو قرآن کی رسّی سے باندھا جاتا ہے اور اسی واسطے قرآن کی عبارت کے نیچے ترجمہ کا لکھنا تمام اسلامی دُنیا میں رائج ہے۔ میری رائے ناقص میں ایک نیا دستور جو چل نکلا ہے کہ قرآن شریف کو اور اسکے ترجمہ کو آمنے سامنے کے صفحوں پر لکھا جاتا ہے اور چھاپا جاتا ہے یہ طریق بھی بند ہونا چاہیئے اور سطورِ ترجمہ ہمیشہ سطورِ قرآنی کے نیچے لکھی جایا کریں۔ بھلا اگر ترجمہ قرآن کا ایک علیٰحدہ کتاب کی صُورت میں شائع کرنا بہتر ہوتا تو جناب مولوی نذیر احمد جیسے مستند عالم جنھوں نے اپنے ترجمہ قرآن کو کیسی خوبصُورت لباس پہنائے ہیں ایسا کرنے سے کیوں باز رہتے۔

ششم یہ کہ جہاں ترجمہ کو قرآن شریف سے علیحدہ چھاپنے میں اس قدر نقص ہوں وہاں وضو سے بچنے کی آسانی جو سیدہ صاحبہ نے جتلائی ہے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ وضو کرو اور ضرور کرو۔ وضو کیا ہے؟ ہاتھ مُنہ پاؤں کا دھونا کلّی کرنا۔ ناک کو پانی سے صاف کرنا اور پانی والے ہاتھ سے سر کے گرد و غبار کو دُور کرنا کونسی مہذب بی بی ایسی ہوگی جو یہ نہ کرتی ہوگی بس اسی کا نام وضو ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو وضو کا زمانہ ہی اب شروع ہوا ہے کیونکہ صفائی کی طرف لوگوں کی توجہ اس قدر ہو چلی ہے کہ نماز یا قرآن پڑھیں یا نہ پڑھیں مگر وضو ضرور کرینگے اور یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ ہندو نہیں

بھی اُردو قرآن پڑھ لیا کرینگی۔ اِس کے متعلق میرا التماس ہے کہ جو ہندو بہنیں اُردو کا قرآن پڑھنے پر آمادہ ہونگی وُہ اُردو ترجمہ والے قرآن بھی اُس آسانی کے ساتھ پڑھ سکینگی۔

مَیں ڈرتی ہُوں کہ یہ مضمون طویل ہوتا جاتا ہے۔ اسواسطے اس کو یہیں ختم کرتی ہوں اور جناب ایڈیٹر اور جناب ایڈیٹر صاحبہ عصمت کی خدمت میں التماس کرتی ہوں کہ اِس ناچیز تحریر کو عصمت میں جگہ دیں +

راقمہ

فیروزالدین احمد بیگم از کھرڑ

عثمانی عورتوں کی حالت مشرقی و مغربی دو نو تمدنوں کے بین بین ہے۔ لباس یورپی ہے اور تعلیم بھی بہت کچھ یورپی مگر جن مکانوں میں وہ رہتی ہیں۔ وہ ایشائی۔ مکانوں میں پردہ کا پورا انتظام ہے سب دریچوں میں لکڑی کے پنجرے لگے ہوئے ہیں۔ اور مسلمان کا مکان فوراً اس نشان سے پہچانا جاتا ہے۔ مستورات میں سیر کے لئے نکلنے - ریل اور جہاز میں مستعدانہ سوار ہونے کی عادت مغربی ہے تو قبور کی زیارت - فقرا سے عقیدت مشرقی۔ شادی بیاہ میں ہندوستانی خواتین کے مقابلے میں انہیں ایک آسانی ہے کہ اُنکے ہاں حلقہ انتخاب وسیع تر ہے لیکن یہ شرط کہ شادی کے معاملے میں وہ اپنے والدین کے انتخاب کی پابند ہیں۔ ہمیں اپنی ہندوستانی بھینوں سے مساوات کا درجہ دیتی ہے۔ شادی بیاہ کی رسوم ترکوں میں ایسی پیچیدہ اور مسرفانہ نہیں جیسی ہندوستانی مسلمانوں کے طبقۂ امرا میں اور شرفا میں رواج پا گئی ہیں +

(مقام خلافت)

بدر النسا بیگم

بدر النسا بیگم شہنشاہ عالمگیر کی پانچویں لڑکی تھیں جس کی پیدائش ۱۶۴۷ء میں ہوئی۔ اُنکی والدہ کا نام نواب بائی بیگم تھا۔ یہ شہزادی شروع ہی سے نہایت ذہین اور طباع تھی۔ بچپن ہی میں بہت پیاری پیاری باتیں کرتی تھی۔ اس کی باتوں نے عالمگیر جیسے سنجیدہ بادشاہ کو اپنا گرویدہ کرایا تھا اور تمام قلعہ کی بیگمات بھی اسکو بے انتہا پیار کرتی تھیں جب بدر النسا بیگم کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو بادشاہ نے جو مذہب کا بہت بڑا پابند اور قرآن شریف کا عاشق تھا۔ ایک شریف معلمہ کو شہزادی کی تعلیم کے واسطے مقرر فرمایا جو مذہبی علوم سے خوب واقف تھی۔ بدر النسا بیگم کو کسی بات سے قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق ہوا اور فوراً اُس نے یاد کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ بہت حیرت کی بات ہو کہ شہزادی نے صرف دو سال کے عرصے میں قرآن شریف حفظ یاد کر لیا۔ عالمگیر کو اپنی ہونہار لڑکی کی ذہانت پر بہت حیرت ہوئی اور بیحد خوش ہو کر اُس نے اس تقریب پر بہت بڑا جشن کیا اور تمام فوج کو سلطنت کی طرف سے دعوت دیگئی اور اہلکاروں کو بڑے بڑے انعامات تقسیم ہوئے۔

بدر النسا بیگم نہایت خوش آواز تھی اور اُنکی آواز میں ایسا دلکش مقناطیسی اثر تھا جو دم بھر میں سُننے والے کو محوِ حیرت کر دیتا تھا۔

ایک روز بدرالنسا بیگم صبح کی نماز کے بعد صحن چمن میں بیٹھی ہوئی نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تھی۔ صبح بھی کی ہو چکی تھی۔ مشرق کی طرف آسمان پر آفتاب کی خنکی آمیز سرخ شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں۔ نسیم سحر کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے تھے اور جانوروں نے چہچہا کر عالم سکوت اور خاموشی کو دور کر دیا تھا۔ یہ وقت مصلحتاً نہایت ہی دلکش پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی کیفیتیں عجیب ہی اثر کرتی ہیں اور ہر شخص کو میٹھی نیند سے جگا کر اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہو کہ اگر انسان کے دل میں ذرا بھی صلاحیت ہو تو اس وقت کی دلکش کیفیتیں دیکھ کر فطرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس خداوند عالم کی بے بہا نعمتوں کا ایک مرتبہ تو شکریہ ادا کر لے۔ ایسے لذیذ اور سہانے وقت میں بدرالنسا بیگم جیسی حسین بیگم کا اپنی موسیقی خیز آواز میں کلام مجید پڑھنا عجیب ہی لطف دے رہا تھا۔ اتفاق سے عالمگیر بھی نمازِ صبح پڑھ کر چمن میں ادھر آ نکلا۔ بدرالنسا بیگم کی آواز سنی۔ چونکہ بدرالنسا بیگم نہایت ہی خوش الحان تھی اور اصول قرأت کے مطابق قرآن پڑھ رہی تھیں اور اتفاق سے آیتیں بھی بڑی پُر مضمون تھیں اس لئے شہنشاہ عالمگیر جو خود رتاً کلام الٰہی کا شیدا تھا بالکل مدہوش ہو گیا۔ نصف گھنٹہ کے بعد بدرالنسا بیگم اپنی معمولی تلاوت سے فارغ ہوئی تو بادشاہ اپنی اسی وجد کی حالت میں اسکے پاس آیا اور ایک بے انتہا مسرت کے ساتھ اس کی پیشانی پر

بوسہ دیا اور پیار کر کے بہت دعائیں دیں۔ اِس کے بعد بدرالنسا بیگم کو مذہبی تعلیم دلائی گئی اور اُس نے عربی پڑھنی شروع کی۔ اُس کی تیز طبیعت اور ذہنِ رسا نے اس علم میں بھی بہت حیرت خیز ترقی کی اور چار سال کے عرصے میں عربی پر پوری دستگاہ حاصل ہو گئی عالمگیر وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر سوال کرتا جنکا شہزادی بہت ہی معقول جواب دیتی جس سے بادشاہ خوش ہو کر معلّمہ کی تنخواہ میں بھی اضافہ کرتا اور بدرالنسا بیگم کے خوش کرنے اور حوصلہ بڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا بدرالنسا بیگم کو جب عربی میں پوری دستگاہ حاصل ہو گئی تو اُس نے دیگر علوم اور فنون کی طرف توجہ کی مگر چونکہ اُس کے سلامتی پسند ذہن کو سوائے علوم مذہبی کے اور کسی علم میں دلچسپی نظر نہیں آئی۔ اِسی لئے بدرالنسا بیگم نے تمام رسمی علوم فنون سے یکلخت اپنی نظر ہٹالی اور اب اپنا تمام وقت قرآن شریف اور حدیث فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرنے لگی۔ یہ ہوشیار شہزادی قرآن شریف کی نہ صرف عالم تھی بلکہ اس پر پوری عامل تھی۔ قرآن مجید اور حدیث کی تلاوت اس کا روزانہ کام تھا اور عبادت کا اُسے بڑا شوق تھا۔ عالمگیر مذہبی اصول کا سخت پابند تھا۔ بدرالنسا بیگم کے اس زُہد اور عبادت اور ریاضت سے بہت خوش تھا اور اس کی عالمانہ تقریروں پر عش عش کرتا تھا یہ عجیب اتفاق ہے کہ عالمگیر کی تمام اولاد میں صرف بدرالنسا بیگم اور اس کے دو نوں حقیقی بھائی حافظِ قرآن تھے گو عالمگیر

کے اور لڑکے لڑکیاں بھی مختلف علوم و فنون میں بہت بڑا درک رکھتے تھے اور علمی فیاضیوں میں مشہور اور لاجواب تھے مگر خدا کی قدرت کہ اس بزرگ اور عظیم ترین نصیحت سے محروم رہے اور کسی کو یہ عزت نصیب نہ ہوئی۔

بدر النسا بیگم کا منجھلا بھائی محمد معظم شاہ عالم بہادر شیعہ مذہب رکھتا تھا اور شاہی محل اور عالمگیر کے دربار میں اراکین سلطنت اور بیگمات زیادہ تر اہل سنت تھیں اور معدودے چند شیعہ اس اختلاف عقاید پر اکثر گفتگو رہتی تھی اور اندر اور باہر دونوں جگہ بڑے زور شور سے مناظرے ہوتے تھے اور نہایت دھوم دھام سے مباحثہ کی مجلسیں گرم رہتی تھیں۔ آخر کار یہانتک نوبت پہنچی کہ باہمی تنازعہ کا اندیشہ ہوا جس پر فریقین کی رائے سے بدر النسا بیگم اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حکم مقرر کی گئی۔ اس شہزادی نے اپنی خداداد عقل سے نہایت معقول اور شافی فیصلہ دیا اور اس جھگڑے کا خاتمہ کر دیا۔

بدر النسا بیگم کی زندگی میں یہ عجیب پرلطف بات پائی جاتی ہے کہ وہ جیسی حلیم الطبع خلیق اور نرم دل تھی اور جس طرح اس کے لئے اپنے مصاحبوں کو ذرا سی بات پر انعام سے مالا مال کر دینا کوئی بات نہ تھی اسی طرح ذرا سی رنجش یا بگاڑ کی وجہ سے وہ انہیں خون کے آنسو بھی رلا دیتی تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ بدر النسا اپنے باپ کی پیاری اور ماں کی لاڈلی تھی افسوس ہے کہ بدر النسا بیگم جیسی لائق اور

دادی جان کی نصیحت

بیٹی! آجکل تو وُہ زمانہ گذر رہا ہے کہ توبہ ہی بھلی ۔ بات بات میں نت نئی وضع نکلتی ہے وُہ وُہ سانگ دیکھنے میں آتے ہیں جنکا پہلے سان گمان بھی نہ تھا ۔ یہ حالت دیکھ کر میرا تو کلیجا مُنہ کو آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف نکل جاؤں ۔ نا بُوا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ بیٹھی ایک ایک کا مُنہ تکوں اور زبان سے ایک حرف بھی نہ نکالوں ۔ جب تک آنکھیں بند نہیں ہوتیں میری للو تو رُکنے کی نہیں ۔ چاہے بُرا مانو یا بھلا مجھے جو بُرا لگیگا میں تو صاف صاف کہونگی اور کیوں نہ کہوں ۔ کوئی مجھے کسی کا ڈر ہے؟ سنو بات یہ ہے کہ مجھے تو آجکل کی لڑکیوں کی تحریر ایک آن نہیں بھاتی انکی وہی مثل ہو رہی ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا ۔ بھلا کوئی اِن سے پُوچھے کہ تمہیں ہو کیا گیا جو اپنی روش چھوڑ کے دُوسروں کی چال سیکھتی ہو ۔ خدا رکھے زبان میں بھلا کوئی تمہاری برابری تو کر سکے ۔ پھر تم جو لگیں مردوں کی طرح عبارت آرائی کرنے تو کے رکعت کا ثواب ۔ مردوں کی بات مردوں کے ساتھ ہے "تم کون" ہتیں میں نہ تیرہ میں ۔ سُتلی کی گرہ میں پہلے اُن جیسا حوصلہ تو پیدا کر لو جب ہی مضمون نگاری میں لگا مُنہ چڑھاتا ۔

دلّی بھتے میں یہ دستور تھا کہ جہاں بچے کی زبان کھلی اماں باوا نے بسم اللہ پڑھوائی اور اُستانی کے حوالے کیا۔ اس زمانے میں تو لڑکیوں تک کی بسم اللہ بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ گودپیٹ کے علاوہ گھر گھر بلاوے جاتے سرسمدھیانے کے سب جمع ہوتے۔ لال کاغذ پر سنہری حرفوں میں سورۂ اِقْرَأْ لکھ کر بچی کے ہاتھ میں دی۔ لڑکی ہے کہ مارے خوشی کے پھولی نہیں سماتی۔ جھم جھم کے کپڑے پہنے دلہن بنی محفل میں آتی۔ اُستانی نے بسم اللہ پڑھائی اور بیویوں نے اپنے اپنے رشتے اور حیثیت کے موافق لڑکی کے ہاتھ پر روپے رکھنے شروع کیے۔ جب میہمان رخصت ہوگئے تو دوسرے دن اُستانی نے قاعدہ شروع کرایا۔ جب قاعدہ ختم ہوا اور زبان کچھ ٹوٹنے لگی تو عمّ کا سیپارہ آگے رکھا۔ اس خوشی میں لڑکی کے اماں باوا اگر غریب ہوئے تو فقط بتاشے بٹ گئے اور جو امیر گھرانے کی بچی ہے تو اُن لوگوں نے اپنی حیثیت کے موافق مٹھائی بانٹی۔ جب ذرا ہجوں میں چل نکلی تو جلدی جلدی سیپارے ختم ہوتے گئے۔ ایلو تین چار برس میں بچی نے قرآن شریف پڑھ لیا اور ہدیہ کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سب میہمان جمع ہوئے۔ اُستانی نے اپنی شاگرد کو آمین پڑھائی۔ نانی دادی نے روپے جوڑے اُستانی جی کے نذر کیے۔ اب لڑکی نے اردو کا قاعدہ پڑھا پہلی دوسری کتاب پڑھی اور جب کچھ کچھ اردو کے حرف اُٹھانے لگی تو راہ نجات شروع

کردی نماز روزے کے فرض سیکھے۔ اِدھر تو اُستانی نے اللہ رسُول کی باتیں سکھائیں۔ اُدھر ماں نے سینا پرونا آگے ڈالا۔ ماشاء اللہ ان گنا برس لگتے ہی راہ بخات ختم کی۔ اب لکھنے کا شوق ہُوا۔ اُستانی سے کہنے لگی۔ "چھی اُستانی جی! مجھے لکھنا سکھا دو"۔ جب لڑکی کا شوق اس طرف دیکھا تو اُنہوں نے بھی اس کے سکھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ بارھویں برس تو لڑکی کی دسوں اُنگلیاں دسوں چراغ ہو گئیں۔ ماں نے گھر کا سارا کام دھندا اُس پر چھوڑ دیا۔ ہر چیز اپنے ہاتھ سے رکھنے ڈھکنے لگی۔ گھر کا سارا خرچ اپنے ہاتھ سے اُٹھاتی اور جو کچھ اُٹھتا روزنامچہ میں درج کر لیتی۔ دھوبن کی کتاب الگ دُودھ والے کا حساب جُدا قصائی کی چٹھیاں علیحدہ۔ ہر چیز اپنے قرینے سے رہتی۔ باپ بھائی کہیں باہر گئے ہُوئے ہیں تو اُنکو خود ہی خط لکھ کر ڈالن مگر اُس زمانے کی لڑکیوں میں یہ بات نہیں تھی کہ کسی کو خط جو لکھا ہے تو اُس میں وُہ وُہ الفاظ بھریں کہ الٰہی توبہ اگلے زمانے کی لڑکیاں تو جو گھر میں روزمرہ کی بات چیت سُنتی تھیں اسی طرح حرف بحرف لکھدیتی تھیں یہ نہیں تھا کہ آجکل کی علامۂ دہر لڑکیوں کی طرح مضمون نگاری کریں اور مردوں کے قدم بہ قدم چلیں۔ پھر دیکھ لو! اس کا نتیجہ کیا ہُوا بس یہی نا کہ دھوبی کا کُتا گھر کا نہ گھاٹ کا اپنی سیدھی سادی زبان کو بھی رو بیٹھیں اور مردوں کی برابری کرنی تو خیر بڑی بات ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ اس زمانے والے جو نئی روشنی کے ہیں اور بڑی شیخی بگھارتے ہیں کہ صاحب ہمیں عورتوں

کو تعلیم دینی چاہئے یہ کرنا چاہئے اور وہ کرنا چاہئے اور کرتے خاک بھی
نہیں۔ اُن کی عقل پہ کیا پتھر پڑ گئے ہیں جو مضمون تو لکھیں عورتوں
کی خاطر اور عبارت لکھیں ماشاء اللہ ایسی کہ مجھ جیسی ان پڑھ سے
تو ایک حرف بھی نہ اُٹھ سکے۔ اس قماش کے لوگوں نے اس چھوٹی
تنی کو کسی جوگا نہیں رکھا جب ان بیچاریوں کے سامنے کہ جنہوں
نے آنکھ کھول کے دُنیا میں کتاب کے نام فقط دو ایک رسالے دیکھے
ہوں ایسی موٹی اُجڑی عبارتیں آئینگی تو اُن پر کیا کچھ اثر نہ ہوگا؟ اُسے
رہ تو یہی چاہینگی کہ ہم بھی ایسے ہی مضمون لکھیں۔ اب اگر انہیں کوئی
بڑی بوڑھی سمجھانے بیٹھے کہ بیٹی جیسا تم بولتی ہو ویسا ہی لکھو تو
سمجھتی ہیں کہ بڑی بی ہیں یہ کیا جانیں کہ چار دانگ عالم میں کیا ہو رہا
ہے پر خود کو خبر نہیں کہ ان مضمونوں کی نقلیں کر کر کے اپنا آپ
ستیاناس کر رہی ہیں۔ بُوا میری نظر سے تو عورتوں کے بہت سے
رسالے گذرے میں نے تو کبھی نام کو بھی کوئی ایسا مضمون نہیں دیکھا
کہ جس کی زبان ہم جیسی بڑھیائیں سمجھ سکیں کچھ تم ہی خوب سمجھتی ہوگی
ہم بیچاریوں کا تو اتنا نام ہے نہیں۔ اللہ بھلا کرے مخزن والوں کا کہ کبھی کبھی
مولوی عبدالراشد کا مضمون چھاپ دیتے ہیں جو اب تک ہماری بولی کا
نام و نشان بھی باقی ہے ورنہ ان نئی روشنی والوں کی ذات سے تو یہی
اُمید تھی کہ ہماری اچھوتی زبان کا کھوج تک کھو کے بھی چین سے نہ
بیٹھینگے۔ اے لو اگلے مہینے کا ذکر ہے کہ مولوی صاحب کا مضمون

مخزن میں چھپا تھا۔ خدا کی قسم کھا کے کہتی ہوں ایسا مضمون میں نے تو کبھی دیکھا نہ سُنا۔ باتیں تو ساری وہی تھیں جو ہماری روز کی بول چال ہے مگر لکھیں جو تھیں تو کچھ سے کچھ ہو گئی تھیں۔ بوا میری تو مرضی یہ ہے کہ ایسے مضمون عورتوں کے رسالوں میں ہمیشہ چھپنے چاہئیں تو ٹھیک ہو مگر خرابی تو یہ ہو کہ آئیں کہاں سے۔ لوگ ہم بڑھیوں کو نام تو دھرتے ہیں کہ انکے دقیانوسی خیال ہیں آجکل کی لڑکیوں کو دیکھ نہیں سکتیں۔ مگر ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ نئے خیال والیاں کیا تیر مار رہی ہیں دنیا سے انوکھی باتیں کرتی ہیں اس کا نتیجہ بھگتتی ہیں۔ یہاں تک تو نوبت پہنچ گئی کہ لڑکیاں لڑکوں کی طرح بات چیت کرنے لگیں اور کیا ہونا باقی ہے۔ خیر! ہمیں کیا ہماری تو جیسی گذرنی تھی گذر گئی۔ اب تو تمہارا فکر ہے کہ دیکھنے تم کیا پتھر ڈھوو گی۔ پہلے قاعدہ تھا کہ لڑکیاں بڑی بوڑھیوں کے پاس بیٹھتیں۔ اگلے زمانے کی باتیں آجکل ہیں باندھتیں انکو ویسی ہی اٹکل ہوتی بڑی ہو کر جو بات چھٹپن میں کان میں پڑی تھی اس کا خیال رہتا اور اپنے بزرگوں کے قدم بہ قدم چلتیں۔ اس زمانے کی لڑکیوں کو تو گڑیوں تک کا شوق نہیں۔ نہیں تو یہ ہوتا تھا کہ دو چار سہیلیاں ملیں اپنے خوشی خوشی گڈے گڑیا کی بات ٹھہر گئی۔ بیٹے والوں نے کوئی مبارک تاریخ ٹھہرا منگنی کی مٹھائی خوانوں میں لگا کر بیٹی والوں کے ہاں بھیجدی۔ اُنہوں نے پاؤ حصہ مٹھائی کا اور خوانوں میں ترکاری بھر کر سمدھیانے بھیجی۔ دولہا کی ماں اور ساتھ والیوں نے جا کر دلہن کا منہ

بیٹھا کیا اور جو کچھ گہنا پاتا چڑھانا ہوا وہ چڑھا دیا۔ اے لو! کہنے میں مٹھائی
بٹ گئی سب کو معلوم ہو گیا کہ گڑیا کی بات ٹھہر گئی۔ پھر ساون آیا تو ساون
کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دُلہن کے جھولنے کے لئے ریشمی رستے
رنگین پٹریاں فصل کی ترکاری مہندی چوڑیوں کے جوڑے بھیجے۔
شبرات آئی۔ پھلجھڑیاں۔ انار۔ مہتابیاں اور طرح طرح کی آتش بازی گئی
عید کو عیدی بھیجی۔ دونوں طرف کے خوب ارمان نکلے۔ جب اسی طرح
کچھ عرصہ گذر گیا تو دولہا کی اماں نے سمدھن سے کہلا کے بھیجا "بوا! اب
نیک ساعت دیکھ کر کوئی تاریخ ٹھہرا دو"۔ اس پہ بیٹی والوں نے تیوری پہ
بل ڈال کے جواب دیا کہ "ابھی ایسی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو تیل دیکھنا
ہے تیل کی دھار دیکھنی ہے تم لوگ تو وہی کہاوت کرنی چاہتے ہو کہ
چٹ تیری منگنی اور پٹ تیرا بیاہ ہمیں ایسے جلدی کر کے کوئی جگ ہنسائی
تھوڑی کرانی ہے۔ چار سننے سنانے بھی کہینگے کہ ان پہ ایسی کیا بپتا
پڑ گئی تھی جو بیٹیا کی دو روٹیاں دوبھر ہو گئیں۔ خدا کے لئے ایسی کیا دھا
تھی کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ لڑکی کے دو بول پڑھا سر سے مصیبت ٹالی۔
نابیوی ہم کو تو یہ نہیں کرنا۔ یہ بھی جانے کیا بات تھی کہ تم لوگوں کے منہ پر بات
رکھتے ہی ہم نے ہاں کر لی نہیں تو برسوں بات رہتی ہے۔ ماماؤں مشاطاؤں
کی جوتیاں ٹوٹتی ہیں برقعے پھٹتے ہیں جب کہیں مٹی والے نیم راضی ہوتے
یہ جواب سنکے تو دولہا کی اماں کچھ سہم سی گئیں اور کہنے لگیں "بوا! میں تو
منہ سے بات نکال کر گنہگار ہو گئی مجھے بی سمدھن کے مزاج کی خبر ہوتی کہ غصہ

ہر وقت ناک پہ دھرا رہتا ہے تو جہاں اتنی چیکی تھی اور چیکی رہتی، غرض یہ کہ سمدھنوں میں یوں ہی نوک جھوک رہتی آخر کار بیاہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ نکاح سے ایک دن پہلے سمدھنیں دلہن والوں کے ہاں آرائش کی سانچق لے کے گئیں۔ ہر طرف چہل پہل نظر آنے لگی۔ ہمجولیوں میں ہنسی مذاق سمدھنوں کی خاطر مدارات یہ سب کہ ایسے کچھ ایسے سامان تھے کہ جنہیں دیکھ کر دولہا کی اماں پھولے نہیں سماتی تھیں بڑی منت مرادوں سے اللہ نے یہ دن دکھایا بہو بیاہنے چڑھیں۔ دوسرے دن عصر مغرب کے درمیان گڈے گڑیا کا نکاح بندھا۔ مبارک سلامت ہونے لگی۔ مٹھائی بٹنے میں بچوں کے شور و غل نے مکان سر پر اٹھا لیا ادھر تو جہیز نکلنا شروع ہوا۔ چھپر کھٹ پلنگ شوہدوں نے سنبھالا برتن کھانچیوں میں رکھے گئے۔ ادھر دولہا کی اندر بلاوا ہوا۔ آرسی مصحف کرایا۔ دولہا سے کالے تل چبوائے۔ نباتیں چنوائیں۔ جب ساری رسمیں پوری ہو چکیں تب جا کے اسکو رہائی ملی۔ دلہن کو گودی میں اٹھا کر پالکی میں بٹھایا۔ خود گھوڑے پر سوار ہو اپنے گھر کو سدھارا۔ صبح کو دلہن کی منہ دکھائی ہوئی۔ سب مہمانوں نے اپنے اپنے رشتے سے منہ دکھائی دی۔ غرض چوتھی ہوئی چالے ہوئے اور جو جو سچ مچ کی شادیوں میں ہوتا ہے سب ہی تو ہوا۔ پھر بیٹی تمہیں بتاؤ کہ ان لڑکیوں کو سلیقہ اور شعور نہ ہوتا تو اور کس کو ہوتا۔ میں نے جو یہ ساری داستان تمہارے آگے روئی تو فقط یہ جتلانے کو کہ ان گڈے گڑیا کے بیاہ شادی کے بہانے سے لڑکیاں ساری رسوم کے نام جان

باتی تھیں اور ایک دوسرے کے میل جول سے وضع وضع کی کہاوتیں سیکھ جاتی تھیں۔ اب اس نئی پود کی باتیں سُنو کہ جب کبھی میں ان کو سمجھاتی ہُوں کہ بیٹی یُوں نہیں یوں کرو۔ جب ہی تنک کے بولتی ہیں "دادی جان! آپکو نہیں معلوم آجکل کا فیشن یہی ہے"۔ میں نہیں جانتی وہ فیشن کیا بلا ہے۔ خیر ہمارے مرے پیچھے انکو قدر معلوم ہوگی اور سر پہ ہاتھ دھر کر روئینگی کہ ہائے ہم نے کیوں کہنا نہ مانا؟ اللہ! ابھی کل کا ذکر ہے کہ میں برابر ان لڑکیوں سے کہہ رہی ہُوں کہ بیٹیو تم جو کچھ بھی مضمون لکھو اپنی بولی میں لکھو۔ حاشا للہ میں اس زمانے کی تعلیم کو بُرا نہیں سمجھتی۔ بھلا میرا کوئی سر پھرا ہے کہ خواہ مخواہ علم تحصیل کرنے کے خلاف ہو جاؤں۔ پر میں تو فقط اس کو پیٹتی ہوں کہ اے لوگو! تم یہ کیا ہی جو اپنی بولی بگاڑے دیتے ہو جب تمہیں اپنی زبان کی سُدھ نہیں تو تم اور کچھ سیکھ کر کیا خاک اوڑاؤ گے۔ مسئلے مسائل تمہیں نہیں آتے۔ کہاوتوں سے تمہارے کان ناآشنا۔ پہیلیوں کہانیوں کو تم نئی تعلیم والیاں نہ سمجھو تو پھر بتاؤ کہ تمہاری زبان ٹھیک ہو تو کیونکر ہو۔ اچھا! یہ بھی مانا کہ تمہیں ہم بڑھیوں کی بولی سے نفرت ہے اور ایک آن نہیں بھاتی تو تم مردوں ہی کی بولی میں کچھ پوری ڈالو پھر میں کہونگی تو تم کو بُری لگیگی کہ تمہاری تو وہی مثل ہو رہی ہے۔ "دُگدا میں رہے دونوں گئے مایا ملی نہ رام" یہ عمر تو تمہاری اس قابل ہو کہ اپنے گھریلو زبان میں ایسی مہارت حاصل ہو کر بڑے بڑے لکھنے والوں کو

پر سے بٹھاؤ۔ کوئی مضمون لکھو یا کوئی خط لکھو تو اس کا ہر فقرہ نپا تلا ہو ہر ایک بات میں اپنی زبان کا پاس رہے۔ ایلو دُور نہ جاؤ میں اپنے ہی گھر میں نئی اور پُرانی روش کا نمونہ دکھائے دیتی ہوں۔ اللہ رکھے میری بڑی بہو سب طرح سگھڑ اور لائق ہیں مگر ہاں اس زمانے کی پڑھی لکھی ہیں کل کا ذکر ہے اُنھوں نے یہ رقعہ بھیجا تھا جو میں تم کو پڑھ کر سُنائے دیتی ہوں:۔

رُقعہ

جناب والدہ صاحبہ معظمہ

آداب۔ مجھ کو یہ کہتے ہُوئے سخت افسوس ہوتا ہے کہ میری ماما نہایت بدتمیز عورت واقع ہُوئی ہے اور نہ مجھے اُس سے کسی قسم کا آرام نہیں ہے۔ سالن وغیرہ پکانے میں بہت بے احتیاط ہے۔ روٹی پکاتی ہے مگر ناقص جو دِقت سے کھائی جاتی ہے آپ مہربانی فرما کے کوئی اور ماما بھیج دیجئے ورنہ مجھ کو خود کھانا پکانے کی تکلیف اُٹھانی پڑیگی۔

واقعہ آپکی فاطمہ

یہ تو تم نے سُن لیا اب میں ایک اور رقعہ تم کو سُناتی ہوں جو نجم النسا (میری چھوٹی بہن) نے اتفاق سے اسی مضمون کا بہت دن ہُوئے جب بھیجا تھا۔ وُہ بیچاری اگلے زمانے کی ہے اسی لئے اپنی سیدھی سادی بولی میں لکھدیا ہے۔ تم لڑکیاں اُسے سُنکر ہنسو گی تو سہی مگر یہ یاد رکھو جو مزا سادگی میں ہے وُہ بناوٹ میں نہیں۔ رقعہ یہ ہے:۔

بڑی آپا صاحبہ آداب! اچھی حضرت کوئی پکانے والی نہ مجھے

بیہودہ۔ اس اُجڑی فہیمن کے ہاتھوں تو میرا ناک میں دم آگیا ہے۔ خدا جانے اس کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئی اس کے ہاتھ کی خیر و برکت مزا حلاوت کون لیگیا۔ کتنا ہی گھی دو کبھی جو سالن پر رُوپ ہووے۔ کیسے ہی مہین چاول وہ نگوڑی گوندا کر دیتی ہے۔ کیسا ہی لوچدار آٹا ہو جب دیکھو موٹے موٹے بچنگڑے پکا آگے رکھ دیگی۔ گندی میں ایسے پکوانے سے جس میں خاک مزا آئے نہ حلاوت اور مفت پیسہ برباد ہو۔ کہاں تک چھٹی بھروں اپنے ہاتھ سے آپ نہ پکاؤں۔ آپا سچ مچ میری تو وہی کہاوت ہو رہی ہے کہ "زر دادن و درد سر خریدن" اب جب تک کوئی نوکر نہ بھیجینگی میں اپنے ہاتھ سے لاچار آپ پکاؤں گی مجھ سے یہ نگوڑا اوگرا روز کے روز نہیں کھایا جاتا +

رقیمہ نیاز نجم النسا

(روف بیگم امروہی)

اے ماؤں بہنوں بیٹیو دنیا کی زینت تم سے ہے ۔۔۔ ملکوں کی بستی ہو تمہیں قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں شہروں کی ہو آبادیاں ۔۔۔ غمگین دلوں کی شادیاں دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن تم بن ہے ویرانہ چمن ۔۔۔ ہو دیس یا پردیس جینے کی حلاوت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا طینت میں ہے مہر و وفا ۔۔۔ گھٹی میں ہے صبر و رضا انساں عبارت تم سے ہے
مردوں میں ست والی ہے تم جوت ہے تم بیاک کی ۔۔۔ دنیا میں ہے استو تیتو لے دیکھے عزت تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویراں سب گھر میں دولت تم سے ہے

(حالی)

سیر یورپ

(از ہز ہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجان)

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

نہر سویز ۳ مئی ۱۹۰۶ء - اب اس خوبصورت جگہ پر آکے ٹھہرے ہیں - نہر کے باہر جہاز ہے - کئی گھنٹے یہاں ٹھہر کر پھر آگے بڑھینگے - جوں جوں ہم سویز کنال کے داخلہ کے قریب آتے گئے پانی کا رنگ عجب خوشنما بنتا چلا گیا - فیروزی سا رنگ تھا جسے دیکھ کر چشمہ ویرناگ کے پانی کا خیال آیا صرف یہ فرق تھا کہ وہ نہایت صاف تھا اور یہ ذرا گدلا اطراف کے ٹیلے نافرمانی رنگ کے - نیلگوں آسمان - پانی پر شعاعوں سے کئی کئی رنگ پیدا اور ناپیدا ہوتے تھے - ہم تو اس نظارہ کو دیکھ کر وجد میں آگئے - کون کہتا ہے ان حصّوں میں خوبصورتی نہیں ؟ میرے خیال میں تو رنگت کی خوبصورتی ایسی کہاں نظر آئیگی - داخلہ کے قریب آکر لنگر ڈالا - دُور سے سویز کا شہر دکھائی دیتا تھا جس میں کھجور کے بلند درختوں کی چوٹیاں بہار دے رہی تھیں - عمارتیں کوئی خاص خوبی نہیں رکھتیں - گو شہر اچھا آباد معلوم ہوتا ہے - مگر آسمان اور سمندر کے عکس نے کچھ ایسا پرتو اس شہر پر ڈال رکھا تھا - کہ جی چاہتا تھا سے دیکھے جائیں - میں نے بھائی سے کہا کہ آپ کپتان سے اجازت

بیگم ہمیں جہاز کے اوپر کا حصہ دکھائیں۔ کیونکہ وہاں سے نظارہ اور بھی پرلطف ہوگا۔ انہوں نے حضور کی طرف سے جا کر کپتان صاحب سے کہا فوراً اجازت مل گئی۔ گو عام طور پر کسی کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ ایک دو اور ہندی کھڑے تھے۔ انہیں ہم نے ساتھ لے لیا۔ گو افسوس سب کو اطلاع کر کے لیجانے کا وقت نہ تھا۔ جس جگہ پر سے اب یہ نظارہ دیکھا وہ ۵۰ فیٹ بلند ہے۔ آپ اس سے جہاز کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہاں سے اور ہی سماں نظر آیا۔ یہاں ہم نے جہاز کے بعض اور ضروری آلات دیکھے۔ سکان کس طرح پھرایا جاتا ہے وقت کیونکر ٹھیک رکھتے ہیں۔ کپتان جہاز میں حکم کس طرح بھیجتا ہے غرض جہانتک یہ نظارہ پیش نظر تھا ہم اوپر رہے اور اسے دیکھتے رہے لیکن کنال کے اندر داخل ہوتے ہی وہ لطف نہ رہا۔ کیونکہ ٹیلوں کے عوض میں سپاٹ زمین نظر آنے لگی اور منظر معمولی رہ گیا۔ سویز میں بہت سے پھیرے والے آئے۔ مگر ہم نے ان سے کچھ نہ خریدا۔ کیونکہ بہت مہنگی چیزیں بیچتے ہیں۔ صرف ایک ڈبہ نوگا البتہ لیا۔ بہت ملنسار تھا۔

پورٹ سعید۔ ۴۔ مئی ۱۹۰۸ء۔ رات کو کوئی چار بجے کے قریب بندر سعید پر پہنچنے کا شور مچنے لگا۔ پہلے گھڑ گھڑ سی آواز ہوئی۔ پھر کچھ دھم سے گرا۔ معلوم ہوا کہ جہاز نے لنگر ڈالا۔ کچھ نئے مسافر آ کر سوار ہوئے حمالوں اور مزدوروں نے ہر طرف غل مچایا۔ یہ آوازیں ہم پڑے پڑے سن رہے تھے گو نیند کافور ہو چکی تھی۔ ذرا روشنی ہوئی تو میں اٹھ کھڑی

ہُوئی۔ جب نیند نہ آسکتی تھی تو پڑے رہنا بیکار تھا۔ نماز وغیرہ سے فراغت پاکر میں نے کپڑے پہن لئے۔ مگر بہت جلد کپڑے پہن کر عرشے پر جانے کے لئے تیار ہوجانا بھی بے سود ہے۔ کیونکہ باہر مرد ایسے لباس میں پھرتے ہیں کہ بیبیوں کا جلد نکلنا مناسب نہیں۔ ایک سٹیوارڈ (خادمِ جہاز) نے آکر کمروں کے پورٹ ہول یعنی گول روشندان جو روشنی اور ہوا کے لئے ہر کیبن میں ہوتے ہیں۔ سب بند کردیئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کوئلہ بھرا جارہا ہے۔ اور تمام دن بھرا جائیگا۔ شکر کہ موسیقی کے بڑے کمرے میں جائے پناہ ہے۔ ورنہ کیا کرتے۔ اور اتنی سردی بھی ہے کہ اندر بیٹھا جاسکتا ہے۔ آٹھ بجے میں صبح کے ناشتہ کا وقت آگیا۔ ناشتہ کرکے ہم جہاز کے اوپر گئے دیکھا کہ بازار لگ رہا ہے۔ دوکاندار اپنا اپنا سامان دکھا رہے ہیں لیس کے رومال وغیرہ اچھے اچھے نفیس تھے۔ مگر قیمتیں بہت زیادہ تھیں۔ یہ رائے ہُوئی کہ کنارے پر جاکر بڑی دوکانوں سے خریدینگے کنارے گئے تو وہاں بھی قیمتوں کا وہی حال تھا۔ اِس لئے کچھ نہیں خریدا۔ جہاز پر آئے تو دوپہر کے کھانے کا وقت تھا۔ کھانے کے بعد اوپر گئے تو پھر وُہی دوکانداروں کا شور تھا۔ مسٹر گوکھلے اس وقت میرے قریب کھڑے تھے۔ کہنے لگے۔ کہ اِس سفر میں پہلی مرتبہ آپ نے جس زمین پر قدم رکھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ وُہ ترکی زمین ہے۔ آپ ضرور اسے اپنی کتاب میں لکھ رکھیں۔ قابلِ یادگار بات ہے

کوئی پانچ سوا پانچ بجے جہاز پھر روانہ ہوا۔ اس جہاز پر نوکر کے سوا اس وقت چالیس ہندی ہیں۔ اور دو کے سوا سب پہلے درجے میں ہیں۔

سہ شنبہ ۔ ۵ ۔ مئی ۱۹۰۸ء۔ اب ہم میڈیٹرینین یعنی بحیرۂ روم میں داخل ہیں۔ ہوا سرد ہو گئی ہے۔ اب اوپر کم بیٹھنا ہوتا ہے۔ میں سالون میں بیٹھی خط لکھ رہی ہوں۔ آج صبح حسب معمول خط لکھنے بیٹھی تھی کہ مہاراجہ کوچ بہار کے سکرٹری آ نکلے اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے ۲۹ سال سے مہاراج کی خدمت میں ہیں۔ اور اُنکی عمر ۵۲ سال کی ہے۔ اُنکی عمر دریافت کرکے مجھے تعجب ہوا کیونکہ اتنی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اپنے تعجب کا اظہار کیا تو بولے :۔ مہاراجہ صاحب کے ہمراہ ہمیشہ پہاڑوں پر جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے صحت اچھی رہتی ہے۔ یہ سکرٹری صاحب آٹھویں دفعہ یورپ جا رہے ہیں۔

آج مسٹر دت کو میں نے اپنی کتاب دکھائی جس میں بہت سے سربرآوردہ لوگوں کے دستخطی عبارتیں جمع کی ہوئی ہیں۔ اور اُن سے کہا کہ وہ بھی اپنے قلم سے کچھ اس میں لکھیں۔ اُنہوں نے فوراً کچھ شعر انگریزی کے کہے۔ اور میری کتاب میں لکھ دیئے۔ یہ فی البدیہ قوت شعر گوئی بہت داد کے قابل ہے۔ چونکہ بہت سے شعر ہیں اس لئے یہاں نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ملک اور قوم کی محبت اور وطن کی ترقی کی کوشش ان باتوں کو ایسے عمدہ الفاظ میں لکھا ہے۔ عطیہ بہن کی کتاب میں بھی کچھ ابیات لکھی ہیں۔ جو مجھے بہت پسند آئی ہیں۔ مسٹر دت نے اپنی زندگی میں

بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو مشہور اور مقبول ہو چکی ہیں۔

بدھ۔ ۶۔ مئی ۱۹۰۸ء دوپہر کو لنچ کے بعد مسز چکرتی نے عمدہ بین گائے۔ بہت ہی اچھا گاتی ہیں۔ اور آواز میں بھی نہایت شیرینی ہے بنگالی بیبیاں یوں تو اکثر گانے میں ہوشیار ہوتی ہیں۔ مگر مسز چکرتی غیر معمولی طور پر باکمال ہیں۔

جمعرات۔ ۷۔ مئی۔ آج جو نظارہ دیکھا۔ وہ دیر تک نہ بھولیگا۔ اٹلی اور سسلی کے کنارے نظر آتے تھے۔ کوہ اٹنا کی چوٹی برف سے سفید تھی مگر پھر بھی دھواں نکل رہا تھا۔ اگر رات ہوتی تو آگ بھی نکلتی دکھائی دیتی۔ آبنائے میسینا سے گذرے تو دونوں طرف نہایت خوبصورت شہر آباد ہیں اور جا بجا پہاڑیوں پر محل نظر آتے ہیں۔ پہاڑ انگور، زیتون نارنگی وغیرہ کے درختوں سے بالکل سبز ہیں۔ اس مقام کو خدا نے گویا اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ کوئی تین گھنٹے ہم اس منظر کو دیکھتے رہے۔ اتنے میں لنچ کی گھنٹی ہوئی۔ لنچ کھا ہی رہے تھے کہ شور ہوا۔ سٹرومبولی پہاڑ نظر آنے لگا۔ چلو اسے دیکھیں۔ جلد کھانا ختم کر کے عرشے پر گئے یہ پہاڑ بھی آتش فشاں پہاڑ ہے۔ اور اس وقت زور میں تھا۔ دھواں برابر نکل رہا تھا۔ اندھیرا ہوتا تو شعلے نظر آتے۔ خدا کی شان ہے۔ اس کے دامن میں بھی ایک شہر خاصہ آباد ہے۔

جمعہ۔ ۸ مئی ۱۹۰۸ء۔ آج صبح بخیریت مارسیلز پہنچ گئے۔ سب نے ڈرایا تھا کہ خلیج لیون میں بہت تلاطم ہوگا مگر کل شام کو صرف دو تین گھنٹے جہاز

زولا۔ مجھے بھی ذرا بخار سے آ گئے۔ کھانے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ ارادہ تھا کہ صرف ٹوسٹ کھا کر گذارہ کرونگی۔ کہ اتنے میں حضور نے آکر خوشخبری سنائی کہ بہت عمدہ مرغ کا سادہ پلاؤ پکا ہے۔ عجیب بات ہو کہ میرا دل بھی اس وقت یہی چاہتا تھا۔ کہ لذیذ چانول ہوں تو کھاؤں۔ یہ سنتے ہی میں نے عطیہ بہن سے کہا کہ میرے لئے کھانا کیبن میں ہی لے آئیں اُنہوں نے بھی کچھ نہ کھایا تھا۔ وہ دُور کا بیان نے آئی۔ میں نے تو خوب کھالیا اور میری طبیعت درست ہو گئی۔ مگر وہ نہ کھا سکی اور سو گئی۔ خیر صبح ہوتے ہی کشتی کنارے پر آ لگی اور ہمارے سفر بحری کا خاتمہ ہوا۔ کنارے پر غریب بچے ناچ رہے تھے اور لوگ انہیں پیسے دے رہے تھے۔ ہم بھی کھڑے یہ تماشا دیکھتے رہے۔ اکثر لوگ انگبوٹ کے مارسیلز پہنچے ہی اُتر گئے اور انہوں نے ہوٹلوں وغیرہ میں جا کر کھانا کھایا۔ اس مشکل سے بچنے کے لئے ہم لنچ کے بعد نکلے۔ کُک کے آدمی نے ہماری سیر کا انتظام کر دیا۔ ریل سوا آٹھ بجے چلنے کو تھی۔ اس لئے سیر کے لئے ہمارے پاس خاصہ وقت تھا۔ میرے خیال میں مارسیلز خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کے گھوڑے بڑے بڑے قد آور ہوتے ہیں۔ جو کام ہمارے مُلک میں بیلوں سے لیا جاتا ہے۔ وہ بھی یہاں گھوڑے کرتے ہیں اور اتنا بوجھ کھینچ لے جاتے ہیں کہ انسان دیکھ کر بالکل دنگ ہو جاتا ہے۔

مارسیلز میں تھوڑے دنوں میں ایک نمائش ہونیوالی ہے۔ ابھی اسکی

عمارات مکمل نہیں ہوئیں۔ تاہم اس موقعہ کو جا کر دیکھا۔ اور خوب گھوم گھام کر واپس آئے۔ رات کو اسٹیشن کے ہوٹل میں کھانا کھایا اور سوار ہو گئے۔ یورپ میں رات کے سفر کے لئے سلیپنگ کار یعنی سونے کی گاڑیاں الگ ہیں جن کا کرایہ معمولی گاڑیوں سے زیادہ دینا پڑتا ہے۔ ہمارے لئے ویسی گاڑی کا انتظام ہو گیا تھا۔ اس میں جا کر لیٹ جاتے ہیں مگر میرے نزدیک یہ چیز آرام کی نہیں۔ صبح کو رستے میں ایک سٹیشن پر ناشتہ کیا۔ فرانس والے روٹی کی قسم کی نہایت ہی نرم صبح کے ناشتے کے لئے تیار کرتے ہیں۔ بس وہ روٹی کھائی اور چار کو لیٹ پیا۔ ۹½ بجے کے قریب پیرس پہنچے۔

شنبہ ۹۔ مئی ملک فرانس کا جتنا حصہ صبح سے دیکھا۔ نہایت دلکشا پایا۔ بالکل سبز۔ سب درخت قرینے سے کٹے ہوئے۔ کوئی درخت بے جا نہیں۔ آرائش اُن لوگوں پر ختم ہے۔ اب پیرس سے کیلے کی طرف روانہ ہوئے اور کوئی سوا بجے کیلے پہنچے۔ تھوڑا سا سفر آگبوٹ کا پھر پیش آیا۔ ڈر تھا کہ یہ حصہ سفر کا تکلیف دہ ہو گا۔ مگر خوش قسمتی سے سمندر میں تالاب کی طرح سکون تھا۔ سوا گھنٹے میں سرزمین انگریزی پر ہم نے جا قدم رکھا۔ ریل تیار تھی۔ گاڑی میں ہجوم بہت تھا۔ مگر خیر کام چل گیا اور ہم لندن کو روانہ ہوئے۔ اور دو گھنٹے میں چرنگ کراس سٹیشن پر تھے۔ ہم انجمن بھائی[1] کو ڈھونڈنے لگیں۔ آخر وہ نظر آیا

[1] یعنے ڈاکٹر علی اظہر صاحب جو بہ ضرورت تعلیم لندن میں مقیم ہیں ۱۲

میں نے ذرا سی دیر ہی اِس سے بات کی ہوگی کہ اور ملنے والوں نے گھیر لیا مرزا جان ملے اور انہوں نے سب کی خیر و عافیت پوچھی۔ بھائی قمر الدین صاحب موجود تھے۔ خوب گرم جوشی سے ملے۔ ہمارے میزبان مسٹر رتن جی ٹاٹا صاحب دو عمدہ موٹر ہمارے لئے لیکر آئے تھے ہم موٹر میں سوار ہو کر پونے گھنٹے کے اندر مسٹر ٹاٹا کے عالیشان مکان پر پہنچے۔ اس کی ایک ایک چیز سے سلیقہ ظاہر ہوتا تھا۔ کیوں نہ جب انسان کے پاس روپیہ بھی وافر ہو اور مذاق بھی اچھا ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔ مگر لندن میں ایک ہندوستانی امیر کا اتنا بڑا مکان اور پھر اس عمدگی سے سجا ہوا۔ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ✦

اماں حوا کا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا اس بات کی بین دلیل ہے۔ کہ عورت مرد کی مونس و رفیق ہونیکے لئے بنائی گئی ہے۔ پس یہ رفیق طریق جتنا اچھا ہو اتنا ہی مرد کی خوش قسمتی سمجھو

یہ بتلا سکنا کہ آیا فلاں شخص شادی کر کے تباہ ہو جائیگا یا سنبھل جائیگا۔ بہت زیادہ اُس کی بیوی پر منحصر ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایک نیک زوجہ سے افضل اور نہ کوئی چیز ایک بری بیوی سے بدتر ہے ✦

---

۵۱ جسٹس طیب جی مرحوم کے بھتیجے ہیں جو سالسٹر بننے کے لئے ولایت گئے ہوئے ہیں۔
۵۲ مسٹر قمر الدین عبد اللطیف صاحب جنکے صاحبزادہ مسٹر الماطیفی پنجاب میں سولین ہیں۔

جہیز و تجہیز

پانچ چھ برس کے بچے سے لیکر ساٹھ پینسٹھ برس کے بڈھے تک ہر شخص نے دس بیس نہیں تو دو چار اور دو چار نہیں تو ایک آدھ اُدنیائے ناپائدار کے بیشمار تماشوں ہیں! شادی کا موقعہ بھی ضرور دیکھا ہوگا! بیٹی کی رخصت کا سماں کچھ ایسا موثر ہوتا ہے کہ نہ صرف ماباپ اور رشتے دار بلکہ غیر اور جان پہچان بھی اُسوقت بے تاب ہوجاتے ہیں ہوتے ہیں اور بجا ہوتے ہیں! وُہی بنگلے کی مَینا جو کل چاروں طرف میٹھی میٹھی باتیں کرتی پھرتی تھی آج سب کو چھوڑ چھاڑ تیرہ چودہ برس کا رشتہ توڑ عزیزو اقارب سے مُنہ موڑ اپنا گھر الگ جا بساتی ہے! صبح کا سُہانا وقت ہوتا ہے اور اس مکان کے چپے چپے اور کونے کونے پر جہاں وُہ برسوں کھیلتی پالتی پھری عجیب حسرت برستی ہے! ماباپ بہن بھائی جو رات دن کے شفیق اور ہر وقت کے رفیق تھے مجبور و معذور کھڑے مُنہ دیکھتے ہیں اور وُہ کلیجہ کا ٹکڑا جو چند روز کی مہمان تھی وداع ہوجاتی ہے! ماں! جس نے مہینوں اور برسوں سینہ پر لٹایا گود میں لٹایا چھاتی پر سُلایا اپنی تمام محنت گنوا خالی ہاتھ ہو بیٹھی سولہی کا وقت آیا پالکی دروازے پر لگی! دل کیسی کہتی ہو! آج ہی کے دن کو خدمت کی تھی! بڑے دن گئے بُری راتیں گیں۔ پالا پوسا۔

مُصیبتیں جھیلیں دُکھ سہے !! آنکھوں کی پُتلی کلیجہ کی ٹھنڈک دُودوں نہائے دِنوں پھلے ! اللہ تیرا نگہبان اور خدا تیرا حافظ ! الٰہی دنیا کی خُوبیاں جہان کے عیش۔

برابر کی سہیلیاں جو دِنوں اور راتوں ساتھ کھیلیں اُنکے چھوٹنے کا وقت ہو ! سوچتی ہیں ! اب ہم کہاں اور یہ کہاں ! دُنیا ہوگی دُنیا کے دھندے ہونگے ! بال ہونگے بچے ہونگے ۔ کبھی ان جھگڑوں سے چھٹکا ہُوا بھولے بسرے ہمارا خیال آگیا تو آگیا ! بے فکری کی نینْدیں سُکھ چین کے دن ختم ہُوئے ! گڈے اور گُڑیاں نٹھنے اور چمنیاں سب یہیں کے یہیں رہے ! اور اتنی مُدت کا ساتھ خواب و خیال ہو گیا ! اکیلی کا اللہ ہی بیلی ہے ! راہ کٹھن منزل کڑی ! خُدا بیڑا پار کرے۔

کیسی شادی اور کس کا بیاہ ایک بیچاری کی آیندہ تقدیر کا فیصلہ ہے ! نئے لوگوں سے واسطہ اجنبیوں سے سابقہ ! دیکھئے کیا پڑے اور کیسی گُذرے ! کوئی بھلے مانس ہُوا عزت آبرو سے گذر گئی کسی بدذات سے پالا پڑا اُٹھتے جُوتی بیٹھتے لات !!

دولہن کا رخصت ہونا تھا ! گھر کی حالت ہی کچھ اَور ہو گئی یا وہ گھما گھمی کہ در و دیوار تک پُررونق وہ چیخم دھاڑ کہ کان پڑی آواز نہ سُنائی دے یا یہ چپ چاپ کہ سب کو سانپ سُونگھ گیا ! جدھر نظر ڈالو سناٹا اور جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو حسرت !

غم زدہ ماں تو تین رات کی جاگی۔ چار پانچ دِن کی تھکی ہاری ! بیٹھی

ہوئی آواز چڑھی ہوئی آنکھیں ہاتھ پاؤں شل کر پڑا ! بیماری پر سر رکھ لیٹ گئی ! پکا ہوا پھوڑا مواد موجود ! بھرا ہوا دل لگے ہوئے پھوڑے پھوٹنے کی دیر تھی۔ بیٹی کی تصویر آنکھ کے سامنے ! ماںتا کی ماری سوچنے لگی ! بیٹی بیگم تم تو سچ مچ ہی ہماری مہمان نکلیں ! افسوس ! ماں سے مہمان داری کا حق ادا نہ ہوا ! ذرا ذرا سی بات پر کیسے بھر منہ کوسنے دیئے باپ کی گھرکیاں بھائیوں کی ماریں میری فضیحتاں۔ آئے بچی میں نے کچھ قدر نہ کی ! لڑکے جو سدا کے رہنے بسنے والے تھے انکو اچھے کھانے اچھے کپڑے اور جو مسافر کی طرح چند روز رہ کر سدھاری ! وہ ماں کے گھر بیٹی گودڑ لپیٹی ! بچا کھچا کھانا میلے کچیلے کپڑے ! ہائے اگلے ہی برس کی تو بات ہے ! چھوٹے نے کیسا کٹورا کھینچ کر مارا ہے کہ کنپٹی سے خون کی تلی بہنے لگی ! چپکی منہ دیکھ کر رہ گئی ! کلیجہ کٹتا ہے جب دھیان کرتی ہوں کیسی صبر کی بنی تھی ! باسی روکھی اُبالی چٹنی ! جو ہاتھ اُٹھا کر دیدیا سر جھکا کر لے لیا !

چار دن کی زندگی پر پھول کر خدا کو بھولنے والو ! چمنستانِ زندگی کی بہت سی بہاریں دیکھ لیں۔ اب آنکھیں کھولو اور ادھر نظر اُٹھا کر دیکھو ! پت جھڑ کا موسم سر پر آیا دیکھو دیکھو وہ سامنے کا قطعہ جو رنگ برنگ کے پھولوں سے پٹا پڑا تھا بالکل خشک ہو گیا۔ ہری بھری ڈالیاں جن پر خوش الحان جانور چہکار رہے تھے سُوکھ کر کھڑنک ہو گئیں ! کٹورا سے پھول جنکی مہکار کوسوں پہنچ رہی تھی۔ خزاں کے ہاتھوں ایسے برباد ہوئے

نہ نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

کارخانۂ قدرت کے شیدائی دیکھ رہے ہیں! اور دُنیا کا گورکھ دھندا نئے نئے تماشے دکھا رہا ہے! عقلِ سلیم کے دھنی ان ظاہری نمونوں سے اصلیت کا پتہ لگا کر منزلِ مقصود پر پہنچ گئے! ایک مشہور مصنف دلہن کی وداع کو موت سے تشبیہ دے رہا ہے! کہتا ہے!

سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت! وہ دلہن کی رخصت وہ رونے کا وقت
یہاں موت ہے اہلِ عرفان کو! کہ جانا ہے اک دن یونہی جان کو

بات پتہ کی ہے اور تشبیہ سچی! بغور سے دیکھو تو بیٹی کی وداع اور مُردے کی رخصت دونوں کچھ ایک ہی سی باتیں ہیں! جس طرح دلہن کی رخصت پر عزیز واقارب چپکے کھڑے مُنہ تکتے ہیں۔ اسی طرح مرنے والے کے وارث در و دیوار سے سر پھوڑتے ہیں مگر نہ وہ کچھ کر سکتے ہیں نہ یہ! وہ مجبور یہ لاچار! بیٹی کا آخری دان پلنگ پیڑھی پٹاری پاندان! مُردے کی آخری خدمت! دو چادریں ایک کفنی! گلاب کیوڑا عطر لوبان! بیٹی اپنے گھر سے نکل ایک نئے مکان میں گئی! مُردہ اپنا گھر چھوڑ چھاڑ قبرستان پہنچا! جنگل بیابان! آدمی نہ آدم زاد! اندھیرا گھُپ اور قبر کی تنہائی! باپ ہے نہ ماں یار ہے نہ مددگار بہن ہے نہ بھائی مُونس ہے نہ غمخوار! کوئی اتنا بھی نہیں کہ ذرا سی دیر ٹھٹک کر فاتحہ پڑھ لے! ہاں چراگاہوں سے پلٹتی ہوئی گائیں بھینسیں اپنے گھر ان غفلت کی نیند سونے والوں کے سینہ پر

رکھتی چلی جائیگی ! اور شاید گوالا ان مٹی کے ڈھیروں پر بیٹھ کر ایک چلم پی جائے تو پی جائے ! قدرت کے کاربار اُسی طرح چل رہے ہیں اور چلے جائینگے ! چاند پہلے سر پر تھا آج قبر پر ہے ہاں فرق ہے تو صرف اتنا کہ وُہ جسد ناپائدار جو پھُولوں کی سیج پر بھی چین نہ پاتا تھا ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا پڑا ہے اور کیڑے کھا رہے ہیں !

مذہب بتا رہا ہے کہ دُنیا کی فانی لذتوں کے ساتھ اُس وقت کو بھی پیشِ نظر رکھیں جو لذّتوں کا ختم کرنے والا ہی! موت یعنی وُہ چیز جو چھپے ہُوئے بھیدوں کو ظاہر کردیگی سر پر ہے ! ایک ایسا روز آنیوالا ہے جب اُس زبردست بادشاہ کا دربار ہوگا جس کا فیصلا اٹل جس کا حکم قطعی! کیسا نازک وقت ہوگا ! منصفِ حقیقی کی عدالت ہوگی اور لنگڑے لُولے اپاہج مظلوم جن کو حقارت سے ٹھکرایا! یتیم مسکین حاجتمند معصوم جنکو اذیتیں پہنچائیں دعویدار ہونگے !

احکم الحاکمین اس بیکسی کے عالم میں تیرے سوا کوئی مددگار نہیں اپنی عنایت سے بیڑا پار کیجیو !

راشد الخیری

ادب

اے ادب کیوں نہ زمانے میں ہو عزت تیری
سب میں ممتاز ہے انسان بدولت تیری

ہم کو تو نے ہی بنایا ہے شریف المخلوق
یہی باعث ہے جو دلدادہ ہے خلقت تیری

جسکو دیکھو وہی آداب بجالاتا ہے
اب تو تسلیم ہے دنیا کو فضیلت تیری

جس کا جی چاہے کہ مخدومِ زمانہ ہووے
چاہیے اس کو کرے تھوڑی سی خدمت تیری

کاتبِ روزِ ازل بھی تو نہ بھولا تجھ کو
قلم و لوح نے مانی ہے حکومت تیری

ایک دن تھا کہ ادب اپنا تھا ضرب الامثال
تھی کسی روز تو ہم پر بھی عنایت تیری

دابِ شاہی ہمیں تو نے ہی سکھایا تھا ادب
جتنے مفلس ہوئے ہم بڑھ گئی قیمت تیری

کوئی تعظیم سے تعبیر تجھے کرتا ہے
کوئی تعلیم سمجھتا ہے عبارت تیری

ہم تو محمودِ خصائل تجھے لکھدیتے ہیں
اپنی دانست میں آتی ہے یہ صحبت تیری

سچ تو یہ ہے کہ سراسر ہے ادیبِ نسواں
قدر کیونکر نہ زمانے میں ہو عصمت تیری

اکبری بیگم از چیلد

نہیں کچ گر ایک تاتی ہوں ایسا
نہیں قیمتی جس سے کوئی بھی ہیرا

یہ ہے تاج لطفِ الٰہی کا بہنو
نہیں اس سے بہتر کوئی جگ میں گہنا

ادب اسکو کہتے ہیں یہ ہے وہ جوہر
ہر اک شخص تعظیم جسکی ہے کرتا

خصلت خصائل میں سب سے حمیدہ
یہ ہے خلق اخلاق میں سب سے اعلیٰ

شریفوں کا شیوہ ہے نیکوں کی عادت
ہیں مداح اسکے زمانہ کے دانا

جو ہے شوق تمکو یہ نعمت ہو حاصل | دل خود کو تم سمجھو ہر اک سے ادنےٰ
نہ واقف اگر ہو گی حکمِ خدا سے | سبق تم نہ سیکھو گی یہ عاجزی کا
ادب سے ملو ساس نندوں سے اپنی | رہے رتبہ ملحوظ چھوٹے بڑے کا
یہ ہے نیک نامی کا زینہ جہاں میں | بنائے گا تم کو یہ ہر اک کا پیدا
تمہیں دل سے چاہینگے ماں باپ بھائی | بنائے گا شوہر تمہیں جاں سے پیارا
نصیحت یہ بانو کی تم یاد رکھنا | ادب کو نہ بھولے سے بھی ترک کرنا

ظہور بانو

کام کی باتیں ۔ موت سے زیادہ کوئی دنیا میں یقینی نہیں پھر کسی کو موت کی تدبیر اچھا کیوں ہو۔ آنکھ سب کو دیکھتی ہے مگر اپنے عیب کو نہیں دیکھ سکتی۔ زندگی پر تعجب ہو تو سچا نہیں کہ اب تک زندہ کیونکر ہے۔

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

انسان کو حیوان پر اس سے بڑھکر اور اچھی کوئی دوسری فضیلت نہیں مگر وہ گذشتہ واقعات سے اطلاع رکھتا ہے اور سینکڑوں عقلا کے تجربہ سے ایک فرد واقفیت رکھتا ہے اور یہ صرف علم کی وجہ سے +

دنیا میں دوستی سے بڑھکر کوئی نازک رشتہ نہیں۔ سچی دوستی کے رشتے ٹوٹ ہی نہیں سکتے سچا ہے ہزار بے لطفی ہو دوستی کے رشتے مضبوط رکھنے والے بڑے مرد ہیں۔ تم کو وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ وقت تمہارا انتظار نہیں کر سکتا +

بزمِ عصمت

پیاری بہن صاحبہ!

تسلیم۔ "عصمت" کی صورت تو آپ نے ایسی دلکش رکھی ہے کہ سامنے سے ہٹانے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن مجھے اپنی میز پر اسے رکھنے کی خوشی نصیب نہیں ہوئی۔ صرف ایک روز مجھے اس رسالے کو اپنے سامنے رکھنے کا موقع ملا۔ بعد میں میرے والد صاحب کے ایک دوست اسکو اپنے گھر میں دکھلانے کو لے گئے۔ جب اُن سے واپس آیا تو کسی اور نے سنا اور اُنہوں نے منگا بھیجا۔ یکے بعد دیگرے سب لوگ جو تعلیمِ نسواں میں ذرہ بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں اور واپسی کے وقت ساتھ یہ ضرور کہہ دیتے ہیں کہ ہم ضرور اس رسالے کو خریدینگے۔ ابھی تک مجھے معلوم نہیں کہ کسی شخص نے بھیرہ سے عصمت کے واسطے آپ کے پاس کوئی درخواست بھیجی ہے یا نہیں۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو کچھ پراسپکٹس مجھے بھیجدیں۔ وہ دو تین جگہ سے طلب ہوئے ہیں۔

میں ضرور کوشش کرونگی کہ کوئی اور بہن مضامین لکھنے والی بھی ڈھونڈوں جو کبھی کبھی کچھ لکھا کرے۔

پیاری بہن! میں نہیں جانتی کہ آپ کا ارادہ ہمیشہ پہلے صفحے پر تصویر دیا

چھاپنے کا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر کبھی کبھی ویسے ہی چکنے کاغذ پر کوئی عمدہ نصیحت موٹے حروف میں لکھ کر چھاپ دی جاوے تو مجھے معلوم ہوتا ہے بہت فائدہ مند ہو۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگ انکو انگریزی رسالوں میں اس قدر پسند کرتے ہیں کہ رسالوں میں سے علیحدہ کرکے شیشے میں لگا کر دیواروں پر لٹکا دیتے ہیں۔ نمونے کے واسطے ایک صفحہ جو ہمارے کالج کے ایک طالب علم نے تقسیم کرنے کو چھپوایا تھا آپکی طرف روانہ کرتی ہوں۔

میں اس قدر آزادی کے ساتھ آپ کو مشورہ دے رہی ہوں لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ بُرا نہ مانینگی +

میری اچھی بہن !

تسلیم۔ ابھی ابھی شام کے پانچ بجے ہونگے۔ ناشتہ سے فراغت ہو چکی ہے۔ ماما شب کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہے۔ بار بار خاص خاص کھانوں کے متعلق رائیں لے رہی ہیں۔ اماں جان سمجھاتی جاتی ہیں۔ کہ یک بیک مجھے نئی نویلی عصمت دلہن یاد آگئیں۔ میں یہی خیال کر رہی تھی کہ ہفتوں رکھے گزرا لیکن نہ معلوم کیوں پیاری عصمت کی رخصتی میں آپ نے اس قدر دیر لگا رکھی تھی۔ رہ رہ کر میں اسی الجھن میں پیچ و تاب کھا رہی تھی کہ سامنے والے دالان میں بھیڑ لگی دیکھی۔ کیا لڑکے بچے اور

تمام بہن سیدہ سب ہی کسی خاص چیز کی طرف خوشی خوشی جھکے پڑتے ہیں میں بھی بصد اشتیاق قدم بڑھا کر پہنچ گئی - دیکھتی کیا ہوں کہ چوتھی کی دلہن گھر بیٹھے سنواری جا رہی ہیں - بلائیں پہ بلائیں لی جا رہی ہیں - بس پھر کیا تھا - میں بھی تاب ضبط نہ لا سکی - اور جھٹ پٹ بلائیں لے لیں بس اب خدا سے یہی التجا ہے کہ پیاری بہنوں کے دلوں پر عصمت کا خیال نقش نگین رہے اور انہیں کے توجہ کے باعث عصمت گردش زمانہ کے تھپیڑوں اور نظر بد سے محفوظ رہے - اسکے عروج و ترقی سے محترم بہنیں فائدہ اٹھاتی رہیں!

ایک امر یہ بھی عرض کر دوں - وہ یہ کہ قرآن شریف کے متعلق جو دلی خواہش میری معزز بہن سیدہ نے ظاہر کی ہے میرے ناقص خیال میں نہایت ہی قابل قدر معلوم ہوتی ہے - امید کہ جناب ایڈیٹر صاحب و جناب ڈپٹی نذیر احمد صاحب اس کا بیڑا اٹھا کر قوم کی ایک بڑی ضرورت کو رفع فرمائینگے -

بنت سید رمضان علی

بچوں کا رکھ رکھاؤ

نیند کا بیان

بچہ ہونے کے بعد جس قدر سوئے اس کے حق میں اچھا اور مفید ہو نہایت درجہ کی صحت اور تندرستی کی علامت یہی ہو کہ دو تین مہینے کی عمر تک بچہ برابر سونے سے کام رکھے صرف اس وقت جاگے جب اُس کے پیٹ کو لگے جوں جوں بچہ بڑھے گا دن کی نیند کم رات کی زیادہ ہوتی جائیگی۔ اگر وُہ ہوش سنبھلنے پر راتوں کو جاگے تو اس کا علاج ضرور کرنا چاہیے۔ آسان اور بن دواؤں کا علاج یہ ہے کہ اُسے دن کو نیند سے بھلادیں اور ایسی باتوں میں لگائیں کہ وہ سونے کو بھول جائے۔ کھلانے کی بہتیری صورتیں ہیں جنہیں ماں سے زیادہ ہم نہیں بتا سکتے۔ یہ بھی خیال رکھیں کہ بچے کو دودھ پلانے یا غذا کھلانے کے بعد مطلق نہ سونے دیں۔ کیونکہ اس سے تشنج (اینٹھن) ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

اگر ہم کسی سے کہیں کہ ہمارے ہندوستان کی مائیں بچہ پیدا ہوتے ہی اُس کے مارنے کی فکر میں پڑجاتی ہیں تو یقین ہے کسی کو اعتبار نہ آئے بلکہ جو بچے والیاں ہیں وُہ تو جل بھنکر کباب ہوجائیں۔ لیکن جب ہم یُوں جتائیں کہ تمہارا اس طرح بچوں کو مارنا اپنے قصد یا ارادہ سے

نہیں ہے یہ صرف اُن نشوں کے سبب سے کہا جاتا ہے۔ جن کے ضرر سے تم ناواقف ہونے کے باعث بچوں کو سُلا رکھنے کی خاطر ہمیشہ کے نئے سلا دیتی ہو تو شاید جو انصاف والیاں ہیں اُنہیں کسی قدر خیال گذرے مگر اس کا جواب یہی ملنے کی اُمید ہو کہ جب ہم مقدار سے زیادہ کھلاتے ہی نہیں تو کیوں اپنے بچوں کی دشمن ہیں۔ تمہارا سچ ہے! یہ بات ہمیں بھی پسند آئی لیکن جب اس کا کھلانا ہی ایک سرے سے مضر ثابت ہو تو اُس وقت کیا کہوگی؟ ہم یقین کرتے ہیں اب بالکل اُس سے ہاتھ اُٹھا لوگی

ہندوستان میں کوئی ماں ایسی نہ ہوگی جو اپنے بچہ کو ہنپو (افیون) نہ کھلاتی ہو۔ جب اُس سے پوچھتے ہیں کہ افیم کھلانے سے کیا فائدہ ہے؟ تو یہ جواب ملتا ہے کہ کام دھندے والیوں کو تو کام کی فرصت ملجاتی ہے اور بچہ بہتر روگ سے بچ جاتا ہے۔ نہ کھانسی ہوتی ہے نہ زکام۔ دن بدن موٹا تازہ گلگو تھنا سا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس وقت افیم چڑھتی ہے وہ کلکاریاں مارتا ہے کہ اُسے دیکھ کر ہمارا رُواں رواں خوش ہوتا ہے سُبحان اللہ کیا خوشی ہے اُس کے عُمر بھر کے رونے پر تو خیال نہیں اپنی دم بھر کی خوشی اور چھٹکارے کا یہاں تک پاس ہے۔ تم جانتی بھی ہو؟ سارے روگوں کا گھر یہ ایک افیم ہے۔ چیچک کو مدد اس سے ملتی ہے۔ دماغی بیماریاں جیسے مرگی۔ صرع وغیرہ اِس سے ہوتی ہیں۔ پسلی کے خلل اور معلی آزار کا سبب یہ ہے۔ توانائی کو یہ روکتی ہے۔ کاہلی کو یہ بڑھاتی ہے۔ دماغ میں خشکی۔ بدن میں خارشت یہ کرتی ہے۔

قبض کی جڑ یہ ہے۔ اور اعصابی بیماریوں کا گھر یہ۔ غرض ہزاروں مرض ہیں جو اس چڑتی بیگم کے دم سے پیدا ہوتے ہیں۔ میں اُن ماؤں کو جنہیں اپنے بچے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ اور جو انہیں کلیجے کی کور آنکھوں کا تارا دل کا سکھ سمجھتی ہیں۔ ہوشیار کرتا ہوں کہ دیکھو بیویو! اپنے بچوں کو سُلانے کی غرض سے کوئی نشہ یا کوئی دوا جس میں اسکی لاگ ہو ہرگز ہرگز نہ کھلاؤ۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر میں صرف افیون کا پورا پورا حال اور اس کے نقصان لکھوں تو افیم دیتے ہوئے تمہارے ہاتھ کانپا کریں۔ اور خوف کے مارے سارا جسم تھر تھرایا کرے۔

اے بچوں کی ماؤ! پوتوں کی دادیو! نواسوں کی نانیو! تم بچوں کو افیم نہیں دیتی ہو۔ بلکہ انہیں ایسا دیرپا زہر پلاتی ہو جو رفتہ رفتہ اُنکی رُوح تحلیل کر دیتا ہے۔ کیا تمہیں رحم نہیں آتا کہ تم اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں قبر کی گود میں سُلا دیتی ہو؟ تمہاری غرض تو انہیں آرام دینے سے ہوتی ہو۔ مگر وُہ دُنیا ہی کی تکلیف سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اس قسم کی چیزیں بچوں کی قربانی کرنے دیوی دیوتا پر بلی چڑھانے مگرمچھ کے مُنہ میں دھکیل دینے سے کم نہیں ہیں۔ بہتیری مائیں افیم کھلا کر کہا کرتی ہیں کہ واہ کیا عمدہ دوا ہے جس سے میرا بچہ آرام سے سو رہا۔ نہیں نہیں اِسے اچھی دوا نہ کہو بلکہ موت کی گولی سمجھو۔ کہ اُس نے بچے کے قویٰ کو کمزور اور سُست کرتے کرتے اس قابل نہ رکھا کہ وُہ جاگے یا ہاتھ پاؤں مارے۔ کیونکہ یہ بچے کے دماغ کو جا کر پکڑ لیتی اور بالکل بے حس کر دیتی ہے۔ جس کے سبب وُہ پہروں

غنودگی کے عالم میں پڑا رہتا ہے۔ اگر کوئی بچہ نہ سوئے یا بے چین ہو اور نیند سے دفعتاً چونک چونک پڑے تو اس کی وجہ یہ سمجھو کہ اس کا دودھ ہضم نہیں ہوا۔ بلکہ کھٹا ہو کر پھٹ گیا ہے جس سے اس کے پیٹ میں درد ہے۔ کوئی بلا یا نظر۔ گنڈہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ بچہ کبھی بے سبب نہیں روتا اگر ایسی حالت میں دیکھو تو اُسے ایک ایک چمچہ ٹھنڈا پانی دو دو گھنٹے کے بعد پلاتے رہو تاکہ وہ پھٹا ہوا دودھ جو پھٹنے کے بعد بچے کے معدہ میں جم گیا ہے پتلا ہو کر ہضم ہو جائے یا گھل گھل کر پیشاب کی راہ نکل جائے۔ ایسے موقع پر بچے کے پیٹ سے اپنے پیٹ کو ملا کر گرمائی پہنچانا بھی مفید ہوا کرتا ہے۔ ماں کو دودھ پلانے کے زمانہ میں کوئی نشہ کرنے والی چیز بالکل کھانی یا پینی نہیں چاہیئے۔ مسلمان عورتوں کو افیم سے کایستوں کی عورتوں کو اس کے ماسوا شراب۔ معجون یا بھنگ وغیرہ سے کمال پرہیز واجب ہے۔ کیونکہ بہت سے امراض کے علاوہ دانت نکلتے وقت اس تکلیف کا خوف اور احتمال ہے جس سے اکثر بچے ہاتھ سے کھیل جایا کرتے ہیں۔ یہانتک تو وہ باتیں ہوئیں جو بچپن میں معصوم بچوں کو تکلیف دیتی یا اُنکے مرجانے سے ماؤں کو صدمہ پہنچاتی ہیں۔ اب ہم دو چار وہ قباحتیں بیان کرتے ہیں جو افیون کی اس رسم کی وجہ سے ملک اور قوم میں جڑ پکڑ کر دونوں کو تباہ اور برباد کئے دیتی ہیں۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ افیون بچپن ہی سے ہمارے پٹھوں۔ دماغ اور اعضا بلکہ اندرونی قویٰ کو مضمحل اور کمزور کر دیتی ہے۔ اس کی مثال

ایسی ہی سمجھی چاہیے۔ جیسے کوئی شخص کھجور کے بڑھتے ہوئے پودے کے بھیجے میں ٹانکے لگا کر اُس کی سیندھی نکال لے۔ اور پھر بڑھنے نے جس طرح اُس میں بھیجا نکل جانے سے بھر کر کھجوریں نہیں آتیں۔ تنہ (مثلاً) پتلا اور کمزور رہتا ہے۔ اسی طرح افیم کے کھلانے سے انسان کے دماغ کی مفید قوت نکل جاتی ہے اور اسکے سبب سے قومی جرأت۔ قومی بہادری ملکی حفاظت ملکی ترقی میں بہت بڑا حرج واقع ہوتا ہے طبیعتیں آرام طلب دل سست اور حیلہ جو ہو جاتے ہیں۔ جسموں کا انس نکل جاتا ہے عقل میں تیرگی دلوں میں نامردی آجاتی ہے بے غیرتی اور بے حیائی چھا جاتی ہے۔ نہ کمائی کی ہمت رہتی ہے۔ نہ علم و ہنر حاصل کرنے کی جرأت بھیک کو ہنر اور خوشامد کو علم مجلس خیال کرنے لگتے ہیں۔ ہندوستانی مرد جو زندگی کی حالت میں مُردوں کی شکل بنانے کاغذ کے ٹپے باز بنے پھرتے ہیں۔ یہ اس افیون ہی کا طفیل ہے۔ یہاں کی عورتیں جو اکثر دکھڑوں میں گھری رہتی ہیں اُنکا سبب بھی اُس افیون کا اثر ہے جو حالتِ شیرخوارگی میں ماں کی محبت نے دن میں تین تین چار چار دفعہ کھلائی تھی۔ بھلا وہ تو بچے ہیں ان بوڑھوں اور جوانوں کو دیکھو جو اسکا شوق رکھتے ہیں۔ کچھ بھی کام کرسکتے ہیں۔ ہاں ٹھٹھا مسخار کر باتیں بنانی جھوٹی گپیں اڑانی خوب آجاتی ہیں۔ اس رسم کے چھڑانے میں ہندوستانی مردوں کو ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ ایک زمانہ ایسا آئیگا اپنے ہاتھ سے مُنہ کی مکھی بھی نہیں اڑا سکینگے۔ قوتِ بازو سے کمانا اور محنت کرکے لانا تو کیسا جنہیں ہم لوگ گنوا عقل کا دشمن کہتے

کام کی باتیں

شہد کی مکھی یا بھڑ کے کاٹے کا سب سے بہتر اور فوری علاج یہ ہے کہ جہاں بھڑ یا مکھی نے کاٹا ہو وہاں میٹھا تیل فوراً لگا یا جاوے۔ اسکے استعمال سے تکلیف اور سوجھن دونوں نہ ہونگی۔

پیاز کی بدبو دور کرنی ہو تو اس کے ساتھ شلغم ابال لینا چاہیے۔ چٹنی وغیرہ بنانے میں یہ ترکیب کام میں آسکتی ہے بعد میں شلغم کو نکال دینا چاہیے

انگریزی جوتوں کو مضبوط اور واٹر پروف یعنے پانی کے اثر سے محفوظ بنانے کیواسطے سب سے بہتر ترکیب یہ ہے۔ انپر خوب اچھی طرح کسٹر آئل یعنے ارنڈی کا تیل ملا جاوے پھر انکو اسیطرح دس بارہ گھنٹہ تک رہنے دینا چاہیے اس کے بعد کپڑے سے صاف کر لینا چاہیے تیل سے چمڑا نرم بہت دیر پا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ترکیب سیاہ رنگ کے جوتوں پر ہی استعمال کیجا سکتی ہے۔ بارش یا کیچڑ میں جو جوتے سخت ہو جاتے ہیں انکے نرم اور مضبوط بنانیکی بھی یہی ترکیب ہے۔

ہاتھ منہہ پھٹنے کی شکایت جاڑے میں عام ہوتی ہے اور دوائی قیمتی علاوہ ظاہری بدنمائی کے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس کا سہل علاج یہ ہے کہ ہاتھ منہہ دھونیکے بعد خشک ہونے سے پیشتر انپر تھوڑا سا شہد ملنا چاہیے اور پھر خشک ہونے دو اور جبتک وہ خشک نہ ہو جاویں صاف کرو

اوّل اوّل تو ضرور کوئی پانچ منٹ تک خفیف سی تکلیف معلوم ہوگی لیکن اگر ہر مرتبہ جب منہ یا ہاتھ دھوئے جاویں اور یہ ترکیب استعمال میں آئے تو پھر کبھی ہاتھ منہ نہیں پھٹیں گے +

ردی کاغذ کے نئے استعمال ہمارے ملک میں پرانے اخبارات کو فائل بنانے کا عام طور پر لوگوں کو شوق نہیں ہوتا۔ اخبار دیکھو پڑھ لیا تو فضول سمجھ کر پھینک دئے جاتے ہیں یا نوکر ان کو اکٹھا کر کے ردی بیچنے والے کے ہاتھ پیسہ کما لیتے ہیں۔ لیکن شاید ہی کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اونی اور عموماً جاڑے کے کپڑوں کو لپیٹنے کے واسطے پرانے اخبارات کس درجہ مفید ہوتے ہیں۔ چھاپہ کی سیاہی کی بدبو کی وجہ سے کسی قسم کا کیڑا ان تک نہیں پہنچ سکتا اور اس سے وہی مطلب حاصل ہو سکتا ہے جو کافور اور نفتلین سے نکل سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر اخبارات اونی قالینوں کے اوپر نیچے خوب اچھی طرح لپیٹ دئے جائیں تو ان کو کیڑا نہیں لگ سکتا۔ اور اگر باورچی خانہ میں اخباروں کے کاغذ استعمال کئے جاویں تو خراب اور کثیف ہوا باہر نکلتی رہتی ہے۔ برف کو اگر اخبار کے کاغذ میں اس طرح بند کیا جاوے کہ ہوا اس کے اندر نہ جا سکے بہ نسبت نمدہ یا برادہ کے زیادہ دیر تک قائم رہ سکتی ہے۔ ان واقعات کی بنا پر رات کے وقت بیمار کے کمرہ میں پرانے اخباروں کے کاغذ بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

جن بہنوں کے پاس خوش قسمتی سے برف جمانے کی مشین موجود ہے وہ بھی ان کاغذوں سے برف کی کمی کی صورت میں بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں یعنی اگر فریزر میں برف اور نمک صرف تین چوتھائی حصہ بھرا جاوے اور باقی حصہ میں اخبار ٹھونس دئے جاویں تو آئسکریم وقت پر جم سکتی ہے اور ذائقہ میں بھی فرق نہیں آ سکتا۔

رسالہ عصمت

پر ملک کے مقتدر اخبارات کی رائے اونکا اقتباس

ہندوستانی خواتین کا ایک نیا رسالہ "عصمت" ۔ بتول

ایک معصر کے ایک نئے رسالہ کا نام ہے جو شیخ محمد اکرام صاحب کی ایڈیٹری میں عزیز پریس دہلی سے نکلا ہے۔ یہ جدید نیا ہوا رسالہ خاتون علیگڑھ و تہذیب نسواں لاہور کی مانند مستورات کے لئے جاری ہوا ہے اور پہلا پرچہ بہت اچھا نکلا ہے۔ سرورق ہلکے گلابی رنگ کا ہے جس کی جدول میں سنہری بیل بنی ہوئی ہے۔ عنوان پر "عصمت" نام روپہلی حرفوں میں لکھا ہے اور رنگین باریک کاغذ کی تہ زریں نقاب پورے سرورق کی پردہ دار ہے۔ سرورق کے بعد فہرست مضامین آتی ہے اور اس کے آگے روضۂ تاج گنج آگرہ کا نقشہ لگا ہوا ہے۔ مضامین میں مضمون زنانہ اہل قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے بعد نظمیں ہیں جنمیں سے ایک ایڈیٹر صاحب تہذیب نسواں کی طبعزاد ہے۔ پھر کتنی ہی رائیں درج ہیں جو خواتین نے اس رسالہ کے باب میں ظاہر کی ہیں۔ سارے رسالے میں ۴۸ صفحے ہیں اور سالانہ قیمت صرف سے قرار دی گئی ہے۔ ایڈیٹر صاحب کی اہلیہ بھی ترتیب رسالے میں انکی شریک ہیں۔ بہرحال ہمیں کچھ شبہ نہیں کہ اس نئے رسالے کو ہندی خواتین میں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔ ہندوستان میں ایسے پرچوں کی بہت کچھ ضرورت ہے!

([illegible] جولائی [illegible])

عصمت ۔ اُردو خوان پبلک میں احسانات کثیرہ کے متعلق مخزن پریس دہلی
کی منت پذیر ہے ۔ اور پھر رسالہ مذکور کے متعلق اس نے ایک اول درجے کا چیدہ
خواتین نکال کر اندوں ایک اور اضافہ کیا ہے ۔ اس ملک کے اندر تعلیم نسواں ہنوز ابتدائی
حالت میں ہے اور زنانہ رسالے بہت تھوڑے نکلتے ہیں ۔ یہ قلیل تعداد کے
موقت الشیوع پرچے اپنے اپنے طریقے پر بہت مفید کام کر رہے ہیں اور تعلیم نسواں
کے مقصد کو ہر دل عزیز بنانے میں انہوں نے بہت کوشش کی ہے ۔ لیکن عصمت
یورپ کے اعلیٰ درجے کے رسالجات خواتین کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے اور ہمارا
خیال ہے کہ مسٹر و مسز محمد اکرام کو اُن کی مشترکہ محنتوں کے نتائج پر داد و مبارکباد
دینے میں ہم ایک ایسا فرض ادا کر رہے ہیں جو اُن کا پبلک کے ذمے ہے ۔ یہ
ماہوار رسالہ اپنی عمدہ ترتیب ۔ اچھے کاغذ اور پسندیدہ تصاویر سے عظیم الشان کامیابی
کے آثار ظاہر کرتا ہے اور جو پہلا نمبر انہی روزوں شائع ہوا ہے اُس کا ریڈنگ میٹر
(مضامین) بھی بہترین قسم کا ہے ۔ سالانہ چندہ دو روپے جو عصمت کی وضع کے
ماہوار رسالے کی بہت ہی مناسب قیمت ہے ۔ ہم مخزن پریس کی اس تازہ کوشش
کے لئے یقیناً ہر دلعزیزی و درازیٔ عمر کا حکم لگا سکتے ہیں ۔

(آبزرور لاہور مطبوعہ ۰ جون سنہ ۱۹۰۸ء)

عصمت ۔ اس مہینے میں شیخ محمد اکرام صاحب کے اہتمام سے ایک
نیا ماہواری رسالہ اس نام سے مخزن پریس دہلی سے نہایت آب و تاب کے ساتھ
نکلنا شروع ہوا ہے یہ رسالہ خاتون اور تہذیب نسواں کی طرح عورتوں میں پاکیزہ
خیالات ۔ اور مفید معلومات شائع کرنے کے لئے نکالا گیا ہے ۔ اس کا سرورق
گلابی رنگ کا نہایت خوشنما اور نفیس ہے جس کے گرد سنہری بیل کھینچی گئی ہے
اس کی پیشانی پر ”عصمت“ کا لفظ نقرئی روشنائی سے دکھائی دیتا ہے ۔ سرورق

سے خوبصورت چھپے ہوئے نہایت ہی رنگین گلکار کاغذ کا پردہ ڈالا گیا ہے۔ جس کے دوسرے ورق کے بعد فہرست مضامین اور اس کے بعد وطن کی مٹی گھر کی عکسی تصویر نظر آتی ہے۔ پھر رسالے کے اصل مضامین شروع ہوتے ہیں۔ منجملہ تمام مضامین کے آٹھ مضامین جو عورتوں کے قلم سے نکلے ہیں۔ پھر نظمیں درج کی گئی ہیں جنمیں سے ایک نظم ایڈیٹر صاحبہ تہذیب نسواں کی ہے۔ اس کے بعد بزم عصمت کے عنوان سے بہت سی روشن خیال عورتوں کے خطوط کا اقتباس درج کیا گیا ہے۔ جو انہوں نے رسالے کے خیر مقدم میں لکھے ہیں۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ نہایت نفیس ہے۔ تقریباً ۴ صفحات پر یہ کل مضامین پھیلے ہیں۔ قیمت صرف ۳ روپے سالانہ مع محصول ڈاک ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب کے ساتھ مسز محمد اکرام بھی اس رسالے کے کام میں اُن کی معاون ہیں۔ رسالے کی مجموعی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مخزن کی طرح خوب ترقی کریگا۔ اور جس طرح مخزن نے مردوں کی سوسائٹی میں شہرت حاصل کی ہے۔ اسی طرح یہ رسالہ عورتوں کی سبھا میں حسن قبول حاصل کریگا۔ عورتوں کی فائدہ رسانی کے لئے ابتک بہت کم اردو اخبار اور رسالے شایع ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ رسالہ یقیناً بہت مقبول ہوگا۔ اس میدان میں جسقدر رسالے اور اخبار کام کرتے نظر آتے ہیں وہ ہر طرح مبارکباد کے لائق ہیں۔ کیونکہ عورتوں میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے اور ان میں مفید اور دلچسپ اور پاکیزہ معلومات کے شائع کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

(علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ)

عصمت ۔ ہمنے مخزن میں اس اعلان کو بڑی مسرت سے پڑھا تھا کہ ہمارے نوجوان دوست شیخ محمد اکرام صاحب اڈیٹر ثانی مخزن مسلمان خواتین کے لئے ایک

رسالہ عصمت جاری کرتے وقت ... [illegible] ... کی ... تھیں
کی موجودگی میں اس خیال سے کہ ... مضامین ... [illegible]
پہلو نہیں کا ... اس طرح قوم کی ... قوتوں کو تقسیم کر کے مفید نہ ہوگا۔
اور کچھ اس خیال سے کہ تعلیم یافتہ مسلمان خواتین جنکی تعداد خوش قسمتی سے روز بروز
عصمت کی معاونت بھی کر سکیں گی۔ عصمت کا پہلا نمبر ... اس وقت
ہمارے سامنے ہے۔ اس نے ہمارے پہلے خیالات کو بالکل بدل دیا اور یقین
دلا دیا کہ یہ پرچہ ... نکالا گیا ہے۔ اگر اس کو ترقی دی گئی تو اس میں اور دوسرے
رسالوں کے مقابلہ پر ایک ممتاز درجہ حاصل کرنے کی استعداد موجود ہے۔
سب سے پہلے رسالوں کی جو چیز دیکھنے والے کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے
وہ اس کی لکھائی چھپائی کی نفاست اور کاغذ کی عمدگی ہے۔ جو کچھ دنوں سے
مخزن پریس کی امتیازی خصوصیت بنتی جاتی ہے۔ رسالہ سفید چکنے ولایتی کاغذ
کی ... تقطیع کے ۵۰ صفحوں پر چھپکر شائع ہوا ہے۔ سرورق ... کا
کاغذ ... سنہری بیل کے اندر ... حرفوں میں "عصمت" لکھا ہوا ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ کسی چابکدست صناع نے قدرت کے ... پر
بیل ... کاری کر دی ہے۔ غرض کہ ٹائٹل پیج کو دیکھکر آنکھوں کو فرحت
ہوتی ہے۔ اور ایڈیٹر عصمت کے اس ... میں کہ ... ایسا ہوگا جو
اُن ہاتھوں میں جانے کے لئے موزوں ہے جنکے لئے یہ رسالہ مخصوص ہے۔
تو ... مبالغہ نہیں پایا جاتا۔ اب رہی ترتیب مضامین۔ گو ... سب
سے پہلے ... گو رسالے کی ... نے ... [illegible]
... کے ترتیب میں ... حاصل کر لیا۔ گر ... ظاہر ہے
نہیں ... کہ ... مسئلہ ... [illegible]

شامل ہیں بہت سے مضامین جنہیں بعض خواص قابلیت سے لکھی گئی ہیں کچھ
حصہ نظم ہے۔ سلسلہ نقول سب ایسی ہیں جو شریف خواتین کے مطالعے کے قابل ہیں

(اخبار وکیل امرتسر)

عصمت ۔ مخزن پریس دہلی سے اردو میں مستورات کے واسطے ایک ماہواری
سے رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے نہایت خوشنما کتابی تقطیع پر معہ ٹائٹل و تصویر تاجگنج
آگرہ کے چار جزو ضخیم ہے۔ مخزن پریس کی لکھائی چھپائی نے جو شہرت حاصل کی
ہے اس رسالے کے شروع نے اس کو اور زیادہ کر دیا ہے حقیقتاً عصمت کے
دیکھنے سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور پیدا ہوتا ہے۔ نثر، نظم اور ضمیمہ عصمت تین
حصوں پر یہ رسالہ تقسیم ہے۔ معزز طبقے کی خواتین کے طبعزاد مضامین کے علاوہ
مردوں کے مضامین میں سادہ نظمیں بھی ہیں۔ تمام مضامین قابل دید ہیں ۔
اف لون تصویر ہے۔ رسالہ کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے ٹائٹل مطلا چھاپا
گیا ہے حقیقت میں عورتوں کے واسطے یہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ اور ملک
کو ایسے رسالے کی قدر کرنی چاہیے۔ شیخ محمد اکرام صاحب اس کے ایڈیٹر
و مسٹر محمد اکرام صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر ہیں قیمت سے رسالہ ہمارے خیال میں
مناسب ہے۔ ہم اس رسالہ کو روز افزوں ترقی پر پہنچنے کے دل سے خواہاں
ہیں۔ شریف خاندانوں اور کنواری لڑکیوں کو ضرور منگانا چاہیے۔

(نیر اعظم مراد آباد)

عصمت ۔ یہ چار جزو کا ماہوار رسالہ ہے جو دفتر مخزن سے مستورات کے لئے
ماہوار نکلنا شروع ہوا ہے جس کے ایڈیٹر شیخ محمد اکرام اور اسسٹنٹ ایڈیٹر مسٹر اکرام
ہیں۔ پہلے نمبر میں جو جون ۱۹۰۸ء کا ہے علاوہ مردوں کے کئی مضامین حضرات
مستورات کے لکھے ہوئے ہیں تین نظموں میں سے ایک نظم ایک معزز خاتون

کی ہے۔

روشنائی چمن آگرے کی عکسی تصویر بھی رسالے کے ساتھ ہے جناب عالی
شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر نے لکھا ہے۔ لکھائی چھپائی بہت عمدہ قیمت سالانہ
تین روپے مع محصول اور فی پرچہ چار آنے ہے۔

(پیسہ اخبار لاہور)

عصمت۔ مولوی شیخ محمد اکرام صاحب اور ان کی معزز خاتون کے اہتمام
سے یہ ماہوار رسالہ جون سے نکلنے لگا ہے۔ اس کا ٹائٹل پیج مخزن پریس کی اعلیٰ
دستکاری کا نمونہ ہے اور نفس عصمت کی سادگی اور پوری لوح کی نزاکت چاہتی ہے
کہ ہم اس کے متعلق جو کچھ لکھیں خط نور میں پر جبرئیل کے قلم سے لکھیں۔
صنف نازک (عورت) کی رعایت سے جتنی نزاکت اس کی لوح میں صرف کی گئی
ہے۔ اور جو رنگ آمیزی اور مینا کاری رنگین مزاج عصمت مآب خاتونان ہند
کے دست نازک میں چلنے کے واسطے صرف کی گئی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ
کم سے کم دو چار کالم اس کی تعریف میں ہم صرف کر دیں مگر اجمل کی انشا پردازی کا کچھ
اور ہی دعویٰ ہے۔ اسلئے ہم مختصر الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ایسا خوشنما
ایسا پیارا ایسا دلچسپ رسالہ جس میں اچھے مضامین اور خاتونان ہند کی تعلیم و
تربیت کے لیٹریچر کے سوا روایتی چمک کا پتہ لگایا جاتا ہے اور تمام ظاہری خوبیاں
پیدا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا جاتا ہے۔ تین روپے میں بہت ہی
ارزاں اور سستا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ رسالہ ترقی کے مراتب طے کرے۔ یہ
ہندوستان میں بہت جلد پھلے پھولے اور صنف نازک کے سنوارنے میں شاد
قدرت کا شکر ثابت ہو۔

(مشیرِ ہند کیمپ)

عصمت - ایک نیا رسالہ ہے جو کارپردازانِ عزیزی پریس کی پرجوش سعی اور علمی مستعدی کا تازہ ثبوت ہے۔ اگرچہ ملک میں متعدد رسالے ایسے نکل رہے ہیں جنکا موضوع عالم نسواں ہے اور انہیں سے اکثر لائق ہاتھوں میں ہیں لیکن ابھی ایک ایسے رسالے کی کمی تھی جو تمام ملک کی شریف عورتوں کی واقعی علمی ضرورتوں کا کفیل ہو۔ اس کمی کو عصمت نے بوجہ احسن پورا کیا اور پہلا نمبر جو ہمارے پاس پہونچا ہے صوری و معنوی ہر ایک اعتبار سے شریف اور صحیح المذاق خاتونوں کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے اور اس کامیابی پر جو اسکی ترتیب میں شیخ محمد اکرام صاحب اور انکی اہلیہ محترمہ کو ہوئی ہے ہم دونوں کی خدمت میں تہ دل سے مبارکباد عرض کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ نمبروں کو اور بھی زیادہ دلچسپ بنا سکیں گے۔

دکن ریویو ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۸ء

عصمت - عزیزی پریس دہلی نے جو شستہ سے یہ رسالہ عورتوں کے لئے شائع کرنا شروع کیا ہے ایڈیٹر مسٹر محمد اکرام ہیں۔ رسالے کا آغاز بہت اچھا ہے ملک کی معزز خاتونوں نے مالی اور قلمی امداد سے حوصلہ افزائی کرنے کا وعدہ کیا ہے مضامین کے انتخاب میں عورتوں کے فائدہ اور مذاق کا لحاظ کیا جاتا ہے کاغذ لکھائی اور چھپائی اعلےٰ درجے کی ہے۔ سالانہ قیمت ۲ر

زمانہ کانپور
جولائی سنہ ۶

رباعیاتِ اکبر

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج کی رباعیوں کی ایک خوشنما بیاض مخزن پریس دہلی سے ہمارے پاس آئی ہے۔ اس بیاض کا ظاہری حسن دل تعلق میں جذبات کو بڑھا دیتا ہے۔ سادہ لوح پر خوشنما گہرا نیک مینا کاری کا رنگ اور نستعلیق خط کی نوک پلک دل پر خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ ۱۶۴ رباعیاں اور قطعے اس بیاض میں ہیں۔ اور شروع میں ایک مختصر دیباچہ مولوی عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے لکھا ہے۔

(اخبار مشرق مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۱۰ء)

رباعیاتِ اکبر کے نام سے کارپردازانِ مخزن نے مولانا اکبر حسین صاحب کی رباعیات جلی خط میں جس کی پاکیزگی اور آب و تاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ایک چھوٹی سی خوشنما اور مجلد کتاب کی شکل میں شائع کی ہے۔ شروع میں مولوی شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کا ایک جامع دیباچہ ہے۔ قیمت بارہ آنے جو اس کتاب کی خوبی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

(دکن ریویو۔ اگست ۱۹۱۰ء)

جلد - ۱
نمبر - ۵

یعنی

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لیے

اکتوبر ۱۹۰۸ء

اردو میں

پاکیزہ خیالات علمی اور ادبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے

اور

ہر پرچہ ملک کے ممتاز اہلِ قلم کے مضامین کے علاوہ معزز خواتین کے

طبعزاد مضامین اور مشہور مقامات اور مناظر کی تصاویر سے بھی مزین ہوتا ہے

ایڈیٹر رسالہ شیخ محمد اکرام | جائنٹ ایڈیٹر مسز محمد اکرام

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ؎ فی پرچہ ؎

فہرست مضامین عصمت

اکتوبر ۱۹۰۸ء

عصمت

فلارنس نائٹنگیل

بنی نوع انسان کی ہمدردی میں اپنی عمر وقف کرنے والوں میں انگلستان کی
مشہور عفیفہ مس فلارنس نائٹنگیل کا نام ہمیشہ ممتاز رہیگا۔ اور اُنکا ایثار اور اُنکی
بے نظیر خدمات ہمیشہ یاد رہینگی۔ اُنکی مفید زندگی کے مختصر حالات مدراس کے
انگریزی رسالہ نسوان (انڈین لیڈیز میگزین) میں شائع ہوئے ہیں۔ اور
"عصمت" کے لئے خاص طور پر ترجمہ کئے گئے ہیں۔ یہ مضمون ہمیں مسز
فیضی صاحبہ نے جو ہز ہائی نس بیگم صاحبہ جنجیرہ، مس رہانہ فیضی صاحبہ اور مس عطیہ
فیضی صاحبہ کی والدہ ماجدہ ہیں عنایت فرمایا ہے اور ہم اسے دلی شکریہ کے
ساتھ درج کرتے ہیں:۔

فلارنس نائٹنگیل سنہ ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئیں۔ نائٹنگیل صاحب کی منجھلی
صاحبزادی تھیں۔ صاحب موصوف دولتمند اور صاحب اقتدار انگریز تھے۔
اُنکے دو بہت خوبصورت محل تھے۔ ایک انگلستان کے جنوب کے حصّے
میں اور دوسرا وسط انگلستان میں۔ نائٹنگیل صاحب نے اپنی لڑکی کو خود
پڑھایا تھا اور بڑے غور و فکر سے سب علوم میں ماہر بنایا تھا۔ اُنہوں نے
اِتنا ہی کافی نہ سمجھا کہ صرف اپنی زبان کے پڑھانے پر اکتفا کرتے بلکہ

غیر زبانیں فرانسیسی - جرمن - اطالین - لاطینی اور یونانی سب میں کامل اور فائق بنا دیا - حساب میں بھی خاصی مہارت بہم پہنچا دی - علاوہ بریں جن ملکوں کی تواریخ وُہ پڑھتی تھیں - ساتھ ساتھ ان ملکوں کی سیر کرواکر تکمیل کے درجہ پر پہنچا دیا تھا - مصر میں دریائے نیل کے نیچے کے حصے میں بھی انکے والد انہیں لے گئے - فلارنس نائٹنگیل کا لڑکپن کا مکان نہایت بلندی پر خوشنما واقع تھا اور اردگرد پہاڑیوں اور جنگل سے گھرا ہوا تھا - اسکے مقابل ایک ندی مانند چاندی کے بانکی ٹیڑھی ہوکر بہتی تھی - اگرچہ انگلستان کی ندیاں ہندوستان کی ندیوں کی طرح چوڑی نہیں ہوتیں - لیکن پانی سے ہمیشہ بھری رہتی ہیں اور خشک نہیں ہوتیں تو وُہ محل دو سو یا تین سو برس پیشتر بنا ہوا تھا اور عالیشان نظر آتا تھا - احاطے کا باغ آراستہ و پیراستہ خوش وضع دکھائی دیتا تھا - کسی قسم کی جھاڑیاں اس میں نہیں تھیں - بلکہ ہری ہری ملائم گھاس کے وسیع قطعے موجود تھے اور پھولوں کا فرش بچھا ہوا تھا - بلند بالا سایہ دار درختوں سے آسائش بھرا معلوم ہوتا تھا - یورپ میں کئی غریب لوگ بھی اپنے احاطے کو بڑی خبرداری سے صاف ستھرا با قرینہ رکھتے ہیں تو ایسے مرفہ الحال اور صاحب نصیب کا کیا پوچھنا ہے کونا کونا ہنستا تھا - کوڑا کرکٹ یا کاغذوں کے ڈھیر ان چیزوں سے یہ پُرانا محل بالکل صاف تھا - ممکن ہے کہ لوگ خیال کریں کہ مس فلارنس اپنی دولت حشمت اور بے شمار نعمتوں کے غرور میں تمام وقت ملازموں کے درمیان حکمرانی کرتی ہونگی اور عمدہ سے عمدہ پوشاک زیب تن

کرتی اور بیش قیمت جواہرات استعمال کرتی ہونگی۔ لیکن نہیں ان دنیاوی نعمتوں پر وہ راغب نہیں تھیں۔ بلکہ ہم اس بے غرض فدا کار ہمدرد خاتون کی سوانح عمری پڑھتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا طرز معاشرت سیدھا سادہ رکھا تھا اور کام میں ہر لحظہ مشغول رہتی تھی۔ ان کا شغل یہی تھا کہ غریب غربا کی تیمار داری اور حاجتمندوں کی خبر گیری کرنا۔ دیہات کے مکتبوں میں آپ چل کے بچوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ جب فلارنس اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچیں۔ اس وقت مسٹر نائٹنگیل نے اپنی لڑکی کو انگلستان کے رواج کے مطابق مکتب سے اٹھا لیا اور بڑی بڑی محفلوں اور ضیافتوں میں ملنے جُلنے کے لئے لندن لے گئے تاکہ یہ امیرزادی اپنے ہمجنسوں کی سوسائٹی سے بہرہ مند ہو۔ مگر ان کا یہ کام تھا کہ شفاخانوں مدرسوں اور مکتب صنائع کو ملاحظہ کرنا پسند خاطر ہوتا تھا فلارنس کی ذاتی لیاقت نے ان تمام مشاہدات سے ایسی جلا پائی کہ ایک ستارے کے مانند اپنے حلقے میں چمکنے لگیں۔ اور جب سنہ ۱۸۵۱ء میں تمام یورپ نمائش کی تعطیل اور آرام میں مصروف تھا۔ تب یہ ہمدرد محسنہ تین مہینے متواتر شب و روز شفاخانے میں مریضوں کی نگرانی اور تیمارداری میں ہمہ تن مصروف رہیں اور اُن کی ضروریات اور آسائش کا پورا پورا انتظام کیا اور اسی فکر و تردد میں مستغرق تھیں کہ انہیں اور کن کن چیزوں کی حاجت ہے۔ ہسپتال کے بانیوں نے ہم آواز ہو کر کہا کہ آج تک کوئی خاتون امتحان میں اس طرح پوری نہیں اتری جیسے یہ

متمول کم سن اور شرافت سے معمور لڑکی اس کام سے فراغت حاصل کر کے وُہ اپنے عظیم الشان محل میں چند روز کے لئے گئیں۔ اپنے والدین اور ہمشیرہ کی الفت ومحبت میں صرف چند ہی روز خوش گذارے تھے کہ پھر دلسوزی اور ہمدردی جوش زن ہُوئی اور لندن کی طرف کھینچی گئیں۔ فلارنس اگر چاہتیں تو اپنی بے انتہا دولت سے یُوں ہی مدد دیکر غربا کو مستفید کر سکتی تھیں مگر انکو یہ منظور نہ تھا بلکہ وُہ اس بات کو اپنی طبیعت کے مطابق سمجھتی تھیں کہ بذاتِ خاص سعی وکوشش کر کے غریبوں کی دلبری کریں اور اسکے لئے آسودگی اور آسائش کے اسباب بہم پہنچائیں۔ اسی لئے اُنہوں نے اپنے محل کی پاک ولطیف ہوا پر ہسپتال کی کثیف ہوا کو ترجیح دی۔ اور ایسی دُھواں دھار جگہ میں جاکے قیام پذیر ہوئیں۔ وُہ تنگ وتاریک غریب خانوں میں چڑھتی اُترتی تھیں اور دیکھ بھال کرتی تھیں یہ کوئی آسان کام نہ تھا لیکن رحم دلی انسانیت اور ہمدردی اُنکے رگ وپے میں بھری ہُوئی تھی۔ اُنکی یہ ہمت زنانہ قابلِ ہزار آفرین تھی۔ اس اثنا میں ایک بڑی لڑائی ہُوئی۔ فرانسیسی انگریزوں کے ساتھ شریک ہو کر لڑنے لگے اور زخمی سپاہیوں کی تمام اشیاء لندن بھیجی گئیں۔ اُنکے درد ومصیبت میں تیمارداری کرنا مشکل امر تھا۔ شاباش ہو اس بے نظیر فلارنس کی عالی ہمتی پر وُہ آپ سردار بنکر ۳۷ نرسوں[1] کے ہمراہ ان مجروح سپاہیوں کی نگہداشت کے لئے گئیں۔ ۲۴۔ اکتوبر ۱۸۵۴ء میں یہ جماعت بمقام اسکوداری پہنچی۔

---

[1] وہ عورتیں جو بیماروں کی تیمارداری کے فن کی تعلیم پاکر سند حاصل کرتی ہیں۔ نرس کہلاتی ہیں۔

یہ مقام شہر استنبول کے مقابل ہے۔ جہاں سے چمکیلے محلات شاہی اور بُرے کو شک نظر آتے ہیں۔ سرو کے خوبصورت درختوں کے سبز پتوں میں سے یہ تمام ایوانات دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے الگ الگ وضع کے جزیرے سطح آب پر گویا لیٹے ہوئے منظر کے حسن کو دوبالا کرتے تھے۔ آبشار اور جھرنے بکثرت وہاں موجود ہیں اور غروب آفتاب کے وقت ایسے چمکتے ہیں کہ اُنکے مشاہدے سے دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے اور انسان حالت وجد میں آکر بیخود ہو جاتا ہے۔ اس جگہ دو بڑے شفاخانے تھے کہ جن میں بیمار اور زخمیوں کو رکھا جاتا ہے مختلف امراض ہیضہ بخار وغیرہ وغیرہ پھیلے ہوئے تھے اور نہایت بد انتظامی ہو رہی تھی یہانتک کہ دوا کی کمی اور خوراک کی قلت سے ہر آن وہاں انسان پر جو دلخراش سختیاں گذرتی تھیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ مس فلارنس اور اس کی جماعت معاونین ان میں سے ایک شفاخانہ میں پہنچی۔ ایک برآمدہ سا بنا ہوا تھا جس کے چاروں طرف تقریباً ۴ میل کا احاطہ تھا۔ جب ان غریب دردمند زخمیوں نے ان بیبیوں کو دیکھا تو مارے خوشی اور اطمینان کے ان لوگوں کا عجب حال ہوا۔ ایک بیچارہ مظلوم بے اختیار رونے لگا یہ کہہ کے کہ میں اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتا۔ یہ اولوالعزم ہمدرد انگریز بی بی دو ہزار میل طے کر کے تیمارداری اور خبرگیری کی غرض سے یہانتک آئیں۔ زہے قسمت ہماری۔ کریمیا کی لڑائی کے بعد جبکہ چھ سو آدمی یہاں بھیجے گئے۔ تب مس نائٹنگیل نے ان لوگوں کی خوراک اور صفائی کا انتظام

درست کرلیا اور ایک مکان لے لیا جہاں پورا پانی کا بندوبست کرکے
ہر روز بے شمار کپڑے دھلوا کے سکھلائے جاتے تھے اور ایک باورچی خانہ
بنالیا جہاں سے گیارہ سو یا بارہ سو نفر کے لئے جیسا چاہئے۔ ویسا اچھا
کھانا پکا پکایا ملتا تھا۔ تمام نرسیں تکئے اور بچھونے بنانے میں مصروف تھیں
یہ نرسیں اس قدر کارآمد ثابت ہوئیں کہ تھوڑے مہینوں کے بعد مس سٹینلے
اور پچاس نرسوں کو ہمراہ لیکر مس نائٹنگیل کی امداد کو پہونچیں۔ ان لوگوں
کی خدمت گذاری کی اشد ضرورت تھی کیونکہ باسفورس اور دار دانلز
کے ہسپتالوں میں پانچ ہزار سے زیادہ زخمی اور بیمار پڑے ہوئے تھے
اور دوسرے گیارہ سو مجروح اور بیمار کریمیا کی لڑائی سے بہ گئے تھے۔
صرف مس نائٹنگیل کے شفا خانے میں تین ہزار آدمی زخمی اور بیمار
موجود تھے۔ میری پیاری پڑھنے والی بہنیں خدانخواستہ تین بیمار
تمہارے گھر میں ہوتے ہیں۔ تو کس درجہ کام کرنا پڑتا ہے۔ بس اسی
سے اندازہ کرسکوگی کہ اُن کی تیمار داری کس طرح ہوسکتی ہوگی۔ کئی دفع
بلکہ بہت مرتبہ مس نائٹنگیل کو ۲۰ ۲۰ گھنٹے یکساں کام میں مصروف رہنا
پڑا ہے۔ موت کا بازار اس قدر گرم تھا کہ ایک مہینے میں سات ڈاکٹر
عدم کو سدھارے۔ انکے قائم مقام آٹھ ڈاکٹر اور آئے اور تین نرسیں
علیل ہوئیں کیونکہ مہلک امراض جان لیوا موجود تھیں۔ ڈاکٹر مکڈانل
تحریر کرتے ہیں کہ ان ہسپتالوں میں جو جو بیماریاں تھیں وحشت ناک اور
خطرے سے بھری ہوئی تھیں۔ لیکن یہ بہادر۔ اپنی جان سے بے پروا

خاتون ہر جگہ چلتی پھرتی اور کام میں ہمہ تن غرق نظر آتی تھیں اور جس بیمار کے نزدیک سے وُہ گذرتی تھیں اُس کا چہرہ احسانمندی اور خوشنودی سے تمتما جاتا۔ حق تو یہ ہے کہ وُہ صحت کا فرشتہ تھیں۔ جب تمام ڈاکٹر تھک کر رات کو آرام کے لئے جاتے تب یہ محسنہ ایک چھوٹی سی لالٹین ہاتھ میں لئے بیشمار بیماروں کے دائرے میں دبے پاؤں سے ہر وقت نگرانی کرتی ہُوئی دکھائی دیتیں۔ سب کو یہ خوف دامنگیر رہتا تھا کہ کہیں اپنی کوششوں میں ہار نہ جائیں۔ مگر اُنکی تربیت یافتہ طبیعت اور رحم سے معمور دل ایسے صدمے صبر و تحمل سے سہہ سکتا تھا۔ زنانہ دل کم ایسے ہونگے۔ سات مہینے کی محنت شاقہ اور تیمار داری کے بعد فلارنس آپ شدت سے بخار میں مبتلا ہوئیں۔ پندرہ روز تک بستر سے نہ اُٹھ سکیں اور نہایت نحیف اور کمزور ہو گئیں۔ جب شفایاب ہوئیں اس وقت سب نے عاجزی سے التجا کی کہ اب آپ اپنے وطن کو واپس چلی جائیں۔ مگر وُہ راضی نہ ہوئیں۔ آخر کار بڑی مشکلوں سے لارڈ وارڈ کی درخواست سے دُخانی جہاز میں تبدیلِ آب و ہوا کے لئے جانے کو آمادہ ہوئیں۔ اس وقت اُنکی حالت ایسی ردی ہو رہی تھی کہ کئی آدمیوں کی مدد سے انہیں جہاز میں سوار کرایا۔ اور تہ دل سے سب کی دُعا شاملِ حال تھی کہ خداوند کریم شفا عاجل عطا فرمائے۔ اس شدید حالت کے طاری ہونے سے گو کبھی وُہ اپنے ہاتھوں پیروں سے کام نہ لے سکیں ناچار ہو گئیں۔ اور دائم المرض بھی لیکن پھر بھی اپنی دولت اور دماغی مدد سے وُہ اسی فکر د

تر و دہیں اپنے اوقاتِ عزیز کو بسر کرتی رہیں - ان کا شفاخانہ جو لندن کے جنوب میں واقع تھا اُس میں لوگ دیکھ سکتے تھے کہ بیماروں کی معاونت کس قدر دل سے ہوتی ہے کہ شاید ہی کسی جگہ ہوتی ہو۔ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئیں نہایت خوش شکل نظر آتی تھیں۔ مکان کیسا صاف ستھرا عمدہ اشیا سے سجا ہوا پھولوں سے مہکتا ہوا خوشنما ہوتا اور وہ ملائم نرم آواز سے کہتیں کہ میں سویرے چھ بجے سے اپنے مراسلات شروع کرتی ہوں ممکن نہیں کہ شام تک حسب دل خواہ لکھ سکوں۔ صبر و تحمل۔ بُردباری۔ خوش مزاجی۔ ظرافت سب خاصیتیں موجود تھیں ایسی ہی نیک بی بیاں بہشتی ہوتی ہیں۔ خُدا ایسی نیک دل اور بے غرض محسن سب کو بنائے۔ آمین ✤

مسز ایچ فیضی۔ از بمبئی

بیماری اور بیمارداری

بیگم صاحبہ نواب خدیو جنگ بہادر جو جناب نواب عماد الملک مولوی حسین صاحب بلگرامی کی صاحبزادی ہیں اور جن کے مضامین سے کئی انگریزی رسالے مستفید ہو چکے ہیں۔ مندرجہ ذیل دلچسپ مضمون عنایت فرماتی ہیں اور "عصمت" کی قلمی امداد جاری رکھنے کا وعدہ فرماتی ہیں۔ ہم اس احسان کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں:۔

احمدی بیگم۔ کیا وقت ہے؟

کاظمی بیگم۔ تین بجے ہیں۔

احمدی۔ انوری تو ابھی سو رہی ہیں اور دوا کا وقت گذرا جاتا ہے۔

کاظمی۔ بہن خدا کے واسطے جگانا نہیں۔ بیمار کے لئے سونا اکسیر ہے جتنا وہ سوئے بہتر ہے۔

احمدی۔ نہیں بہن میں جگاتی نہیں ہوں۔ میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں نرس نے کہا تھا کہ تین بجے مجھے جگا دینا میں اُسے جگا کر بھیج دیتی ہوں۔

احمدی بیگم اپنے کمرے میں گئیں وہیں ایک سوفے پر نرس سو رہی تھی اُسکو جگایا وہ انگڑائیاں لیتی اُٹھی اور پوچھا بی بی کیا ہے؟ احمدی نے کہا وہ تو اچھی طرح آرام سے سو رہی ہیں اور کاظمی بیگم اُنکے پاس بیٹھی ہیں۔ میں نے تم کو حسب وعدہ جگا دیا یہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔ اِتنے

میں ایک ماما نے آن کر کہا بی بی تم کو اور میم صاحب کو بیگم صاحب بلاتی ہیں۔ یہ دونو فوراً اُٹھ کر بیگم صاحب کے کمرے میں گئیں۔ وہاں بیگم صاحب پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ ایک ماما پاؤں دبا رہی تھی اور کئی بیبیاں عزیز اور غیر جو عیادت کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ وُہ بھی وہاں بیٹھی تھیں۔

بیگم صاحب۔ نرس تم بچی کے پاس سے آئی ہو؟

نرس "نہیں۔ مَیں احمدی بی بی کے کمرے میں سوتا تھا اور بی بی اُنکے پاس تھا۔"

بیگم صاحب۔ احمدی کی طرف مخاطب ہو کر پُوچھنے لگیں "بیٹا بہن کا مزاج کیسا ہے اسوقت کیا کر رہی ہیں۔ مجھ سے وہاں تو جایا نہیں جاتا۔"

احمدی۔ اماجان! اس وقت تو ماشاءاللہ بہت آرام سے سو رہی ہیں۔ میں اُنکو سوتا چھوڑ آئی ہوں۔ آپ کو چاہئے کہ بیمار کے پاس ذرا دیر بیٹھا کیجئے پاس بیٹھنے سے بہت تسکین ہوتی ہے۔ آپ تمام دن پیٹ پکڑے پکڑے پھرتی ہیں نہ کھانا کھاتی ہیں نہ سوتی ہیں وُہ تو انشاءاللہ اچھی ہو جائینگی۔ مگر آپ بیمار پڑ جائینگی۔ گھبرانے سے کیا فائدہ ہے۔ خدا پر بھروسہ کیجئے۔"

پھر بیگم صاحب نے نرس سے پوچھا کہو رات کیسی کٹی۔ نرس نے کہا۔ بیگم صاحب رات کو بی بی اچھا سویا دودھ بھی اچھا پیا تھوڑا سوپ پیا۔ آپ کچھ فکر نہیں کرنا جلدی اچھا ہو جائیگا۔ آپ کچھ کھانا۔ اسوقت تھوڑا چائے بھی پینا۔ آپ کو ویسا اچھا نہیں۔ ماما جی تھوڑا چائے

بیگم صاحب کے واسطے لادو - ہم پلا ئیگا"
بیگم صاحب - ُاو تم کیا باتیں کرتی ہو مَیں تو کھاتی پیتی سب کچھ کرتی ہوں میں نے کیا چھوڑ دیا تم لوگوں کو میری ہی فکر پڑی رہتی ہے - مَیں چالیس برس کی ہوئی سب کچھ دُنیا میں دیکھا میری بچی بیچاری نے ابھی کیا دیکھا ہے - جی بھر کے کھایا نہ پہنا خدا اُسے اُٹھا کر صحیح سلامت پھر کھڑا کر دے تو مَیں جانوں - تم سب کو اُس دن بہت خوش کرونگی -
راحت بیگم - بہن تم ناحق اتنا پریشان ہوتی ہو - لڑکی تو اچھی ہے اور انشاء اللہ جو کچھ روگ بھوگ ہے سب جلد رفع ہو جائیگا - اب اپنی فکر کیجئے - آپ نہ کچھ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں نہ سوتی ہیں - اس کا نتیجہ آخر یہی ہوگا کہ آپ بیمار پڑ جائینگی اُس وقت اور لینے کے دینے پڑینگے - لڑکی کی بھی پوری خبرداری نہ ہوسکیگی - مَیں آپ سے پوچھتی ہوں کہ اس قدر پریشان ہونے سے کیا فائدہ ہے - کیا پریشانی سے کچھ بیماری گھٹ جاتی ہے - یہ کوئی ٹوٹکا ہے کہ جس سے فوراً شفا ہوتی ہے انگریزوں کو دیکھئے کہ انکے ہاں عورتیں کیسی بہادر ہوتی ہیں - گھبرانا پریشان ہونا جانتی ہی نہیں ہیں کہ کس چڑیا کا نام ہے صبر اور سہولت سے کام لیتی ہیں نہ اُنکے وہاں منّتیں ہیں نہ مرادیں صرف انکی مستقل مزاجی انکے کام آتی ہے بیمار کی بیمارداری بھی کرتی ہیں اور وقت پر آرام بھی لیتی ہیں - سوتی ہیں ہواخوری کو جاتی ہیں - غرض کچھ بھی ہو جائے وُہ اپنے آرام اور راحت میں خلل نہیں آنے دیتی ہیں - ایک ہماری

یہاں کی بیبیاں ہیں کہ ذرا کچھ ہوا اور حواس باختہ ہو گئے آپ الگ گھبرائی
ہوئی پھرتی ہیں اور ڈاکٹر طبیبوں کے ہاتھ پاؤں پھلا دیتی ہیں بلکہ خود
بھی بیمار بنکر پلنگ پر پڑ رہتی ہیں۔ آپ کو چاہیے اسوقت تھوڑی سی
چائے پیجئے کچھ بسکٹ کھائیے۔ احمدی کو دیکھئے اس کا منہ کیسا اتر
گیا ہے وُہ آپ کو ملول دیکھ کر گڑ ہی جاتی ہے ذرا اُس پر تو رحم کیجئے
ایسی بھی پریشانی کیا کہ کسی کا خیال نہ رہے۔ دُولہا بھائی بیچارے
آتے ہیں تو آپ اُنکی طرف مخاطب بھی نہیں ہوتیں نہ اُن کا کہنا سنتی ہیں
وُہ بیچارے نیکبخت آدمی ہیں اُن کا آپ سے کچھ بس نہیں چلتا ہے۔
انگریزوں کو دیکھئے کہ کتنا اپنے صاحبوں کا کہنا مانتی ہیں اور کس قدر اُن کا
لحاظ کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ آپس میں اِس قدر میل ہوتا ہے۔ یہاں کی
عورتوں کو کسی قسم کا سلیقہ ہی نہیں"۔ غرض سب کے کہنے سُننے سے
بیگم صاحب راضی ہوئیں اور چائے آئی۔ احمدی بیگم نے چائے بنا کر
ماں کو دی اور زبردستی آدھا بسکٹ کھلایا۔ بیگم صاحب نے نرس کو
کہا تم جا کر دیکھ آؤ کہ انوری کیا کر رہی ہیں۔ نرس گئی اور آ کر کہا "بیگم صاحب
وُہ ابھی آرام کرتا ہے۔ اب میں جا کر وہاں بیٹھتا اور کاظمی بیگم کو بھیجتا اُن تو
تھک گیا"۔ نرس کے جانے کے بعد پھر بیگم صاحبہ نے احمدی بیگم کو بھیجا
وُہ گئی تو انوری کو بیدار پایا پُوچھا بہن مزاج کیسا ہے؟ انوری نے کہا
اچھا ہے ذرا اماں جان کو بلا لاؤ میرا جی چاہتا ہے میں اُنکے ساتھ
چائے پیوں۔ احمدی ماں کو بُلانے گئی۔ جب تک نرس نے انوری کو

دوا پلائی۔ گرم پانی میں اسپنج بھگو کر ان کا مُنہ ہاتھ دھویا بالوں میں برش کیا اور مریض کو بنا سنوار کر تکیہ لگا کے بٹھا دیا۔ استنے میں ماں حمیدہ بیگم خالہ راحت بیگم بہن احمدی بیگم سب انوری کے گرد جمع ہوئیں۔ اُس دن سب کو اُمید ہوئی کہ خدا نے چاہا تو مزاج سنبھل جائیگا۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ دُنیا بہ اُمید قائم اُمید پر آدمی جیتا ہے اور اس پر اصل پوچھو تو سب کا دارومدار ہے ؎

سکندر کو شانِ کئی اُس نے بخشی　　　کلمبس کو دُنیا نئی اس نے بخشی

یہ ایک چیز اگر دُنیا سے اُٹھ جائے تو سب خاک ہو۔ یہ عصائے پیر تیغ جوان ہے اس سے جفاکش کا دل قوی عاشق کا دل آباد عابد کا دِل شاد ہے اُمید اُمید وا دری تیری خوبیاں تو ہی جلاتی ہے اور تو ہی مارتی ہے۔

المختصر بیگم صاحب نے ماما راحت بی کو بلا کے کہا انوری بیگم کے چاندی کے برتنوں میں چائے بنا لا یہ سب بہن سہیلیاں انوری کے کمرے میں جمع تھیں کہ استنے میں گاڑی کی آواز آئی انوری نے کہا احمدی دیکھو معلوم ہوتا ہے۔ ابّا جان کی گاڑی ہے تم ذرا جا کے انہیں یہیں بُلا لاؤ ورنہ باہر کے لوگ اُنہیں گھیر لینگے۔ احمدی نے نیچے جا کر کہا ابا جان آپا آپ کو بُلاتی ہیں۔ اسوقت اپنا مزاج اچھا پاتی ہیں۔ اس لئے چاہتی ہیں کہ آپ بھی آکر اُن کے ساتھ چائے پیجئے سید علے نقی خان فوراً احمدی کے ہمراہ انوری کے کمرے میں گئے

باپ کو دیکھ کر انوری کا چہرہ بشاش ہو گیا اور مسکرا کر کہنے لگی۔ ابا جان

آج میرا مزاج بہت اچھا ہے درد بھی کم ہے۔ نرس کہتی ہے بخار بھی نہیں ہے
آپ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھئے۔ چائے پیجئے علی نقی خاں نے
کہا اچھا تم چائے بناؤ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں
علی نقی خاں کپڑے بدل کر آئے اتنے میں چائے بھی آگئی۔ احمدی بیگم
نے بنا بنا کر سب کو تقسیم کی۔ انوری کے واسطے ہلکی چائے بہت سا
دودھ ڈالکر دی۔ سید علی نقی خاں نے کہا۔ بیٹا یہ چائے کے برتن
تمہارے بہت اچھے ہیں۔ مگر یہ اس کے جوڑ کی پیالیاں نہیں۔ تم کو
میں کل بہت اچھی پیالیاں لادونگا۔ بشرطیکہ تم اب سے شوربا اگالدان
میں نہ پھینکدیا کرو۔ میں تمہارے واسطے ایک اور چیز لایا ہوں تمہاری
پسند کی چیز ہے۔ بھلا بتا سکتی ہو کیا ہے۔ انوری نے کہا شاید کوئی
کتاب ہوگی علی نقی خاں نے کہا نہیں بہت خوبصورت ایک لکھنے
کا بکس ہے۔ رحمت جا خدمتگار سے کہہ کہ نیا صندوقچہ جو صبح کو آیا ہے
دیدے۔ رحمت جا کر صندوقچہ لے آئی اور انوری کے پاس رکھدیا۔
انوری کھول کر اس کے خانے وغیرہ دیکھنے لگی اور بہت تعریفیں کرنے
لگی۔ انوری کی ماں جمیلہ بیگم نے کہا واقعی انوری تمہارا صندوقچہ بہت
ہی اچھا ہے۔ مجھے دو میں اسکو سجا دوں۔ احمدی نے کہا آپا میرے
پاس بہت اچھا چاقو اور خط لکھنے کے کاغذ ہیں یہ کہہ کر اپنے کمرے
میں گئی اور چاقو اور کاغذ لاکر صندوقچہ میں رکھدیا اتنے میں انوری
کا چھوٹا بھائی احمد علی جو اثنائے گفتگو میں آنکر چپ چاپ بہن کے

پلنگ کے پاس کھڑا ہو رہا تھا۔ جلدی سے جاکر اپنی کتابوں کے کمرے میں سے ایک ہاتھی دانت کا قلم اور دو تین پنسل لے آیا۔ اور کہا لو کیا میں بھی تمہارے صندوقچے کے واسطے ایک چیز لایا ہوں۔ انوری نے اپنے زرد دُبلے ہاتھ سے بھائی کا ایک ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے وُہ پنسل اور قلم لے لئے اور کہنے لگی۔ بھائی یہ قلم بہت اچھا ہے تم اپنے پاس رکھو۔ شاید تم کو ضرورت ہو۔ احمد علی نے کہا میں اسکو خاص آپ کے واسطے کل دُکان سے لے آیا تھا دینا بھول گیا آج صندوقچہ دیکھکر مجھے یاد آیا*

(باقی آئندہ)

سیر یورپ

(ہرہائی نس نواب بیگم صاحبہ جزیرہ جبشان)

گذشتہ اشاعت سے آگے

لندن۔ ۱۱۔مئی ۱۹۰۸ء مسٹر ٹاٹا کے مکان اور اس کی آرائش کا تھوڑا سا ذکر ہو چکا ہے۔ مگر جس وقت ہم پہنچے بہت تھکے ہوئے تھے۔ مکان کی آرائش کو اچھی طرح دیکھ نہ سکے اور کھانا کھاتے ہی سو گئے۔ صبح کو بہ غور دیکھا اور بے اختیار مسٹر ٹاٹا کی خوش مذاقی کی داد دینی پڑی۔ ٹیپسٹری[1] کے قیمتی ٹکڑے خرید کر اس کا فرنیچر بنایا ہے۔ دُنیا بھر کی عجائبات اُنہوں نے شوق سے جمع کی ہیں۔ یشب کی چیزیں دیکھنے کی تھیں۔ یہ پتھر ایسا سخت ہوتا ہے۔ کہ اس پر کچھ کندہ کرنا مشکل ہے۔ مگر اس کے کام کے اچھے اچھے نمونے اُنہوں نے اکٹھے کئے ہیں۔ حال میں پیرس کا ایک نامی مجموعہ عجائبات مسٹر ٹاٹا نے خریدا ہے۔ جس کے لئے بےحد روپیہ دینا پڑا۔ انہیں یہ شوق اس درجہ ہے کہ علم الطبق یعنے پرانی چیزیں پہچاننے اور سمجھنے کی بڑی بڑی کتابیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اس مکان میں ایک بہت بڑا ہشت پہلو کمرہ ہے۔ جس کے ہر پہلو میں بڑی خوبی سے کلوخ کی الماریاں لگائی ہیں۔ اور ان میں بیش بہا رچے

[1] پارچات جن پر بڑی بڑی تصویریں بُنکر بنائی جاتی ہیں۔ اور بُننے میں مختلف رنگ دکھائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ باریک سے باریک باتیں مثلاً دھوپ چھاؤں بھی اُستادوں نے اس صنعت میں دکھائی ہے۔

کمیاب ہتھیار اور دیگر نادر چیزیں نہایت عمدگی سے سجائی ہیں۔ اس کمرے کی گنبد دار چھت بھی کانچ کی ہے۔ اس کے برابر ایک کمرہ ہے جس میں بُھس بھرے ہوئے جانور رکھے ہوئے تھے۔ اب مسٹر ٹاٹا نے اس کو میوزیم اور بال روم قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ایک کمرہ ہے۔ جس میں سنگ مرمر کا حوض ہے۔ جو تیرنے کے لئے اور حمام کے طور پر کام دیتا ہے۔

کھانے کا انتظام بھی ایسا ہی مکمل ہے۔ جیسا اور سامان۔ ایک فرانسیسی باورچی ہے جو اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے پکا سکتا ہے۔ صبح کی چاء کے سوا جو کمروں میں آتی ہے۔ چار وقت کھانا پکتا ہے۔ مسٹر ٹاٹا کے ۲۶ نوکر ہیں۔ اور سوچنے کی بات ہے کہ نوکروں کی یہ تعداد ولایت میں کس قدر امیری پر دلالت کرتی ہے۔ ان نوکروں کے سوا سکرٹری داروغہ وغیرہ الگ ہیں۔ کل مکان کو پانچ چھ عورتیں شیشے کی طرح صاف رکھتی ہیں۔ اور کب اپنا کام کرتی ہیں معلوم نہیں ہوتا۔ باغ نیا بنا ہے۔ دو تین ہزار پونڈ یعنے تیس چالیس ہزار روپیہ اس پر صرف ہوئے ہیں ابھی پھول بہت نہیں نکلے۔ تھوڑے دنوں میں گلزار بن جائیگا۔ ندی قریب ہے۔ اس کے کنارہ پر عمدہ بوٹ ہوس موجود ہے۔ اور کشتیاں تیار رہتی ہیں۔ جس وقت جی چاہے ندی پر سیر کرنے چلے جاؤ۔ کچھ دنوں سے سردی بہت غیر معمولی پڑنے لگی ہے۔ حالانکہ یہ سردی کا وقت نہیں اور میں سردی سے گھبراتی ہوں۔ اس لئے

کمروں میں آگ برابر موجود رہتی ہے۔ ایک موٹر گاڑی ہر وقت ہمارے لئے حاضر ہے۔ غرض لوازم مہمانداری میں کسی چیز کی کمی نہیں اور لطف یہ کہ ایسا مکان اور یہ آسائش لندن کے بالکل قریب میسر ہو۔

شام کو ہم بھائی اطہر کے ہاں گئے۔ مگر وہ مکان پر نہ ملا۔ پھر مسز لطیف کے ہاں گئے۔ مکان بہت تلاش سے ملا۔ غنیمت ہوا کہ وہ گھر پر تھیں۔ بہن نسیمہ؎ بھی وہیں تھیں۔ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ شادی کا ذکر آیا تو مسز لطیف نے کہا کہ اُمید اِس وقت آپ یہاں ہونگے۔ مَیں نے کہا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شادی میں دیر ہے اُس وقت بہن نسیمہ نے بھی کہا کہ کیا تھوڑے روز زیادہ آپ نہیں ٹھہر سکتیں کہ شامل ہوں۔ مَیں نے اپنی معذوری ظاہر کی۔ مگر اس کے کہنے سے مجھے خیال آیا کہ یورپ کی تربیت نے یہ آسانی پیدا کر دی۔ کہ اس ذکر میں وُہ بھی شریک ہوں جنہیں تھوڑے دنوں میں دُلہن بننا ہے۔ ورنہ کیسے ممکن تھا۔ ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے۔ بہن عطیہ نے راستے میں بعض بڑی بڑی دُکانوں کی سیر کرائی۔ اور اس کے بعد فُلر کی مشہور دکان میں چا پی۔ وہاں چار پانچ بجے کے قریب بڑا مجمع ہوتا ہے۔ اور گو اس وقت بیشتر عورتیں اور شریف عورتیں جو ریجنٹ سٹریٹ کی دوکانوں سے سودا خریدنے آتی ہیں۔ وہاں آکر چا پیتی ہیں۔ تاہم مجھے یہ ہجوم عام بہت تکلیف دہ معلوم ہوا۔ اور نہ مجھے چا کا مزہ نہ آیا۔ کیا عام

؎ مس بدرالدین طیب جی جنکی شادی حال ہی میں مسٹر لطیفی صاحب آئی۔ سی۔ ایس۔ سے بمقام لندن ہوئی ہے۔

زندگی ہے۔ کہ سب کچھ سب کے درمیان کرو۔ ممکن ہو کہ اب یہاں کچھ عرصہ رہتے رہتے میں بھی اس کی عادی ہو جاؤں۔ ورنہ تمام وقت اس وجہ سے ایک بےچینی رہتی ہے جس سے صبر کا لطف آدھا رہ جاتا ہے۔

منگل۔ ۲۰۔ مئی ۱۹۰۸ء بھائی قمرالدین اور جلال شاہ وغیرہ سب ملنے آئے۔ ہم نے دوپہر کے کھانے تک ٹھہرایا۔ اس کے بعد وہ رخصت ہوئے۔ شام کو ہمیں لیڈی پریم روز کے ہاں جانا تھا۔ انہوں نے چند لوگوں کو ہم سے ملاقات کرنے کے لئے بلایا تھا۔ پیرس جلد جانے کا ارادہ تو اب تقریباً معطل کرنا پڑا۔ کیونکہ ۲۲ تاریخ کو بادشاہ اور بادشاہ بیگم کی ملاقات ٹھہری ہے۔ پہلے سنا تھا کہ قیصر اور قیصرۂ ہند کے ہاں ڈرائنگ روم کا جلسہ ہے۔ اس میں ہم بھی بلائے جائینگے۔ لیکن انہوں نے اپنے اخلاق شاہانہ سے یہ تجویز کیا ہے۔ کہ ہم جلسہ کے وقت سے پہلے محل شاہی میں جائیں اور حضور اور میں قیصر اور قیصرہ کی خاص ملاقات سے شرف یاب ہوں۔ اس کے بعد بادشاہ اور بادشاہ بیگم ڈرائنگ روم میں جائینگے اور وہاں ہم کو ایک جگہ بٹھائینگی۔ جہاں سے ہم سب حاضرین کو بخوبی دیکھ سکینگے۔ ڈرائنگ روم میں عطیہ بہن کے جانے کی اجازت بھی مانگی ہے۔ اُمید کہ مل جائے۔

بدھ۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۰۸ء حضور سر کرزن وائلی کی ملاقات کو گئے تھے۔ اُن سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ بہت عمدہ آدمی ہیں۔ جو جو ملاقاتیں مثلاً وزیر ہند و وزیر اعظم سے ضروری اور مناسب ہیں۔ اُن کا

انتظام کر کے حضور کو خبر دیتے رہینگے۔

ہماری قدیم مہربان لیڈی رے نے لنچ پر بلایا۔ حضور۔ مَیں اور عطیہ بہن گئے۔ اِس ضعیفہ سے مل کر بہت طبیعت خوش ہوئی۔ خوب پرانی باتیں کیں۔ اماں جان کو بہت پوچھا۔ حکمتوں سے ضعیفی کے نشانات کو ٹالنے کی کوشش یہ لوگ پوری کرتے ہیں اور شاید ایک حد تک کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر لیڈی رے نے مجھے اور عطیہ کو اوپر لے گئی۔ لارڈ رے اور نواب صاحب نیچے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ہمیں لیڈی رے نے بہت سے ہوٹلوں کا پتا دیا۔ جہاں آرام سے کچھ دِن رہ سکیں۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ لیڈی رے نے بھی کہا اور مسز لطیف نے بھی کہا تھا۔ کہ مَیں بیمار معلوم ہوتی ہوں۔ حالانکہ مَیں بالکل تندرست ہوں۔ اصل یہ ہے کہ یہاں کی زندگی کی عادی نہیں ہوں۔ اس سے ایک قسم کی گھبراہٹ اور کوفت ہوتی ہے گویا ہنوز دل بیمار ہے۔ اور اس کا اثر چہرہ پر پڑتا ہے۔ چچا صاحب امیر الدین طیب جی اور چچی صاحبہ کی بابت بھی پوچھتے رہے۔ غرض دیر تک وہاں پُرلطف نشست رہی اور ہم بہت محظوظ ہو کر گھر آئے۔

جمعرات۔ ۱۴۔ مئی ۱۹۰۸ء سٹیشن پر دیکھنے کے بعد آج آخر اظہر سے ملنا ہوا۔ مَیں تو سمجھتی تھی کہ ملنے کا ہی نہیں۔ مگر اس کا بہت قصور نہیں۔ اِمتحان کی محنت میں سخت گرفتار تھا۔

شام کو لیڈی برج کے ہاں پارٹی تھی۔ میزبانوں نے ہمارے

لئے بھی انتظام کیا تھا اور انکی خواہش سے ہم گئے۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ صاحب خانہ سب کا استقبال کر رہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے مجمعوں میں کس کو لطف آتا ہوگا۔ ایک چھوٹے کمرے میں ایک گانے والی گا رہی تھی اور پیانو بجتا تھا۔ مرد گانے والا بھی تھا۔ سُنتی ہوں کہ ان لوگوں کو خوب رقم دینی پڑی ہوگی۔ ہمارے لئے ایک جگہ رکھی ہوئی تھی۔ ہم تو وہاں بیٹھے بیٹھے موسیقی سُنا کئے۔ ایسے مجمعوں میں ملاقاتیں کرانے کا رواج بہت کم ہے۔ جو جنکو پہچانتے ہیں وہ آپس میں ملتے ہیں۔ ورنہ تماشے میں مصروف رہتے ہیں۔ نیچے ایک کمرے میں ناشتے کا سامان تھا۔ رخصت ہوتے وقت چار وغیرہ پی کر ہم گھر آ گئے۔

آج انگلو فرنچ نمائش کھولی گئی۔ فرانس سے جمہوری پریسیڈنٹ خاص اس موقع کے لئے آئے تھے اور انگلستان کی طرف سے شہزادہ وغیرہ افتتاح کے لئے گئے اور دونوں نے ملکر نمائش کو کھولا۔

عطیہ میرے لئے عمدہ گرم کپڑے لے آئی ہے۔ دیکھنے میں بالکل باریک ہیں۔ مگر خوب گرم ہیں۔

جمعہ ۱۵۔ مئی۔ مس سیموئل اور انکی ماں ملاقات کو آئیں۔ ۳۔ جون کے لئے دعوت دے گئی ہیں۔ اور کہتی تھی کہ اتنا پہلے سے دعوت دینے کا یہ سبب ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبروں کو بلانا چاہتی ہیں اور وہ بغیر کافی وقت پہلے اطلاع ہونے کے آ نہیں سکتے۔

شنبہ۔ ۱۶ مئی۔ دس بجے میں بھائی اور عطیہ کے ساتھ نکلی۔ انہوں نے کیڈوگن ہوٹل میں جس کا پتہ لیڈی رے نے دیا تھا۔ کچھ کمرے پسند کئے تھے۔ میں بھی انہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ہوٹل بہت عمدہ ہے۔ چار اچھے کمرے سونے کے اور ایک بڑا کمرہ نشست کا۔ مع دیگر ضروریات کے ایک رٹ کا سٹ مکمل ہے۔ ہوٹل سے ہم ٹامس کک کے دفتر کو گئے کہ وطن کے پیارے خطوط لیں۔ مگر خط ہمارے پتہ سے روانہ ہو لئے تھے۔ اس لئے گھر آکر ملے۔ مغرب تک خطوں سے فرصت نہیں ملی۔ خوشی اور رنج دونوں نے دل کو گرفتار کر لیا۔ خوشی خیر و عافیت معلوم کرنے سے ہوئی اور رنج یاد وطن سے۔ مجھے تو یہاں کی زندگی بھائی نہیں۔ میرے مزاج سے بالکل الگ ہے اور میں تھک جاتی ہوں۔ دن رات کچھ نہ کچھ کرتے رہو۔ بس یہی دھوم ہے۔ حیرت ہے کہ لوگ ہر سال اس کی برداشت کیونکر کرتے ہیں۔

شام کو مسز میور مکنزی اور مسٹر اور مسز گپتا کھانے پر آئے اور مسٹر موتی اور دو ایک صاحب اور بھی تھے۔ مسٹر گپتا کی ظاہری صورت یا گفتگو کا تو کچھ عمدہ اثر مجھ پر پڑا نہیں۔ اُنکی قابلیت جو کچھ بھی ہے چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مسز میور مکنزی نہایت لائق بی بی ہیں جتنی زیادہ ملاقات ہو اتنی قدر اُنکی دل میں زیادہ ہوتی ہے کیسی چُپ چاپ اور متین ہیں۔

اتوار۔ ۱۷ مئی۔ بہت ہی چمکتا ہوا دن تھا۔ اس لئے ہم ہنڈی پر

سیر کو نکلے۔ اور مسٹر ٹاٹا کی موٹر کشتی پر خوب لمبی سیر کی۔ ٹیمز ندی کے کنارے اس موسم میں عجیب پُرلطف ہوتے ہیں۔ لب دریا لوگوں کے مکان اور مکانوں کے پائیں باغ ہیں۔ جن میں رنگا رنگ کے پھول کھلنے شروع ہو گئے ہیں۔ اتوار کا دن تھا۔ ندی چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے پٹی تھی جن میں لوگ سیر کو نکلے تھے۔ کبھی بی بی صاحبہ لیٹی ہوئی کتاب پڑھ رہی یا سو رہی ہیں اور مرد کشتی چلا رہا ہے۔ کبھی وہ چلاتی ہیں اور مرد آرام لے رہا ہے۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے پُرلطف مناظر کو دیکھ کر ہم واپس آئے۔

پیر۔ ۱۰۔ مئی۔ آج ہم مسٹر ٹاٹا کے ہاں سے رخصت ہو کر ہوٹل میں آ گئے۔ کوئی ساڑھے دس بجے منیر بانو کو خدا حافظ کہہ کر ہم موٹر میں سوار ہوئے اور کوئی پونے گھنٹے میں ہوٹل میں تھے۔ اس روز میری طبیعت اداس سی رہی۔ بیچاری عطیہ نے بہت چاہا کہ مجھے باہر لیجاوے مگر دل نہ چاہا۔ آخر وہ بھی جاکر سو گئی۔ ابھی مجھے راستوں میں چلنے کی عادت نہیں ہوئی۔

منگل۔ ۱۹۔ مئی ۱۹۰۹ء۔ صبح پھرنے کو گئے ہائڈ پارک کی سیر کی۔ رات اوپیرا میں جانے کی ٹھہری۔ اظہر کو بھی بلایا اور اصغر بھائی بھی ہمراہ ہوئے۔ ایک ایک گنی اچھی سیٹ کے ٹکٹ کی قیمت ہو۔ ملبا جو یورپ کے مشہور گویوں میں نامور ہے۔ اس دن گانے کو تھی اور لندن میں بہت دنوں کے بعد آئی تھی۔ اس لئے لوگوں کی یہ کثرت تھی۔ کہ اوپیرا

کی عالیشان عمارت میں ایک جگہ خالی نہ تھی۔ ملبا کی آواز غضب کی ہے۔ بوڑھی ہوگئی ہے۔ اس پر آواز جوانوں کو مات کرتی ہے۔ ملکہ معظمہ اور شہزادی وکٹوریا بھی ملبا کو سُننے آئی ہوئی تھیں۔ واقعی ہماری ملکہ نے عجب لازوال حسن پایا ہے۔ مانا کہ اب بڑھاپے میں انکی جوانی بناوٹ کی جوانی ہے۔ مگر بناوٹ بھی درجہ کمال پر پہنچ کر قدرتی معلوم ہونے لگتی ہے اور ایک خداداد خوبی اُنکے چہرہ میں ہے۔ جو آپ اثر رکھتی ہے۔ ایسی ملکہ سچ مچ ملکہ کہلانے کی مستحق ہے۔ شہزادی وکٹوریہ کی صُورت میں کوئی خاص بات نہیں۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اوپیرا ختم ہوا اور ہم ۱۲ بجے کے قریب گھر پہنچے اور سو گئے۔

اسی دن سہ پہر کو مس سیموئل کے ہاں ایک بڑی پارٹی تھی۔ انکے ملنے والوں میں بڑے بڑے مشاہیر۔ شعرا۔ اور صاحبانِ فن ہیں۔ وہ سب اُس دن جمع تھے۔ مجھے مس سیموئیل نے ایک عمدہ موقعہ پر لیجا کر بٹھا دیا اور پھر کیسی کیسی مشہور بیبیوں کو مجھ سے لا کر ملایا۔ چونکہ اُنھیں معلوم تھا کہ میں پردے سے ابھی باہر نکلنے لگی ہوں اس لئے نزاکت خیال سے کسی مرد کو ملاقات کے لئے پیش نہیں کیا۔ میں نے بھی غنیمت جانا۔ ورنہ گھبراہٹ ہوتی +

سینا پرونا

ماہ اگست کے "عصمت" میں۔ نواب بیگم آف سچین صاحبہ کا سینے پرونے پر مضمون دیکھ کر مجھے بھی "سلائی" پر کچھ لکھنے کا حوصلہ ہوا۔

سینا پرونا۔ ایسی چیز ہے کہ علاوہ مفید ہونے کے۔ ایک بڑا ہنر سمجھا جاتا ہے جس بی بی کو یہ ہنر نہ آتا ہوگا وہ حد درجہ کی پھوہڑ اور بدسلیقہ سمجھی جائیگی۔ اور یہ کس قدر بری بات ہے کہ یوں تو نامحرم مردوں سے پردہ کیا جائے لیکن تمام جسم کا ماپ ایک نامحرم درزی کو دیا جائے۔ یہ کیا خاک پردہ ہے۔ سینا پرونا نہ جاننے کی وجہ سے کس قدر بے حیائی ظاہر ہوتی ہے۔

آجکل کی نئی تعلیم یافتہ خاتونیں کرسی پر بیٹھ کر چھری۔ کانٹے چلانا تو خوب جانتی ہیں لیکن اگر ان سے دریافت کیا جائے۔ کہ یہ ٹرکی گون جو آپ زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ آپ نے خود ہی قطع کیا ہے؟ جواب غالباً یہی ملیگا۔ کہ ہم عورتیں ایسے کپڑے سینے یا کاٹنے کیا جانیں یہ تو ایک بڑے کاریگر انگریز کے کارخانہ کا سلا ہوا ہے۔ بیشک بھلا آپ سینا کس طرح سیکھ سکتی تھیں؟ جب آپ ابھی پورے سات برس کی بھی نہ تھیں تو آپ کو والدین نے لاہور کے ایک سکول میں انگریزی تعلیم کے لئے بھیجدیا۔ آپ نے وہاں انگریزی بولنی اور میز کرسی پر چھری کانٹے کا

سے کھانا سیکھ لیا۔ نہ تو آپ کو سینے ہی کی تعلیم دی گئی اور نہ ہی انتظام خانہ داری کی جب آپ دس برس کے بعد واپس آئیں تو خیر سے جوان تھیں۔ اس لئے آپ کے والدین کو آپ کی شادی کی فکر ہوئی۔ اور ان بیچاروں سے نے جس قدر جلد ہو سکا آپ کی شادی بھی کر دی۔ آپ نے جو سکول میں گون جاکٹیں۔ اور ساڑھی پہننی سیکھ لیں تھیں۔ اب وُہ عادت چھُٹ تو سکتی نہیں اور سینا اور کاٹنا بھی نہیں جانتیں۔ خیر خوش قسمتی سے آپ کا بیاہ ایک لائق اور امیر بیرسٹر سے کر دیا۔ وُہ خدا کے فضل سے آپکی ہر ایک ضرورت کو پُورا کر سکتا ہے۔ آپ کے کپڑے بیشک لاہور کے مشہور درزی فلپ اینڈ کو سے سل کے آتے ہیں۔ انتظام خانہ داری کے لئے ایک گورنس مقرر ہے۔ اگر آپ کسی غریب کے پلے باندھی جاتیں جو اس قدر استطاعت نہ رکھتا کہ آپ کو گون وغیرہ پہناتا اور وُہ بھی کسی مشہور کمپنی کے سلے ہُوئے کیونکہ آپ خود تو سینا جانتی نہیں۔ تو پھر آپکو قدر معلوم ہوتی۔ نہ تو یہ بُری عادت چھُٹ سکتی اور نہ خود ہی سی سکتیں۔ لیکن لاکھ لاکھ شکر ہے اُس خداوند تعالیٰ کا کہ آپ کو اُن مصیبتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ لیکن میں دوسری بہنوں کو نصیحت کرتی ہُوں کہ وُہ کپڑا ہرگز نہ پہنیں جو کہ دوسرے سے سلانا پڑے۔ اب مَیں اُن مستورات کا ذکر کرتی ہوں جو سینے پرونے کے ہُنر میں کامل ہیں۔

مُلک بلوچستان کی عورتیں جو کپڑا پہنتی ہیں وُہ نہایت ہی محنت سے سِلتا ہے۔ ایک ایک کرتے پر چھ چھ مہینے خرچ ہو جاتے ہیں۔ دیہ نہیں کہ

سب گھر کا کام چھوڑ کر وہ کرتے ہی کو بناتی رہتی ہیں۔ چونکہ انکو زیادہ شوق سلائی ہی کا ہے۔ اِس لئے زیادہ وقت اسی پر خرچ کرتی ہیں، وہ کرتے ایسے نہیں ہوتے کہ اُن پر لیس لگائی جائے یا جھالریں ٹانکی جائیں جو ایک دفعہ کے دُھلنے سے ہی خراب ہو جائیں بلکہ وہ نہایت ہی بھدا سا کپڑا لیکر اسکو ریشم سے یا سُوت سے اس قدر خوبصورتی سے مڑ لیتی ہیں کہ تیار ہونے پر وہ نہایت خوشنما گلدار اور پائدار ریشم کا کپڑا معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ کئی سال کے متواتر اِستعمال سے ویسا ہی نظر آتا ہے جیسا کہ تیار ہونے پر تھا۔ بہت سے انگریز یہاں سے خرید کر انگلستان کے عجائب خانوں میں بطور ایک نادر چیز کے بھیجتے ہیں۔ یہاں کی عورتیں اگرچہ علم سے بالکل بے بہرہ ہیں لیکن تاہم ہمارے ہندوستان کی بعض تعلیم یافتہ لیڈیوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ جو کہ اپنا تن ڈھکنے کو بھی کپڑے نہیں سی سکتیں۔

پشاور کی مستورات بھی سوزن کاری میں بہت مشہور ہیں۔ کلابتون کے کام سے ریشم کے کُرتوں پر نہایت خوبصورتی سے بیل بوٹے بناتی ہیں اور اسی کلابتون سے نہایت ہی عُمدہ پازیب بناتی ہیں۔ جو کہ سونے ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی خوبصورتی سے۔ کلاہ۔ کف وغیرہ تیار کرتی ہیں۔ یہ سب انکی بنائی ہوئی چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں۔ کشمیر کے باشندوں کو شاید قدرت نے سوزن کاری ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔ انکے ہاتھ کے بُنے ہوئے شال کے رنگ برنگ کے بیل بوٹے

بھی کچھ شان رکھتے ہیں۔ ان شالوں کی خوبصورتی کا مقابلہ نہ تو فرانس کی مشین کی بنی ہوئی شال کر سکتی ہے اور نہ ہی اُمید کی جاتی ہے کہ کشمیری لوگوں سے اور کوئی قوم اس کام میں سبقت لیجائیگی۔

ملتانی عورتیں بھی سوئی کے کام میں کچھ دخل رکھتی ہیں۔ جب کسی کام سے فراغت حاصل کرتی ہیں تو سینے پرونے بیٹھ جاتی ہیں۔ اور ان میں وُہ عورت جو سینا نہ جانتی ہو۔ اپنے ہمجنسوں میں نہایت ہی حقیر اور ذلیل سمجھی جاتی ہے۔ بمبئی یا اس کے آس پاس کے رہنے والی عورتیں بھی کچھ لیسیں وغیرہ بنانا جانتی ہیں۔ لیکن اُنہوں نے ابھی تک کچھ بہت شہرت حاصل نہیں کی۔

آفرین ہے ان عورتوں پر جنہوں نے اس میں کچھ نام پایا ہے مگر افسوس ہے ان عورتوں کی غفلت پر جو سینا بھی نہیں جانتیں۔ اُمید ہے کہ وُہ سوزن کاری کی نمائشیں جو کہ ہر سال ہندوستان کے مختلف شہروں میں ہوتی ہیں۔ کچھ نہ کچھ ہم مستورات کے لئے مفید ثابت ہونگی۔

مسز محمد عبداللہ از کوئٹہ (بلوچستان)

علمِ اخلاق

یہ تو مسلم ہے کہ علم حاصل کرنا عورتوں کے لئے بھی ایسا ضروری ہے جیسا
مردوں کے لئے۔ مگر جس علم کی ہمیں خاص کر ضرورت ہے وہ علم اخلاق ہے
یہ نہیں کہ دو چار ناول پڑھ لئے یا معمولی طور پر ٹوٹا پھوٹا لکھنا پڑھنا آگیا
مجھ کو جہانتک واقفیت ہے اول تو ہماری تعلیم اس محدود دائرہ سے
عام طور پر زیادہ آگے نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہماری پڑھی گنی
بہنوں میں نوّے فیصدی تو ضرور ایسی نکلینگی جن کی واقفیتِ علمی اس سے
زیادہ نہ ہوگی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس تعداد میں خود راقمہ
بھی شامل ہے۔ یُوں تو علم شے بہ از جہل شے ہے۔ لیکن اگر میری
بہنیں مجھ کو معاف فرمائیں تو میں یہ عرض کرونگی کہ اس سے ہمارے
اخلاق اور خصلتوں پر اچھا اثر نہیں پڑسکتا اور تاوقتیکہ خصائل اور
اخلاق درست نہوں نہ تو ہم اپنے لئے مفید ہوسکتی ہیں۔ نہ اوروں کے
لئے پیاری بہنوں! ہم کو معلوم نہیں کہ ہم کو اپنی زندگی میں کیا کیا
انقلابات اور واقعات پیش آئینگے اور کن کن مشکلات کا مقابلہ کرنا
پڑے گا۔ ایسی صورتوں میں اگر ہم نے علم کے معلم سے استقلال اور
صبر اور خوش مزاجی کے سبق حاصل نہیں کئے ہیں تو آپ جان سکتی
ہیں کہ ہم کو اپنی چندروزہ زندگی گذارنی کیسی دوبھر ہوجائیگی۔ اس لئے

ہم کو خود اپنی زندگی کا سفر آسایش سے طے کرنیکے لئے سب سے مقدم علم کے زادِ راہ کی ضرورت ہے۔ میں اپنے قومی معزز بھائیوں سے نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کرتی ہوں کہ وہ ہماری اصلاح اور بہبود کے لئے تدابیر میں سوچیں۔ دوسری قوموں کی مستورات علم کے میدان میں منزلیں طے کر چکیں اور برابر قدم آگے بڑھائے چلی جاتی ہیں۔ ہم اسقدر محتاج ہیں کہ بغیر انکی امداد کے کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ ہمارے لئے انجمنیں قائم کریں مدرسوں کی بنیادیں ڈالیں ہمارے لئے علمی ترقی کی راہوں کو کھولیں اور ان مشکلات کو جو علمی ترقی کی مانع ہیں، ہمارے آگے سے ہٹائیں پھر انشاء اللہ ہم دکھائیں گے کہ کس تیزی کے ساتھ ہم علمی۔ اخلاقی ترقیاں صنعت۔ حرفت۔ تہذیب اور شائستگی حاصل کرتی ہیں۔ افسوس کہ دلی جیسے عظیم الشان شہر میں ایک زنانہ مدرسہ ایسا نہیں ہے جو اعلیٰ پیمانہ پر ہو اور جسمیں عورتیں اخلاقی تعلیم پا کر اپنی طبیعتوں کے جوہر دکھائیں۔ میرے محترم بھائیو! آپ کب تک ہم کو اس ذلیل حالت میں بیٹھے دیکھا کرینگے آپ کیوں نہیں اُٹھتے۔ اور کیوں نہیں ہماری علمی ترقی کے وسائل پیدا کرتے۔ سینکڑوں جلسے ہوتے ہیں بیسیوں انجمنیں قائم ہوتی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہماری ترقی اور ہمارے بہبود کا ذکر تک بھی نہیں آتا۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ تاوقتیکہ ہمارا فرقہ تعلیم یافتہ نہ ہو آپ تنہا کوئی کامیابی حاصل کرینگے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر کیا تامل ہے اُٹھیے اور تعلیم نسواں کے لئے خاطر خواہ سامان کیجئے۔

سروری از دہلی

ہائے موت

انسان بے بنیان کی ہے زندگی ایک تن کی   آئی قضا انسان کی تو لو داع ہے جان کی
یہ برق ہے یا یہ شرر یا سایۂ دیوار دور   شبنم ہے ہشکل گہ یا غنچۂ گلزار تر
شل نمود شلِ حباب یا صبح کا ہنگام ہے   ایک شعبدے کا دام ہے یہ زندگانی نام ہے

دنیا فانی مثل ایک تھیٹر ہال کے ہے۔ اور ہر ایک انسان اس کا ایکٹر ہے۔ موت مثل اسی پردے کے ہے۔ جو گرتے ہی سین کو بدل دیتا ہے ہر ایک مرد و زن اسٹیج پر کھڑا ہو کر اپنا اپنا کام پورا کر کے ایک چشم زدن میں رخصت ہو جاتا ہے۔ اور فوراً اُسکے قایم مقام آکر اسکی جگہ گھیر لیتے ہیں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں ایکٹر اپنا کام پورا کر کے رخصت ہو چکے ہیں۔ اور ایسے غائب ہوئے کہ نام و نشان تک نہ چھوڑا۔ مگر معدودے چند ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنا پارٹ بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے پورا کرنے کے اپنی غیر فانی یادگار دنیا میں چھوڑ گئے۔ اور اپنے کام سے لوگوں کے دلوں کو ایسا متوثر کیا کہ اُسکی خوبیاں تماشائیوں کے دلوں پر ایک دیرپا بلکہ غیر فانی اثر چھوڑ گئیں۔ بس یہی یادگار ہے کہ جو شخص اس جہان فانی میں چھوڑ سکتا ہے نہ تو کوئی یادگار اُسکے خزانوں اور مال و دولت کی رہ سکتی ہے۔ نہ جاہ و جلال کی۔ نہ شان و شوکت کی۔ نہ اُسکے رتبہ کی۔

بقول سعدی ؎

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت   نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت

ان چند لوگوں میں سے جو تھیٹر ہال دنیا کے تماشائیوں کے دلوں پر اپنے ایکٹ کا غیر فانی

اثر اور یادگار چھوڑ گئے۔ ایک ہماری پیاری مسز ممتاز علی صاحبہ مرحومہ بھی ہیں۔ یہ اسی عظیم الشان ہال کے ان ایکٹروں میں سے ہیں کہ جنکی زندگی کا ہر ایک کام نہایت دل آویز اور پُر لطف تھا۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں ایسے ایسے کار نمایاں کئے جو ہندوستان کی کم عورتیں کر سکتی ہیں۔ وہ صرف زبانی جمع خرچ کو ہی فرض نہ سمجھتی تھیں۔ بلکہ جہانتک ہو سکتا تھا جانفشانی سے کام کر کے ملکی ترقی اور بہبودی میں کوشاں رہتیں۔ آج سے دس سال پہلے اُنھوں نے ایک بیش بہا اخبار بنام تہذیب النسواں جاری کیا۔ کہ جس نے علاوہ مسلمان گھرانوں کے ہندو اور عیسائی خاندانوں کے دلوں میں بھی گھر کر لیا۔ اور یہ پرچہ بہت ہی مقبول عام ہو گیا۔ اسی چھوٹے سے ہفتہ وار پرچہ نے وہ وہ فیض پہنچائے کہ جو اس ننھی سی جان کے واسطے قابل قدر ہیں۔ علاوہ ان باتوں کے اُنھوں نے حال ہی میں ایک ایسے نیک کام کی بنا قائم کی تھی۔ جس کا خیال ہندوستان کے بڑے بڑے حب الوطنوں کو بھی کبھی نہیں آیا تھا۔ یعنی اُنھوں نے بڑی کوشش و جانفشانی سے ایک محتاج خانہ لاہور میں قائم کیا۔ کہ جسکی افتتاح کا بنیادی پتھر لیڈی گارڈن واکر صاحبہ کے دست مبارک سے رکھا گیا تھا۔ اسی محتاج خانہ میں لاہور کے غریب محتاج اور بے وارث لوگ آ کر رہتے اور اپنے ہاتھ سے قسم قسم کی محنت کر کے روپیہ پیدا کرتے تھے۔ ایک زنانہ لائبریری بھی جو لاہور میں قائم ہوئی ہے۔ انہیں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ بہت سی کتابیں بھی اپنے ہم جنسوں کی فلاح کی غرض سے تصنیف کی تھیں۔ جنمیں سے۔ انمول موتی۔ سچے موتی۔ صفیہ بیگم خاص طور پر قابل قدر ہیں۔ اور بہت سی کتابوں کے مسودے ابھی تیار ہی تھے۔ دیوان ذوق۔ دیوان غالب وغیرہ کے انتخابات چھپوانے کا ارادہ رکھتی تھیں مگر قضا نے بے وقت آ گھیرا۔

فنا تو قانون قدرت ہے۔ ہر ایک چیز جو کہ پیدا ہوئی ایک نہ ایک دن ضرور فنا ہو جائے گی۔ دنیا میں آتے ہی موت کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ بقول ذوق

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

مگر ایسے شخصوں کا کہ جنکی ذات سے اسقدر فائدے پہنچے ہوں۔ اور جس پر کسی حد تک ملک کی بہبودی منحصر ہو دنیا سے اٹھ جانا بہت ہی رنج دلانے والا ہے۔ ان کی اس بیوقت موت سے جبکہ غیروں کے سینہ پاش پاش ہوں۔ انکے اپنے عزیزوں کا کیا حال ہوگا۔ مگر سچ ہے کہ فرشتہ اجل کسی خاص وقت کا منتظر نہیں ہوتا۔ بلکہ بغیر کسی بات کا خیال کئے اپنے کام کے کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ اور ایسے ایسے ہیبت ناک کام انجام دیتا ہے کہ انسان ایک عرصہ کے لئے ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ جو شخص کہ کل زندہ و سلامت ہشاش بشاش نظر آیا ہے۔ آج اس کو فرشتہ اجل نے سکھا کر ہڈیاں کر دیا۔ جو نرم و نازک بچہ کل ماں کی گود میں پڑا کھیل رہا تھا۔ آج قبر کے سخت اور بھینچنے والے آغوش میں پڑا ہوا ہے۔ انکے رشتہ داروں اور خصوصاً انکے چھوٹے اور عزیز صاحبزادے امتیاز علی سلمہ کے غم کا اندازہ لگانا غیر ممکن ہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنا بڑا غم اور اپنی پیاری ماں سے ہمیشہ کی جدائی اسکے ننھے دل کو کسقدر صدمہ پہنچاتی ہوگی۔ میں دعا کرتی ہوں کہ خدائے پاک ہماری پیاری محمدی صاحبہ مرحومہ کی روح کو ہمیشہ آرام سے جنت میں رکھے۔ اور جس طرح وہ یہاں طبقہ نسوان کا زیور تھیں۔ اسی طرح وہاں بھی اعلیٰ رتبہ پاویں خدا پسماندگان کو بھی صبر دے +

برنج کماری (از لاہور)

"حضرت محبوب الٰہی کا مزار"

اس دفعہ جو تصویر عصمت میں شائع کی جاتی ہے یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے مزار کا نقشہ ہے۔ یہ پورے چھ سو برس کی عمارت ہے۔ پہلے یہاں یک تالاب تھا۔ شام کے وقت حضرت محبوب الٰہی اپنی خانقاہ سے لب جمنا کے کنارے تھی اور جس کے قریب ہمایوں کا مقبرہ بنایا گیا ہے۔ اس تالاب پر بطور تفریح تشریف لایا کرتے تھے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی اُن دنوں ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اور حضرت سے اسکو بڑی عقیدت تھی اس لئے اُسنے تالاب کے کنارے پر ایک عالیشان گنبد بنوادیا کہ جب آپکا انتقال ہو تو اسی میں دفن کئے جائیں۔ اور مریدوں نے بھی اپنی حیثیت کے موافق تالاب کے کنارے مکان بنوائے۔ حضرت کو خبر ہوئی تو آپنے فرمایا کہ میری قبر ان گنبدوں میں نہ بنائی جائے۔ مجکو تو خدا کا آسمانی گنبد پسند ہے اسی کے نیچے دفن کرنا۔ چنانچہ جب آپکی وفات ہوئی تو اس تالاب کو مٹی سے پر کرکے سب عمارتوں کے بیچ میں آپکا مزار بنایا گیا۔ لیکن عقیدت مند لوگ باز نہ آئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مزار پر عمارتیں بننے لگیں۔ اول محمد تغلق نے کچھ بنایا۔ اسکے بعد اکبر و جہانگیر و شاہجہاں نے سنگ مرمر کا گنبد اور چاروں طرف خوبصورت بست دری بنوادی۔ شاہجہاں کے عہد میں نواب خلیل اللہ خاں بنگش نے مزار کے چاروں طرف تانبے کی چھت بنواکے اسپر نہایت عمدہ طلائی کام کروادیا۔ وہ کام اب کچھ خراب ہوگیا تو دہلی کے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کلارک صاحب نے (جنکو حضرت سے بڑی محبت تھی) اپنے پاس سے کئی ہزار روپیہ خرچ کرکے یہ سنہری کام ازسرِ نو بنوادیا۔ گنبد کے اندر مزار کے

اوپر صندل کا چھپر کھٹ ہے جس پر بہت ہی نفیس سیپ کی پچی کاری ہے دو اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ یہ چھپر کھٹ جہانگیر کے عہد میں ایک امیر مرتضیٰ خاں فرید نے بنوایا ہے مزار کے سامنے سنگ مرمر کا صحن ہے اور اسمیں علیحدہ علیحدہ تین مقبرے بغیر چھت کے بنے ہوئے ہیں۔ ایک میں شاہجہاں بادشاہ کی لاڈلی اور عالم فاضل بیٹی جہاں آرا بیگم سوتی ہیں جنکی قبر پر انکی وصیت کے موافق ہری گھاس لہلہا رہی ہے اور سرہانے لوح پر یہ شعر کندہ ہے

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

ان شہزادی کو حضرت محبوب الٰہی سے ایک عشق تھا مرتے وقت وصیت کی کہ میں نے شادی نہیں کی مگر میرا جہیز جو موجود ہے وہ سب میرے حقیقی دولہا حضرت محبوب الٰہی کے قدموں میں ڈال دیا چنانچہ ایک کروڑ روپیہ کا سامان انکے مرنے کے بعد حضرت کی درگاہ میں نذر کر دیا گیا۔ اور مزار کے سامنے انکی قبر بنگئی۔ اسکے بعد محمد شاہ بادشاہ کا مقبرہ ہے یہ حضرت کے پہلو میں اپنی شیعہ بیوی کو لئے خاک کے تخت پر آرام کر رہے ہیں۔ اسکے برابر تیسرے مقبرہ میں اکبر ثانی کے دو بیٹے میرزا جہانگیر و میرزا بابر کی قبریں ہیں۔ اس تصویر میں ان مقبروں کی تھوڑی سی جھلک نظر آتی ہے ان مقبروں کے باہر حضرت امیر خسرو کا مزار ہے جو ہندوستان کے بڑے مشہور شاعر تھے۔ اور جنکو حضرت محبوب الٰہی کو بڑی محبت تھی۔ حضرت محبوب الٰہی کے گنبد کے پہلو میں جو عمارت ہے یہ وہی علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا برج ہے جسکو اب مسجد قرار دے لیا ہے۔

حسن نظامی

بنت بہادر شاہ

(سلسلے کیلئے جولائی کا پرچہ ملاحظہ ہو)

حافظ سلطان بادشاہ کی سمدھن بولیں یہ موئے فرنگی بادشاہوں کی قدر کیا خاک جانیں گے خود اپنے بادشاہ کا سر کاٹ کر سولہ آنہ کو بیچتے ہیں۔ بُوا نور محل تم نے تو طوق و زنجیر پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ ان بنیوں سے تو اُس سے بھی زیادہ بدسلوکی دور نہیں۔ مگر میرے شوہر میرزا ضیاءالدین نے تسکین و دلاسے کی باتیں کر کے سبکو مطمئن کر دیا۔ اتنے میں بہتی نالہ میں گاڑی کو اس پار سے آیا۔ اور ہم سوار ہوکر روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جاکر شام ہوگئی۔ اور ہماری گاڑی ایک گاؤں میں ٹھہری جس میں مسلمان راجپوتوں کی آبادی تھی۔ گاؤں کے نمبردار نے ایک چھپر ہمارے واسطے خالی کرادیا جس میں سوکھی گھاس اور پھوس کا بچھونا تھا۔ وہ لوگ اسی گھاس پر جسکو پیال یا پرال کہتے تھے سوتے ہیں۔ ہم کو بھی بڑی خاطرداری سے (جو انکے خیال میں بڑی خاطر تھی) یہ نرم بچھونا دیا گیا۔ میرا تو اُس کو دیکھ کر جی الجھنے لگا پر کیا کرتے اسوقت سوائے اسکے اور کیا ہوسکتا تھا ناچار اسی میں پڑ رہے۔ دن بھر کی تکلیف اور تکان کے بعد اطمینان اور بے فکری میسر آئی تھی نیند آگئی۔ آدھی رات کو ایکا ایکی ہم سبکی آنکھ کھل گئی۔ گھاس کے تنکے سوئیوں کی طرح بدن میں چبھ رہے تھے اور پسو جگہ جگہ کاٹ رہے تھے۔ اسوقت کی بیکلی بھی خدا کی پناہ پسوؤں نے تمام بدن میں آگ لگا دی تھی۔

مخملی تکیوں ریشمی نرم نرم بچھونوں کی عادت تھی اسلئے تکلیف ہوتی ورنہ ہم ہی جیسے وہ گاؤں کے آدمی تھے جو بے غل و غش اسی گھاس پر پڑے سوتے تھے۔ اندھیری رات

میں چاروں طرف سے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھیں اور میرا دل سہما جاتا تھا۔ قسمت کو پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن شہنشاہ ہند کے بال بچے یوں خاک پر بسیرے لیتے پھرینگے۔ قصہ مختصر اسی طرح منزل بہ منزل تقدیر کی گردشوں کا تماشہ دیکھتے ہوئے حیدرآباد پہنچے۔ اور سیتارام پیٹھ میں ایک مکان کرایہ کو لیکر ٹھہرے۔ جبل پور میں میرے شوہر نے ایک جڑاؤ انگوٹھی جو لوٹ کھسوٹ میں باقی رہ گئی تھی وہ دست کی اسی میں راستہ کا خرچ چلا اور چند روز یہاں بھی بسر ہوئے آخر تا بکے جو کچھ تھا ختم ہوگیا اب فکر ہوئی کہ پیٹ بھرنے کا کیا حیلہ کیا جائے۔ میرے شوہر اعلیٰ درجے کے خوشنویس تھے انھوں نے درود شریف خط جیرا بن میں لکھا اور چار منار پہ ہدیہ کرنے لے گئے۔ لوگ اس خط کو دیکھتے تھے اور حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ اول روز پانچ روپیہ کو یہ درود شریف ہدیہ ہوا اسکے بعد یہ قاعدہ ہوگیا کہ جو کچھ لکھتے تتی نرہتی فوراً بک جاتا۔ اس طرح ہماری گزر اوقات بہت عمدگی سے ہونے لگی۔ لیکن موسی ندی کے چڑھاؤ سے ڈر کر شہر میں داروغہ احمد کے مکان میں اٹھ آئے۔ یہ شخص حضور نظام کا خاص ملازم تھا۔ اسکے بہت سے مکان کرایہ پر چلتے تھے۔

چند روز کے بعد خبر اُڑی کہ نواب لشکر جنگ جس نے شہزادوں کو اپنے پاس پناہ دی تھی انگریزوں کے عتاب میں آگیا ہے اور اب کوئی شخص دہلی کے شہزادوں کو پناہ نہیں دیگا۔ بلکہ جسکو کسی شہزادہ کی خبر ملے گی اس کو گرفتار کرانے کی کوشش کریگا ہم سب اس خبر سے گھبرا گئے اور میں نے اپنے شوہر کو باہر نکلنے سے روک دیا کہ کہیں کوئی دشمن پکڑوا نہ دے۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے فاقوں کی نوبت آگئی تو ناچار ایک نواب کے لڑکے کو قرآن پڑھانے کی نوکری میرے شوہر نے بارہ روپیہ ماہوار پر کرلی چپ چاپ اُسکے گھر چلے جاتے اور پڑھا کر

آجاتے۔ مگر وہ نواب اسقدر بدمزاج تھا کہ ہمیشہ معمولی نوکروں کی طرح میرے شوہر کے
ساتھ برتاؤ کرتا تھا جسکی برداشت وہ نہ کرسکتے اور گھر میں آکر رو رو کر دعا مانگتے کہ الٰہی اب
ذلت کی نوکری سے تو موت لاکھ درجہ بڑھ کر ہے تونے اتنا محتاج بنا دیا کہ کل تو اس نواب
جیسے سینکڑوں ہمارے غلام تھے اور آج ہم اسکے غلام ہیں۔ اسی اثنا میں کسی نے میاں
نظام الدین صاحب سے ہماری خبر کردی۔ میاں کی حیدرآباد میں بڑی عزت تھی۔ کیونکہ میاں
حضرت کالے میاں صاحب چشتی نظامی فخری کے صاحبزادے تھے جنکو بادشاہ دہلی
اور نظام اپنا پیر تصور کرتے تھے۔ میاں رات کے وقت میانہ میں سوار ہو کر ہمارے
پاس تشریف لائے۔ اور ہم کو دیکھ کر بہت روئے۔ ایک زمانہ تھا جب وہ قلعہ میں تشریف
لاتے تھے تو مسند زرنگار پر بٹھائے جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم اپنے ہاتھ سے ان کی مدارات
مگس رانی کرتی تھیں۔ آج وہ ہمارے گھر میں آئے تو ٹوٹا بوریا بھی نہ تھا جسپر وہ آرام
سے بیٹھ جاتے۔ پچھلا زمانہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ خدا کی شان کیا تھا اور کیا ہوگیا۔
میاں بہت دیر تک حالات دریافت فرماتے رہے اسکے بعد تشریف لے گئے۔ صبح
پیام آیا کہ ہم نے خرچ کا انتظام کروا دیا ہے اب تم حج کا ارادہ کرلو۔ یہ سنکر جی باغ باغ
ہوگیا اور مکہ معظمہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ القصہ حیدرآباد سے روانہ ہو کر بمبئی آئے
اور یہاں اپنے سچے رفیق بستی کو خرچ دیکر اسکے گھر رخصت کردیا جہاز میں سوار ہوئے
تو جو مسافر یہ سنتا کہ ہم شاہ ہند کے گھرانہ کے ہیں تو ہمارے دیکھنے کا شوق ظاہر
کرتا۔ اسوقت ہم سب درویشانہ رنگین لباس میں تھے۔ ایک ہندو نے جسکی شاندار
عدن میں دکان تھی اور جو ہمارے حال سے بے خبر تھا، پوچھا کہ تم لوگ کس پنتھ کے
فقیر ہو۔ اماں کے اس سوال نے زخمی دل کو چھیڑ دیا۔ میں بولی ہم مظلوم شاہ کے ...

چپکے ہیں۔ وہی ہمارا باپ تھا اور وہی ہمارا گرو۔ پاپی لوگوں نے اسکا گھربار چھین لیا اور ہم کو اُن سے جدا کرکے جنگلوں میں نکال دیا۔ اب وہ ہماری صورت کو ترستا ہے اور ہم اُسکے دشمنوں بغیر بے چین ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا اپنی تقدیر کی حقیقت بیان کریں۔ جب اُس نے ہماری اصلی کیفیت لوگوں سے سُنی تو بچارا رونے لگا اور بولا بادشاہ ہم سب کا باپ اور گرو تھا۔ کیا کریں رام جی کی یہی مرضی تھی۔ کہ وہ بے گناہ برباد ہوگیا۔

مکہ پہنچے تو اللہ میاں نے ٹھہرنے کا ایک عجیب ٹھکانہ پیدا کردیا۔ عبدالقادر نامی میرا ایک غلام تھا جسکو میں نے آزاد کرکے مکہ بھیجدیا تھا۔ یہاں آکر اُس نے بڑی دولت کمائی اور زمزم کا داروغہ ہوگیا۔ اسکو جو ہمارے آنیکی خبر ملی دوڑا ہوا آیا اور قدموں میں گر کر خوب رویا۔ اسکا مکان بہت اچھا اور آرام کا تھا ہم سب وہیں ٹھہرے چند روز کے بعد سلطان روم کے نائب کو جو مکہ میں رہتا ہے ہماری خبر ہوئی تو وہ بھی ہم سے ملنے آیا۔ کسی نے اس سے کہا تھا کہ شاہ دہلی کی لڑکی آئی ہے جو بے حجابانہ باتیں کرتی ہے۔ نائب سلطان نے عبدالقادر کے ذریعہ سے ملاقات کا پیام دیا میں نے منظور کیا دوسرے دن وہ ہمارے گھر پر آیا اور نہایت ادب قاعدے سے بات چیت کی۔ آخر میں اُس نے خواہش کی کہ میں آپکے آنے کی اطلاع حضور سلطان کو دینی چاہتا ہوں۔ میں نے اسکا جواب بہت بے پروائی سے دیا اور کہا کہ اب ہم ایک بڑے سلطان کے دربار میں آگئے ہیں۔ ہم کو کسی دوسرے سلطان کی پروا نہیں۔ نائب نے ایک معقول رقم ہمارے اخراجات کے لئے مقرر کردی اور ہم نو برس وہاں مقیم رہے۔ اسکے بعد ایک سال بغداد شریف میں ایک سال نجف و کربلا معلیٰ میں بسر کیا۔ اتنی مدت کے بعد دہلی کی یاد نے بے چین کیا۔

اور روانہ ہوکر دہلی آگئے۔ یہاں انگریزوں کی سرکار نے بہت بڑا ترس کھا کر دس روپے ماہوار پنشن کردی۔ اس پنشن کی رقم کو سنکر دل تو مجھے ہنسی آئی کہ میرے باپ کا اتنا بڑا ملک لیکر دس روپے معاوضہ دیتے ہیں مگر پھر خیال آیا کہ ملک تو خدا کا ہے کسی کے باوا کا نہیں ہے وہ جسکو چاہتا ہے دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ انسان کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

یہ قصہ جس میں ایک حرف بھی فرضی نہیں یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کو منظور ہے تو کبھی ان شاہزادی صاحبہ کے وہ دردناک حالات جو ان کو رنگون کے سفر اور باپ کی قبر کی زیارت کے دوران میں پیش آئے لکھے جائیں گے۔

حسن نظامی از خانقاہ مبارک حضرت محبوب الٰہی

مسز ممتاز علی کا انتقال

مسز ممتاز علی صاحبہ ایڈیٹر تہذیب النسوان، لاہور، کا بے وقت انتقال ایک ایسا دردناک واقعہ ہے کہ تمام ملک کے لوگ بالعموم اور تعلیم یافتہ خواتین بالخصوص بہیم دلی افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔ اُن کے گزر جانے سے تعلیم نسواں کی ایک بڑی حامی اور طبقہ نسواں کی ایک ہمدرد خدمت گزار دنیا سے اٹھ گئی۔ مرحومہ نے جب سے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا تھا نہایت محنت اور جانفشانی سے اسے انجام دے رہی تھیں۔ اور گو ابتدا میں انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہوا۔ اور کامیابی بہت موہوم نظر آتی تھی۔ مگر اُن کی ہمت و استقلال اور اُنکے فاضل شوہر کی محنت اور کوشش سے آخر مشکلات دب گئیں۔ عورتیں جو پہلے اخبار میں مضمون دینے کے نام سے بھاگتی تھیں خوشی خوشی مضمون دینے لگیں۔ اور اپنی بہنوں کی فلاح و بہبود کے معاملات سے انہیں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ہندوستان کے مختلف حصوں کی تعلیم یافتہ خواتین بذریعہ تہذیب النسوان تبادلۂ خیالات کرنے لگیں۔ اور اس طرح انہیں ایک دوسرے سے غائبانہ شناسائی کا موقع ہوا جس سے کئی مفید نتائج نکلے۔ مرحومہ نظم و نثر میں کئی کتابوں کی مصنفہ بھی تھیں جو لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے خصوصیت سے موزوں ہیں۔ مرحومہ مقامی طور پر مستورات کے باہمی میل جول اور دیگر نفع رساں کوششوں میں ہمیشہ معقول حصہ لیتی تھیں۔ تھوڑی سی عمر میں جس قدر مفید کام وہ کر گئیں ہیں۔ بہت غنیمت ہے اور اپنی بہنوں کے لئے ایسی عمدہ مثال

انھوں نے قایم کی ہے جس کی تقلید سے مستورات کو مستقل فائدہ پہنچنے کی امید ہے اگر وہ چل بسیں لیکن امید ہے کہ ان کا کام زندہ رہے گا۔ اور تہذیب النسوان بدستور جاری رہے گا۔ آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا مولوی سید ممتاز علی صاحب کو اور مرحومہ کی اولاد کو اور رشتہ داروں کو توفیق صبر دے تاکہ وہ انکی یادگار کو قایم رکھ سکیں۔

ہمارے پاس متعدد تحریریں مسنر ممتاز علی کی وفات پر اٹھا۔ افسوس کے لئے آرہی ہیں۔ ہم سب کے شایع کرنے سے تو معذور ہیں۔ لیکن مس نرندر ناتھ ابرہ کماری صاحبہ کے مضمون کے لئے جگہ نکالتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب ضروری مطالب پر حاوی ہے۔

ایڈیٹر

اختر محل

میں اپنے قلندر کے پانوں پہچانتی ہوں ‍‍‍

جن دنوں شاہجہاں بادشاہ نے دہلی کو اجاڑ کر شاہجہاں آباد کے نام سے بسایا تو بلاقی بیگم کے کوچہ میں دو سگی بہنیں رہتی تھیں۔ بڑی کا نام جینہ بیگم اور چھوٹی کا نام سکینہ تھا۔ تھیں تو دونوں اوپر تلے کی مگر کیا مقدور جو اُن میں کبھی تو تو میں میں یا تکرار ہوتی بلکہ ایک بہن دوسری بہن پر جی جان سے فدا تھی۔ ذات کی کھری مغلانیاں تھیں اس لئے اُنکے بیاہ بھی اصل نسل مغلوں سے ہوئے۔ جینہ بیگم کابلی دروازہ بیاہی گئی اور سکینہ چتلی دروازہ۔ خدا کی شان جس طرح ایک ہی دن ایک ہی گھڑی میں بچے بھی دن کے ہاں پیدا ہوئے۔ بڑی کے ہاں لڑکا اور چھوٹی کے ہاں لڑکی۔ سکینہ بیگم جب چلہ نہا کر پاؤں پھیرنے اپنی بڑی بہن کے گھر گئی (کیونکہ میکہ میں ماں باپ بھائی چچا کنبہ رشتہ کا بھی نہ رہا تھا) تو جینہ اپنی ننھی سی بھانجی کو (جسکا نام اختر زمانی بیگم رکھا گیا تھا) دیکھ کر باغ باغ ہوگئی، اور اُس نے اُس حور کے ٹکڑے کو کلیجہ سے لگالیا۔ سکینہ کی لڑکی سچ مچ بہت ہی خوبصورت تھی، اور اُس کا چھوٹا سا چہرہ بالکل تارے کی طرح چمک دمک رہا تھا۔

جینہ بیگم۔ کیوں بُوا سکینہ یہ لڑکی جب تیرے پیٹ میں تھی تو تجھے اپنا کہنا یاد ہے۔

سکینہ۔ ہاں بی آپا جان یاد ہے۔

جینہ۔ پھر اب۔

سکینہ۔ اب جو آپ کہیں۔

جمیلہ۔ تو اختر زمانی میری ہولی اور حسین مرزا (جمیلہ کے لڑکے کا نام ہے) تمہارا کیوں
نہیں ہی وعدہ تھا نا۔
سکینہ بیگم۔ بیشک۔
جمیلہ بیگم۔ تو بہن آج سے تیسرے دن میں تمہارے گھر حسین مرزا کی منگنی کرنے آ جاؤنگی
سکینہ بیگم۔ آپا جان میں بھی تمہاری لونڈی اور اختر بھی تمہاری باندی ہے مگر اس قدر
چلبلا پن اچھا نہیں۔ لوگ مجھپر اور تمپر دونوں پر ہنسیں گے۔ ابھی کے دن اور کے رات
خدا رکھے بچے ابھی دو مہینہ کے تو پورے ہوئے بھی نہیں جب جوان ہونگے پروان
چڑھیں گے تو منگنی بیاہ سب کچھ کر لینا مگر ایتر کے گھر تمیز باہر باندھوں یا بھیتر۔

جمیلہ بیگم نے نہ مانا اور اپنی ساری سسرال والوں کو ساتھ لے چلہ دروازہ چڑھ
دوڑی اور سوا مہینہ کی جان کو منگنی کا چڑھاوا چڑھا آئی۔ ارمان کی ماری چھوٹی بہن کو سمدھن
کہنے لگی۔ خدا جسکو رکھے اسکو کون چکھے۔ حسین مرزا اور اختر پانچ پانچ برس کے ہوگئے اور
اُس پانچ برس میں جمیلہ بیگم نے چاؤ کے مارے کوئی ریت رسم نہ چھوڑی جو اپنے سمدھیانہ میں
نہ کی ہو ہر موسم میں موسم کی ترکاری میوہ عید بقرعید کو عیدی محرم میں جامدانیاں گوشہ
کھیر کی قلفیاں شبرات کو آتش بازی مٹھائی چوڑیاں آخری چہار شنبہ کو سادہ کاری
چھلے انگوٹھیاں اختر زمانی کو بھیجتی رہی۔ مگر خدا کی ذات بے پرواہ ہے۔ سکینہ کا میاں گردہ
کے درد سے یکایک ایک ہی دن میں چٹ پٹ ہوگیا اور اختر یتیم ہوگئی۔ سکینہ جس طرح
میکہ سے جہیز میں کچھ مال و دولت لیکر نہ آئی تھی اسی طرح اسکی سسرال میں بھی کچھ فراغت
نہ تھی میاں کی آنکھ بند ہوتے ہی اسپر بڑی تنگی اور فاقوں پر نوبت آگئی۔ جمیلہ کا اُس کو
بڑا بھروسا تھا مگر رانڈ ہوتے ہی اُس نے طوطے کی سی آنکھیں پھیر لیں اور سکینہ پیٹ کے کارن

ملائی کا سینے اور پسائی کا پیسنے لگی۔ وہ دس برس اسی فقر و فاقہ میں کاٹ دیئے اس عرصہ میں اختر جوان ہوگئی اور اُس کو پندرہواں برس لگا تو سکینہ گھبرائی اور ایک دن میلا بچا اوڑھ کر جس میں ستر سے بہتر پیوند لگے ہوئے تھے پرانی جوتیاں جو گھس کر آدھی آدھی رہ گئی تھیں پاؤں میں ڈال جبینہ بیگم کے گھر کابلی دروازہ گئی۔ ڈیوڑھی بان نے محسرا میں بڑی مشکل سے گھسنے دیا کیونکہ اسکے میلے کچیلے کپڑے دیکھ کر یقین ہوتا تھا کہ یہ کوئی بہت ہی ذلیل عورت ہے ایسا نہ ہو اندر سے کوئی لوٹا اُگالدان چلمچی اٹھا کر بھاگے مگر یہ جوں توں کرکے محل میں پہونچ ہی گئی۔ دیکھا کہ صدر دالان میں جبینہ بیگم کے پاس بی زینت النسا بیگم قلعہ کی شاہزادی گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہوئی پان پی رہی ہیں اور جبینہ بیگم اُن سے گھل مل کر باتیں کر رہی ہیں۔ جبینہ بیگم نے سکینہ کو دیکھکر منہ بنا لیا اور اُٹھ سب سے یہ بھی نہ کہا کہ تو بیٹھ جا۔ یہ آپ ہی بیچاری سمٹ کر جوتیوں کے پاس زمین پر جو بیٹھی اور بہن سے بیدھڑک کہنے لگی بی آپا خدا رکھے اب حسین مرزا بھی جوان ہے اور اختر کو بھی چودھواں بھر کے تیرہویں کے مہینہ سے پندرہواں شروع ہوگیا اب دیر کاہے کی ہے میرے پاس نہ لینے کو نہ دینے کو ایک دن لڑکے کو لیکر چلی آؤ اور شربت کے پیالے پر دو بول پڑھا اور لڑکی کو ڈولی میں بٹھا اپنے گھر لے آؤ۔ وہ بندی جوان بیٹی کو کب تک بٹھائے رکھے۔ جبینہ بیگم کو اول تو جب سے کہ سکینہ رانڈ اور محتاج ہوئی تھی اُسکی صورت سے نفرت ہوگئی تھی اور اُسنے اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ میں حسین مرزا کی شادی کسی ایسے کھاتے پیتے اور بہوت والوں میں کرونگی جہاں میرا اور میرے بچہ کا ارمان نکلے مگر زینت النسا بیگم کے سامنے جو مہمان آئی ہوئی تھیں سکینہ کا کہنا اُسے بہت ہی ناگوار گزرا۔ اور اُس نے سکینہ کو اس طرح جواب دیا۔ اُوئی تو کون بلا ہے

نوج تو میری بہن کیوں ہونے لگی موئی فتو فقیرنی چھوٹا منہ بڑی بات عورت نکل جا۔ میں سے نکل۔ جہاں میرے بچہ کی دائی نے ہاتھ دھوئے تجھے اور تیری بیٹی کو قربان کروں او مردار کی شامت آئی ہے۔ بے شرط کہ لونڈیوں سے جوتیاں پٹوا کر نکلوا دوں وہی مثل ہے چونی بھی کہے مجھے گھی سے کھاؤ۔ اپنی بیٹی تو قلندروں کو دے۔ سکینہ اس تماشہ کو سنکر سُن ہو گئی۔ اور ایک آہ بھر کر بہن کے ہاں سے چلدی مگر زینت النساء بیگم نے حیرت کے ساتھ جینہ سے پوچھا اچھی بہن یہ کون تھی اور یہ ماجرا کیا ہے۔

جینہ بیگم۔ بیگم صاحب یہ عورت ہمارے ہمسایہ میں رہتی ہے اسکا دل چلگیا ہے ڈہیوڑیبان کی آنکھ بچا کر محل میں گھس آتی ہے اور خدا جانے کیا واہی تباہی بکا کرتی ہے۔ جب اسکو ذرا یا دہمکایا جاتا ہے تو بڑبڑاتی چلی جاتی ہے۔

سکینہ کو اپنے گھر آتے آتے شام ہو گئی بہن کی باتوں نے اسکے تن بدن میں غم کی آگ لگا دی تھی۔ اس لئے اسکو اور تو کچھ بن نہ آئی منہ ڈہانک رونے ہو بیٹھی اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگی۔ ماں کو روتا دیکھ اختر بھی رونے لگی، دو [illegible] کے رونے کے شور نے سننے والوں کے کلیجے ہلا دیئے۔ اسی واویلا میں سکینہ [illegible] فقیر ڈہیوڑی پر کھڑا کہہ رہا ہے بھلا ہو مائی کا کچھ حاضر ہے تو ہو جائے سکینہ [illegible] بھری ہوئی تھی اور اسکو بہن کا طعنہ رہ رہ کر یاد آ رہا تھا کہ اپنی بیٹی [illegible] اسلئے فقیر کے جواب میں کہا میاں صاحب وہ بندی [illegible]

وقت کاٹ رہی ہوں خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے [illegible]

دن قسم سے ایک دانہ منہ میں اڑ کر گیا ہو بلکہ تنگ ہو چکی ہوں [illegible]

[illegible] تو حاضر ہے جی چاہے تو لے جایئے [illegible]

مانگنے والی تھیں یا فقیر ہی دل کا نرم اور بھولا تھا سکینہ کی ان باتوں کو سنکر تڑپ گیا اور
اُسنے سکینہ کو ڈیوڑھی میں بلاکر کہا۔ مائی تیرے ہاں کوئی مٹی کا کونڈا و ونڈا ہو تو دے آ۔
سکینہ ایک بڑا سا جوجرا کونڈا گھر میں سے اُٹھا لائی۔ اور فقیر نے اپنی جھولی اُس میں الٹ
دی اور کہا مائی یہ بھیک کے ٹکڑے ہیں جو فقیر کو جگہ جگہ سے ملے ہیں ان کو تو کھا کر پانی پی
اور خدا پر بھروسہ کر اُسکی بادشاہی بلند ہے۔ یہ کہہ فقیر تو چلتا ہوا اور سکینہ ڈیوڑھی میں سے
کونڈہ گھر میں اُٹھا لائی۔ چراغ تو کہاں سے آیا مگر چاند کی چودھویں تاریخ تھی چاندنی کی طرح
کھل رہی تھی سکینہ نے دیکھا کونڈہ کھانے سے بھر رہا ہے۔ قیمہ مال باقر خانی کے ٹکڑے
کھچڑی پلاؤ زردہ بریانی کا نوالا مرغی کی چانگ دو چار چپاتیاں دو چار خمیری روٹیاں
غرض سب دنیا بھر کی نعمت تھوڑی اور بہت دھری ہوئی ہے۔ اور اسی میں کوڑیاں
پیسے دو چار روپے بھی ملے ہوئے ہیں۔

سکینہ (کھانا کھا کر) اختر بیٹی کھانا تو ہمنے تمنے کھالیا مگر دیکھنا فقیر کی نقدی کو ہاتھ نہ
لگانا امانت رہنے دو کل دل پھیری کو آئے گا تو اُسے دیدینگے۔

اختر۔ ہاں بی اماں جان سچ کہتی ہو لو میں فقیر کی چیز مٹی کے آبخورہ میں دھرے دیتی
ہوں ہم کون جسکی امانت ہے اُس کو پہونچ جائیگی۔

صبح کو اٹھ سکینہ تو نماز پڑھنے لگی۔ اور اختر آبخورہ میں سے پیسے کوڑیاں نکال گن
رہی تھی تو آپ ہی آپ بول اُٹھی لو بی نیا تماشہ اب پیتل کے پیسے بن نکل پڑے۔

سکینہ بیگم۔ تم ناحق پرائی امانت ٹٹول رہی ہو دیکھوں پیتل کا پیسہ۔

اختر بی اماں میں تو سنبھال کر دھر رہی ہوں دیکھو ایک چھوڑ چار پیسہ پیتل کے ہیں
سکینہ امانت میں سے کر اور اچھی طرح دیکھ کر بیٹی تو پیتل کے پیسے نہیں ہیں یہ اشرفیاں

کہلاتی ہیں تم سے کہدیا نا سائیں کے سو کمیل میں جاؤ آبخورہ میں ڈال دو۔ خدا جانے فقیر تھا یا فرشتہ تھا جب اشرفیاں یاد آئیں گی تو پیٹ پکڑے دوڑا آئے گا۔

فقیر کی جھولی کا کھانا اتنا تھا کہ دونوں ماں بیٹیوں نے دو وقت کھایا اور رات کو پھر کہانے بیٹھی تھیں جو فقیر نے آواز دی بھلا ہو مائی کا کچھ حاضر ہے تو بھجوائیے۔

سکینہ (ڈیوڑی میں جاکر) میاں صاحب سلام۔ حضرت سلامت وہ آپکی امانت رکھی ہوئی ہے لیتے جائیے۔

فقیر۔ امانت کیسی۔

سکینہ۔ آپکی جھولی میں سے کچھ کوڑیاں کچھ پیسے اور چار اشرفیاں نکلی تھیں وہ جوں کی توں رکھ چھوڑی ہیں۔

فقیر (ہنسکر) اری مائی تیرا کدھر خیال ہے وہ تو ہم تجھ ہی کو دے گئے تھے جا کونڈہ دے آ تو تجھے آج کی بھیک کا کھانا بھی دیتے جائیں۔

سکینہ۔ بہت اچھا اگر آپ گھر میں آجائیے نا۔

فقیر سکینہ کے چھوٹے سے غریبانہ گھر میں چلا آیا اور سکینہ کے کہنے سے ایک ٹوٹی کھٹیا پر جو انگنائی میں بچھی ہوئی تھی بیٹھ گیا اور کہنے لگا مائی تیرے ہاں چراغ نہیں"

سکینہ۔ میاں صاحب چراغ دو کوڑی کا لعل کہلاتا ہے مگر مجھے وہ کوڑیاں بھی [illegible] جڑتی ہیں جو چراغ جلایا کروں۔

فقیر۔ مائی کیوں گھبراتی ہے تیرے ہاں تو گھی کے جلا کرینگے۔ وہ جو کوڑیاں [illegible] اور روپے اور اشرفیاں ہیں اور جو آج کی نقدی کھانے میں ہے سب [illegible]

[illegible] مشکل بھا خطوط میں ملا۔ خدا ایک ہے [illegible] کا [illegible] [illegible]

ہوتے ہی یہ کہہ کر فقیر نے اپنی جھولی کونڈی میں اُلٹ دی اور آپ جھلنگہ میں لیٹ گیا اور سکینہ کا حال کرید کرید کر پوچھنے لگا۔ سکینہ سیدھی سادی نیک عورت تھی اُس نے اپنی رام کہانی رتی رتی فقیر کو سنائی اور جب بڑی بہن کے طعنہ کا ذکر آیا کہ جا تو اپنی بیٹی قلندروں کو دے تو وہ دھاڑوں رونے لگی۔

فقیر۔ مائی کہہ بیٹا گھبراتی کیوں ہے۔ دیکھ تو خدا کیا کرتا ہے۔

سکینہ۔ (دوپٹہ کے آنچل سے آنسو پونچھ کر) اب آپ جیسے اولیاء اللہ میری مدد پر ہیں تو مجھے کاہے کا ڈر ہے۔

اسی حال میں سکینہ نے دیکھا کہ چارپائی جو چھوٹی اور ٹوٹی ہوئی ہے اس لئے فقیر کے پاؤں پائنتی سے باہر نکل گئے ہیں اور وہ اُسپر بے چین پڑا ہوا ہے اسلئے اُسنے اختر سے کہا بیٹی تو بیٹھی بیٹھی کیا کرتی ہے میاں صاحب کے تلوے کیوں نہیں سہلاتی ماں کے کہنے سے اختر فقیر کی پائنتی کی طرف زمین پر پسکڑا مار کر اور اپنے تئیں اوڑھ لپیٹ کر بیٹھ گئی اور دو پوروں سے اُسکے تلوے سہلانے لگی تھوڑی دیر میں فقیر چلا گیا۔ سکینہ نے صبح ہوتے ہی اشرفیاں بھنا کپڑا لتا مول منگایا۔ اور بازار سے کھانے پینے کا سارا سامان اُسکے ہاں آگیا۔ تیسری رات اسی طرح فقیر پھر آیا۔ اور اپنی جھولی سے دس اشرفیاں سکینہ کو دے چارپائی پر لیٹ گیا اور اختر پہلے کی طرح زمین پر پسکڑ دور بیٹھ کر فقیر کے تلوے سہلاتی رہی اور فقیر ذرا سی دیر میں اُٹھا اور چلا گیا۔ مگر خدا جانے کیا بھید تھا اُسنے سکینہ کے ہاں رات کا آنا اور دس بیس اشرفیاں دیجانے کا معمول باندھ لیا جب فقیر کو اسی طرح آتے جاتے برس دن گزر گیا تو سکینہ مالا مال ہو گئی کئی کئی مکان خرید لئے نوکر چاکر ماما اصیلیں رکھ لیں اور سکینہ بیگم کی اچھی خاصی ایک سرکار ہو گئی

اختر کے لئے امیرزادیوں بلکہ شہزادیوں جیسا جہیز تیار ہونے لگا۔ ہوتے ہوتے بی جینا بیگم کو بھی خبر لگی کہ چھوٹی بہن کو خدا نے چھپر پھاڑ کر دولت دیدی اور اب وہ لعلوں کی لعل ہے، اور بیٹی کے بیاہ کا سامان کر رہی ہے بڑے بڑے اونچے گھروں کے رقعہ آتے ہیں مگر وہ پھیر دیتی ہے۔ جینا اس خبر کو سنکر بھڑک گئی اور پیسہ کے لالچ نے اُسے بےچین کر دیا۔ ایک دن پانچ روپے کی مٹھائی لے سکینہ کے ہاں آن اُتری مکان اور امیرانہ سامان دیکھ کر دنگ ہوگئی اور ہاتوں کے طوطے اُڑ گئے ادھر اُدھر کی باتیں کر کے گھڑی دو گھڑی پیچھے کہنے لگی بوا میں حسین مرزا کے بیاہ کی تاریخ ٹھیرانے آئی ہوں کہو اب تم کیا کہتی ہو۔

سکینہ۔ آپا جان میں تو وہی فقیرنی ہوں جسکو تم اپنی محلسرا سے جوتیاں پٹوا کر نکلواتی تھیں اور میری بیٹی قلندروں کو دیتی تھیں۔ فال زبان یا فال قرآن تمہارے منہ کا کہنا ہوگیا میری بیٹی کی تو قلندر کے ساتھ بات ٹھیر گئی۔

جینا بیگم۔ یہ منہ اور مسالحہ کون قلندر اور کیسا فقیر صدقہ کیا تھا وہ قلندر۔ یہ ہی تو پیٹ کی مانگ ہے، اختر کا حسین مرزا سے ہو اور پھر ہو۔ مگر سکینہ نے اسکو پھر کچھ جواب نہ دیا۔ اور جینا بیگم شام کو اپنے گھر چلی گئی مگر یہ کہہ گئی کہ جبتک تو ہاں نکریگی تیری دہلیز کی مٹی نہ ڈالونگی اور روز تیرے ہاں آکر دھرنی دیا کرونگی۔

شام کو جب معمول کے موافق قلندر سکینہ کے گھر آیا اور اختر سر سے پاؤں تک ایک دوشالہ اوڑھ کر اُسکے تلوے سہلانے بیٹھ گئی تو سکینہ نے اپنی بہن کے آنے اور بیاہ کے تقاضے کا حال فقیر صاحب کو سُنایا۔

فقیر۔ اگر جینا پھر آکر تم سے بیاہ شادی کے واسطے کہے تو تم پہلے کی طرح صاف جواب

دیدینا۔ اور اگر وہ زیادہ فیل مچاسے تو کہدینا بہن کچہری عدالت کرو اگر حاکم تم کو شیخی دلوادے تو تم سے لو مجھے ناحق آکر تنگ نکرو۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ جب جینہ بیگم نے دیکھا کہ سید فی انگلیاں گھی نہیں نکلنے والا اور بہن راضی خوشی بچے مجھے نہیں دیگی تو اُسنے اپنی بہن پر حاکم کے ہاں عرضی دیدی اور سکینہ کو کچہری میں جانا پڑا مگر مقدمہ اُس تاریخ پر نہ ہوا اور حاکم نے دوسری تاریخ مقرر کر دی۔ واللہ اعلم کسی جاسوس یا مخبر کی معرفت یا کس طرح یہ قصہ بادشاہ کے کان تک پہونچ گیا اور بادشاہ سلامت نے وزیر کی معرفت ان دونوں بہنوں کے پاس حکم بھیجدیا کہ تمہارا انصاف ہم آپ کرینگے جینہ بیگم اپنے خاوند اور بیٹے سمیت اور سکینہ مع اپنے بیٹے کے فلاں تاریخ فلاں دن فلاں وقت دربار عام میں حاضر ہو اور اگر ان میں سے کوئی حاضر نہ ہوا تو اپنی سزا کو پہونچے گا۔ دونوں بہنیں اس حکم کے سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگیں کہ بادشاہ لوگ اُلٹے سیدھے جانیں نہ سیدھے دیکھتے اس اولاد کے کارن کیا مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔ آخر وہ دن آ گیا اور جینہ بیگم ڈولی میں بیٹھ عباس مرزا (خاوند کا نام ہے) اور حسین مرزا کو ساتھ لے لال قلعہ روانہ ہوئی ادھر سے ایک ڈولی میں سکینہ اور ایک ڈولی میں اختر سوار ہو کر لال قلعہ کو چلیں جب قلعہ کے اندر تینوں ڈولیاں پہونچیں تو اُنھوں نے عالم ہی دوسرا دیکھا رومی اور فرنگی باجوں کی دہوم روشن چوکی کی سہانی آواز نوبت کی ٹکور سنکر دل بے قابو ہوئے جاتے تھے کئی سو سوار اور پیادے چمکدار وردیاں پہنے ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے جا بجا پہرہ پر کھڑے تھے۔ خدا خدا کرکے ڈولیاں لال پردے تک پہونچیں اور ناظر کے حکم سے وہاں رکھی گئیں۔ لال پردہ سے دیوان عام بہت دور تھا مگر کیا مقدور جو کوئی انسان ہوں تو کرے سب طرف رعب اور خاموشی چھائی ہوئی۔ سوائے ایک نقیب کی آواز کے جو برابر کانوں میں

آرہی تھی" تسلیمات کورنش بندگی مجرئی آداب بجالاؤ نظر روبرو جہاں پناہ بادشاہ سلامت عالم پناہ پادشاہ سلامت" یہ وہ آواز تھی جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے اور ہر کوئی ہیبت کے مارے تھر تھر کانپ رہا تھا گھنٹہ بھر کے بعد ایک ناظر دوڑا ہوا آیا اور اُس نے کہا ڈولیاں اُٹھالاؤ اور ڈولیاں فوراً دیوان عام میں داخل ہوگئیں۔ جسوقت ان عورتوں نے ڈولیوں کے پردے میں سے جھانک کر نظر ڈالی تو عجب عالم نظر آیا۔ دیکھا کہ دیوان عام میں شاہجہاں بادشاہ لاکھوں روپے کا قیمتی لباس پہنے ہیروں کا تاج سر پر دھرے جڑاؤ تخت پر جو جواہر کی جوت سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے بیٹھا ہوا ہے اور دائیں بائیں وزیر شاہزادے سلاطین امیر امراء رُعب چھا رہا ہے ہاتھ باندھے سناٹے کے عالم میں گردن جھکائے دست بستہ چپ کھڑے ہیں۔ ناظر چوبدار برچھے قلاّ ہاتھوں میں سونے رُوپے کے عصا لئے اِدھر اُدھر حاضر ہیں ناگہاں بادشاہ نے اشارہ کیا اور سعد اللہ خان وزیر نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور تخت کو بوسہ دیکے پیچھے ہٹا اور ڈولیوں کے پاس آکر کہا جینہ کی ڈولی کونسی ہے۔

عباس مرزا۔ حضور یہ ہے۔

سعد اللہ خان۔ حضور والا فرماتے ہیں جینہ تم کو اپنی بہن پر جو دعویٰ ہے وہ ٹھیک ٹھیک اور سچ سچ بیان کرو خبردار ایک حرف خلاف نہ کہنا نہیں تو خیر نہیں ہے اِس حکم کو سنکر جینہ بیگم کے ہوش اُڑ گئے اور آدھ گھنٹہ پیچھے اُسنے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے اپنا اور سکینہ کا بیاہا جانا اور امید کی حالت میں سکینہ سے یہ وعدہ لے لینا کہ اگر تیرے ہاں لڑکا اور میرے ہاں لڑکی ہوئی تو میں اپنی لڑکی تیرے لڑکے کو دیدونگی اور اگر تیرے ہاں بیٹی ہوئی اور میرے ہاں بیٹا تو میرے بیٹے کو تجھے اپنی بیٹی دینی پڑیگی اور حسین مرزا اور اختر کا

پیدا ہونا اور تنگی کرنا ذرا عرض کیا اور کہا جہاں پناہ اب میری بہن اپنے قول سے پھری جاتی ہے اور بیٹی دینے سے انکار کرتی ہے جب جینہ خاموش ہوئی تو سعد اللہ خاں نے کہا سکینہ اب تجھے جو کچھ عذر اور جواب ہو عرض کر سکینہ دیر تک ڈولی میں چپ بیٹھی رہی کیونکہ رعب کے مارے اسکی آواز نکلتی نہ تھی اور اُسے یقین تھا کہ بادشاہ میری بیٹی جینہ کو دلوا دیگا۔ مگر اُسنے اپنے تئیں سنبھالا اور اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا جب اختر کے باپ کا مرجانا اور سلائی کا سینا اور فاقہ کرنا اور بہن کے پاس جانا اور بہن کا آڑے ہاتھوں لینا اور یہ کہنا کہ جا تو اپنی بیٹی قلندر ہی کو دے بیان کیا تو تمام درباریوں کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے اور جہاں پناہ بھی آب دیدہ ہوئے اور جب سکینہ نے قلندر کا اور اشرفیاں دیجانا اور اپنا مالدار ہوجانا اور جینہ بیگم کا شان پانا اور وان جہیز کے لالچ سے دوبارہ حسین منزل کے لئے پیغام دینا بیان کیا تو سب حیران تھے کہ آلہی یہ کیا ماجرا ہے اور ایسا وہ مالدار قلندر کون ہے جس نے خدا واسطے سکینہ کے گھر سونا برسا دیا جب سکینہ چُپ ہوئی تو سعد اللہ خان نے کہا کیا وہ قلندر اب بھی تیرے ہاں ہر روز آتا ہے۔

سکینہ۔ جی ہاں خداوند ہر روز نہیں بلکہ ہر رات کو آتا ہے۔

بادشاہ سلامت۔ سعد اللہ اس سے پوچھو کہ اب تو اپنی بیٹی اپنے بھانجہ کو دینی چاہتی ہے یا قلندر کو۔

سکینہ۔ خداوند میں تو اپنی بیٹی برس دن ہوا قلندر کو دے چکی اب بھانجہ کو کیونکر دے سکتی ہوں۔

بادشاہ سلامت۔ سعد اللہ اس لڑکی سے پوچھو تو اُس قلندر کو پہچانتی ہے۔

اختر۔ (ڈر کے مارے اپنے کلیجہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر) نہیں حضور میں قلندر کو

نہیں پہچانتی۔ میں نے آجتک اُسکی صورت بھی نہیں دیکھی۔

سعد اللہ خان۔ تو نے قلندر کی صورت کیوں نہیں دیکھی۔

اختر۔ حضور غیر مرد کی صورت دیکھنی حرام ہے۔

سعد اللہ خان۔ حضور والا فرماتے ہیں پھر تو نے قلندر کے تلوے کیوں سہلائے۔

اختر۔ اماں جان کے ڈر سے اور انکی کہنے سے اور فقیر کو بزرگ سمجھ کر مگر اللہ جانتا ہے فقیر پلنگ پر ہوتا ہے اور میں اوڑھ لپیٹ کر اسکی پائنتی زمین پر بیٹھ جاتی ہوں اور دو پوروں سے تلوے سہلایا کرتی ہوں۔

سعد اللہ خان۔ اچھا یہ کیونکر سمجھا جائے کہ فلانے فقیر کے تو تلوے سہلاتی تھی۔

اختر۔ جہاں پناہ میں اپنے قلندر کے پاؤں پہچانتی ہوں اگر ہزار پاؤں میں ایک پاؤں میرے قلندر کا ہوگا تو الگ پہچان لونگی۔

سعد اللہ خان۔ حضور والا فرماتے ہیں اگر ایسا نہ ہوا تو پھر کیا سزا۔

اختر۔ حضور مجھے تھوتہ تیروں سے اُڑا دیا جاوے۔

بادشاہ سلامت۔ سعد اللہ خان ہم حکم دیتے ہیں کہ اسوقت دربار میں جسقدر ادنیٰ و اعلیٰ حاضر ہیں باری باری سے اس لڑکی کی ڈولی میں پاؤں ڈالیں۔ دیکھیں یہ اپنے قلندر کے کیونکر پاؤں پہچانتی ہے۔ حکم کی دیر تھی۔ پہلے ایک شاہزادے نے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اختر نے دو پورے اُسکے تلوؤں کو لگائے اور کہدیا یہ میرے قلندر کے پاؤں نہیں ہیں۔ پھر ایک اور امیر نے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اور اسنے کہدیا یہ میرے قلندر کے پاؤں نہیں ہیں۔ اور اسی طرح کئی ہزار آدمی نے جو دربار میں حاضر تھا باری باری سے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اور اُسنے ہاتھ لگا کر کہہ دیا کہ

یہ میری قلندر کے پاؤں نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ اخیر میں نواب سعد اللہ خان نے بھی بادشاہ کے اشارہ سے اختر کی ڈولی میں پاؤں ڈالے اور اس نے ہاتھ سے چھوکر کہدیا یہ بھی میرے قلندر کے پاؤں نہیں ہیں۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ اب کوئی باقی نہیں رہا تو خود بدولت چلمن کے اندر تشریف لے گئے جو تخت کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور تھوڑی دیر میں ایک فقیر گدڑی پہنے کمبل اوڑھے ہاتھ میں جھولی لٹکائے بڑی صورت بنائے دیوان عام میں کسی طرف سے گھس آیا اور جھٹ پٹ اختر کی ڈولی کے پاس آکر سعد اللہ خان وزیر سے کہنے لگا اگر حضور کہیں تو میں بھی اپنے پاؤں ڈولی میں ڈال دیکھوں۔

سعد اللہ خان۔ کیا مضایقہ ہے۔ یہ دربار عام اسی واسطے کیا گیا ہے کہ حق حقدار کو پہونچ جائے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے۔

فقیر سلام کر کے ڈولی کے پاس بیٹھ گیا اور اُسنے دونوں پاؤں ڈولی میں ڈالدیئے۔ اور اختر نے اُس فقیر کے تلووں کو چھوتے ہی کہدیا کہ "حضور یہ میرے قلندر کے پاؤں ہیں"۔ قلندر نے فوراً ڈولی سے باہر پاؤں کھینچ لئے سارا دربار حیران تھا کہ الٰہی یہ بھید کیا ہے یہ فقیر گداگر اسقدر جلدی دربار میں کہاں سے آگیا اور یہ لڑکی بدنصیب ہے جو اس بھیک منگے اور بدشکل فقیر کو اپنے لئے پسند کرتی ہے۔ مگر جب اُس فقیر نے اپنی گدڑی اور جھولی اور کمبل اُتار کر پھینک دیا تو معلوم ہوا کہ یہ سارا بہروپ بادشاہ سلامت نے بھرا تھا اور خود قلندر بنکر یہاں آئے ہیں۔ بادشاہ نے تخت پر بیٹھ اپنی زبان سے فرمایا کہ ہماری رعایا ہمکو غافل اور بیخبر نہ جانے ہمارے کان میں ہر امیر اور فقیر کے گھر کی اچھی اور بُری بات رتی رتی ہوکر پہونچتی رہتی ہے اور ہم آپ بھی بھیس بدل کر چلتے پھرتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ ہماری رعیت میں سے کون خوش ہے کون محتاج ہے کون کس پر ظلم کرتا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] بات [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کی ملاقات کے بعد [illegible]

[illegible] ہوتے ہیں اس [illegible] کمالات [illegible]

کے متعلق تفصیلی نوٹ ملتے۔ اور اس کے بعد مسند نامہ کی تحریر [illegible] کے

[illegible] خوبی سے دکھاتے ہیں کہ اصل چیز کا صحیح نقشہ آنکھوں میں [illegible]

[illegible] کی طبیعت مطالعہ کتاب سے وہ خدا [illegible] یا وہ سیر کے وقت [illegible]

[illegible] کے لطف میں شریک تھا اس مقصد کی تکمیل کے لئے [illegible]

[illegible] فوٹو عکسی تصویر لگائی ہے جس کی وجہ سے جیسی تصویروں کا ایک [illegible]

کے ساتھ مفت ہاتھ آتا ہے پھر کتاب کی تیاری کا اہتمام بھی قابل [illegible]

[illegible] اعلیٰ قسم کا چکنا ولایتی [illegible] تصویریں نفیس آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی [illegible] اور سب [illegible]

[illegible] کی چھپائی کے نادر نمونے ہیں۔ ایک پر سنہری [illegible]

[illegible] اور دوسری پر [illegible] رنگ انگریزی [illegible] پسندیدہ۔ ضخامت [illegible]

[illegible] صفحے سے زیادہ۔ الغرض کتاب [illegible] ایسی ہے کہ ممکن نہیں [illegible]

[illegible] کی قیمت صرف ہے [illegible]

[illegible] ملنے کا پتہ [illegible]

منازلِ السّائرہ

یعنی

جناب مولوی عبدالراشد الخیری دہلوی کی مقبول کتاب جس کا پہلا ایڈیشن چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ بِک گیا تھا اور جسکی دوبارہ اشاعت کے متواتر تقاضے آتے رہے اب

مخزن پریس میں

نہایت خوبی کے ساتھ دوبارہ چھپ رہی ہے اور جلد شائع ہونیوالی ہے۔ اس کتاب میں سائرہ کی زندگی کی مختلف منازل کے حالات نہایت دلچسپ اور نصیحت آمیز طریق سے بیان کئے گئے ہیں۔ مولوی صاحب کی مشہور طرزِ تحریر کا یہ ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اخبارات نے نہایت اچھے اچھے ریویو لکھے ہیں۔ مستورات ہی کی ضرورتوں کو مدِنظر رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اس کا مطالعہ انکے لئے بہت دلچسپ اور مفید ثابت ہوگا۔

قیمت علاوہ محصولڈاک عہ

درخواستیں درج رجسٹر ہو رہی ہیں۔ شائقین آرڈر بھیجنے میں جلدی کریں۔ جو آرڈر پہلے آئینگے۔ کتاب تیار ہونے پر سب سے پہلے انکی تعمیل ہوگی۔ کتاب کی ضخامت دو سو صفحوں سے زیادہ ہے*

مینیجر مخزن پریس سے طلب کیجئے

جلد ۱ نمبر ۶

سنہ ۱۹۰۸ نومبر

یعنی

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے

اُردو میں

پاکیزہ خیالات علمی اور ادبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے

اور

ہر حصۂ ملک کے ممتاز اہل قلم کے مضامین کے علاوہ معزز خواتین کے

طبع زاد مضامین اور مشہور مقامات اور مناظر کی تصاویر سے بھی مزین ہوتا ہے

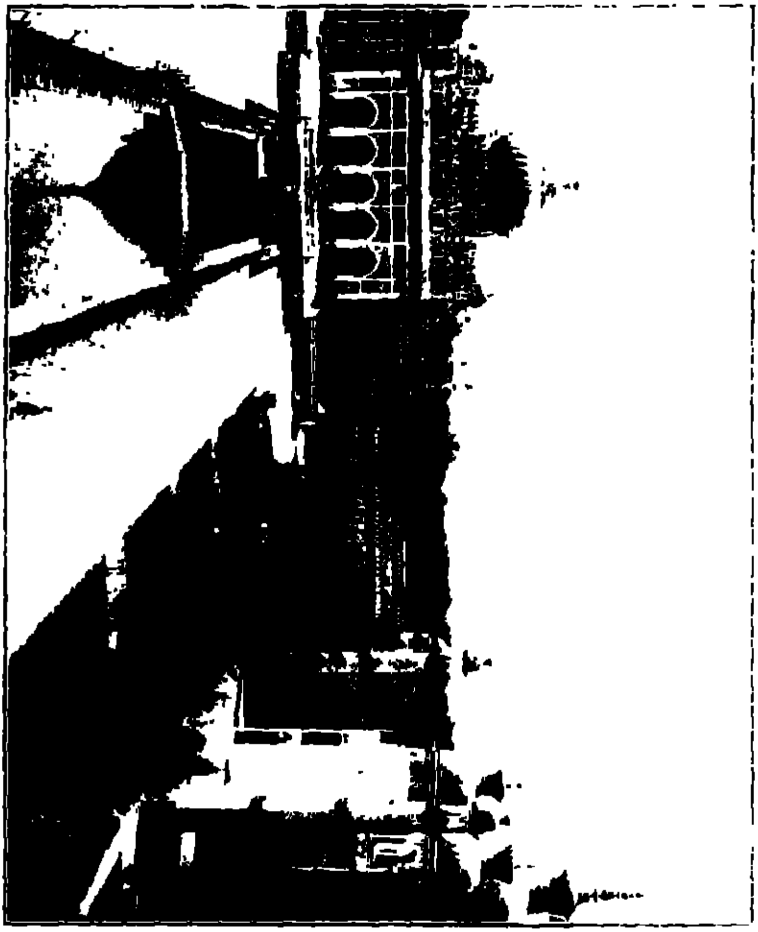
ایڈیٹر رسالہ شیخ محمد اکرام | جائنٹ ایڈیٹر مسز محمد اکرام

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک ۲ فی پرچہ ۔/

فہرست مضامین رسالہ عصمت

ماہ نومبر ۱۹۰۸ع



عصمت

کانِ نمک

سفر
بہت عرصے سے میری خواہش تھی کہ اگر ممکن ہو تو نمک کی کان کو جو کیبوڑی میں ہے دیکھوں۔ آخر کار خدا نے موقع دیا اور ہم شوق کے ساتھ گزشتہ ہفتہ کان کی سیر کو روانہ ہوئے۔

ہم پانچ بجے شام کو بھیرہ ضلع شاہپور (پنجاب) سے روانہ ہو کر چھ بجے ملکوال پہونچے۔ یہاں ریل تین گھنٹے ٹھہرتی ہے۔ شب کا کھانا کھانے اور بچوں سے کان کے متعلق بات چیت کرنے میں وقت جلدی کٹ گیا۔ ہماری پارٹی میں چار بچے اور چار ہی بڑے اشخاص تھے۔ پھر ہم ملکوال سے دوسری گاڑی میں جو ہرن پور کو جاتی ہے سوار ہوئے۔ یہ صرف پندرہ منٹ کا راستہ ہے جلد طے ہو گیا۔ لیکن ہرن پور میں گاڑی پھر تبدیل ہوتی ہے۔ پس

وہاں ایک گھنٹہ ٹھہر کر کھیوڑہ خاص کو جانے والی گاڑی کا انتظار کیا۔ اور بارہ بجے اسپر سوار ہو کر ایک بجے رات کے اپنی منزل مقصود پر پہنچے۔

رہایش چونکہ گاڑی صبح کے آٹھ بجے تک وہاں ہی ٹھہرتی تھی ہم اسی میں سوتے رہے۔ صبح چھ بجے سامان وغیرہ اٹھوایا اور (Rest-House) آرام خانے میں جو سٹیشن سے تھوڑے فاصلے پر ہے جا کر اُترے۔ مُنہ ہاتھ دھویا۔ ناشتہ کیا اور سیر کے واسطے تیار ہوئے۔ اتنے میں خوب بارش شروع ہو گئی۔ چونکہ رات کو سخت گرمی رہی تھی۔ بارش نے بھی سیر کو پُر لطف بنانے میں مدد دی۔ اِس ریسٹ ہاؤس کے ساتھ ایک سرائے بھی ہے اور کئی ایک دوکانیں بھی جہاں سے معمولی کھانا۔ دودھ۔ وغیرہ بہ آسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔

راستہ کھیوڑہ سٹیشن سے نمک کی کان قریب ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ تمام راستے میں دونوں اطراف چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ کچھ فاصلے پر سڑک کی بائیں طرف ایک نالہ بہتا ہے جسکا پانی نمک کے پہاڑ پر سے گزر کر آتا ہے۔ ہم نے پانی کو چکھا تو نہایت نمکین پایا دائیں طرف وہ سڑک ہے جس پر نمک کی آہنی گاڑیاں گزرتی ہیں۔ اوپر جاتے ہوئے خالی گاڑیاں کھینچ کر لیجاتے ہیں۔ لیکن بھری ہوئی گاڑیاں ڈھلوان سڑک پر دھکیل دینے ہی سے نیچے چلی آتی ہیں۔

سڑک کے اِدھر اُدھر کہیں کہیں نمک کی ڈلیاں پڑی تھیں۔ دیکھ کر یہی خیال آتا تھا کہ کیسی بے پرواہی سے ۔ا سقدر نمک ضایع ہورہا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ آگے پہنچ کے کیا دیکھیں گے ۔

راستے میں ایک صاف پانی کا تالاب تھا۔ جہاں سے لوگ پانی پیتے ہیں اور غسل کرنیکے لئے ایک تالاب علیحدہ ہے۔

اجازت کان کے ملاحظہ کرنے کے لئے کچھ روز پیشتر ہی کان کے سپرنٹنڈنٹ سے جو ہمیشہ وہاں رہتا ہے اجازت حاصل کرلینی چاہیئے۔ تاکہ وقت ضایع نہ ہو۔ بعض مرتبہ برسات کے باعث کان کے اندر پانی اور کیچڑ جمع ہوجاتا ہے۔ جس پر پھسلنے کا خطرہ رہتا ہے۔ اس صورت میں اس افسر سے ڈالی کا بھی بندوبست ہوسکتا ہے۔

روشنی کان اندر سے بالکل تاریک ہے۔ پس مشعل۔ چراغ اور آتش بازی مثلاً گل دوپہر۔ انار۔ غبارے وغیرہ کا ساتھ لیجانا ضروری امر ہے۔ یہ سب چیزیں وہاں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنے شوق اور اپنے مقدور کے مطابق جتنا چاہے ایک روپے سے لیکر سینکڑوں روپے تک روشنی پر صرف کرسکتا ہے۔

کان نمک کی کان ایک اونچی پہاڑی ہے۔ اوپر کی مٹی کسیقدر سرخی مائل ہے۔ ساتھ کی پہاڑی پر اِن لوگوں کے چھوٹے چھوٹے مکان ہیں جو کان کھودتے ہیں۔ آجکل انہیں ایک ماہ کی رخصتیں تھیں

اور کام بند تھا۔ تیسری پہاڑی کے اوپر سپرنٹنڈنٹ کی کوٹھی ہے۔
پہاڑی کے دامن میں ایک بڑا پھاٹک ہے۔ جسمیں سے داخل ہوتے ہیں۔ اور دوسرا جس میں سے باہر نکلتے ہیں۔ باہر خواہ کیسی ہی گرمی ہو۔ وہاں کھڑے ہوتے ہی سردی محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھاٹک کے اندر داخل ہو کر کچھ فاصلے تک ایک چھ یا سات فٹ اونچی اور تقریباً اتنی ہی چوڑی گلی میں سے گذر ہوتا ہے۔ یہ تھوڑی دور تک تو پتھروں سے پختہ کی ہوئی ہے۔ اور پھر صرف مٹی اور پتھروں میں کھدی ہوئی ہے۔ بعد میں مٹی اور پتھریلے نمک کے تھوڑے سے حصے میں سے گزر کر خالص نمک کے بیچوں بیچ جا پہنچتے ہیں۔ تقریباً آدھ میل یا اس سے کچھ کم تو ایسا ہی راستہ ہے۔ لیکن پھر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بلور کے محل میں آگئے۔ جہاں سے خالص نمک شروع ہوا۔ بس جا بجا گلیاں شاخوں کی مانند اِدھر اُدھر نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ راستے بڑے بڑے بلور کی مانند شفاف گنبد نما چھتے ہوئے صحن اور خوشنما کمرے کہ ان کی پوری تعریف کرنی امکان سے باہر ہے۔ ہم نے دو گھنٹے کا چکر کان کے اندر لگایا۔ اور ہم دو گھنٹے کان کے اندر رہے۔ لیکن اس عرصے میں ہمیں یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم ایک دلکش خواب دیکھ رہے ہیں اور کہ یہ ایک نہایت ہی دلفریب جگہ ہے۔ جسے اگر پرستان کا نام دیا جاوے تو بے جا نہ ہوگا۔ جدھر ہم نظر کرتے۔ جدھر ہم آنکھ اُٹھاتے۔ جہاں ہم پاؤں

وہرے تے۔ جہاں ہم ہاتھ لگاتے۔ سب خالص۔ صاف۔ بشفاف اور شیشے کی مانند چمکتا ہوا نمک ہی نمک تھا۔ رہبری کے واسطے کئی ایک کارندے چراغ اور مشعل لئے ہوئے ساتھ تھے۔ اور جہاں کہیں کوئی خاص حصہ دیکھنے کے لائق آتا۔ فوراً آتشبازی کے ساتھ روشنی کو تیز کر کے دکھا دیتے تھے۔ روشنی کی تیزی سے کان کی دلچسپی اور رونق بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

نظارے بڑی گلی کے ایک جانب ایک دروازہ تھا۔ ہمارے رہبر نے اسے کھول دیا۔ اور ہم اسکی دہلیز پر دری بچھا کر بیٹھ گئے۔ پھر ایک اور راستے سے جاکر انہوں نے "گل دوپہر" کی مدد سے روشنی کی جسکو ذریعے سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہم ایک تالاب کے کنارے بیٹھے ہیں۔ حقیقتاً کان کے اندر یہ ایک نہایت خوبصورت اور عجیب تالاب ہے۔ ہم نے دہلیز پر سے ہاتھ لٹکا کر پانی لیا اور چکھا۔ نہایت کڑوا تھا۔ لیکن دیکھنے میں بہت ہی صاف اور شفاف۔ ایسے ہی سرد بھی بہت تھا۔ جس طرح دریا کے کنارے ریت اور پتھر اور سمندر کے کنارے گھونگے اور کوڑیاں ہوا کرتی ہیں۔ ویسے ہی اس تالاب کی نچلی تہ میں پانی کے کنارے۔ مصری کی بڑی کوزے کی مانند نمک کی خوشنما چوکونی ڈلیاں پڑی تھیں۔ جب اس گھر سے تالاب پر جھکی تہ خالص نمک کی ہے۔ اس گنبد نما شیشے کی سی آبدار چھت کا روشنی میں عکس پڑتا تھا۔ تو یہی خیال پیدا ہوتا تھا کہ ایک بلور کے پیالے میں پانی بھرا

بھرا ہے۔ تیز روشنی میں اس کی چمک نہایت خوشنما معلوم ہوتی تھی۔

ایک اور حصہ تھا جسکو باغ کہتے تھے۔ وہ بھی کمول کر دیکھا یہ تہ خانہ بھی قابلِ دید ہے۔ یہاں پر پہاڑ کے ایک حصے سے پانی قطرہ بہ قطرہ گذرتا رہتا ہے۔ ہوا کی نمی سے بھی بعض جگہ پانی ٹپکتا ہو۔ لیکن جو خوبی اُس میں ہے۔ وہ کچھ اور ہی ہے۔ کان کی بلوری چھت سے لے کر۔ کان کے بلوری فرش تک روئی کے نرم گالوں کی صورت میں یا تازی ہلکی اور نرم برف کے روں کی مانند سفید اور سیدھی نلیوں کی ہزارہا قطاریں بعض موٹی اور بعض باریک بال لٹکتی ہیں۔ کئی ایک تو فرش سے اُگتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ نمکین پانی کا متواتر ٹپکنا۔ نمک کے اس صورت میں جم جانے کا باعث ہوتا ہے۔ یہ تو حقیقتاً ایسے ہی نظر آتی ہیں جیسے کسی مکان میں بیشمار جھاڑ فانوس لٹک رہے ہوں۔ اور نیچے کی نلیاں ایسی گویا درختوں پر برف پڑی ہو۔ جو نمک اوپر کی نلیوں پر ٹھہر نہیں سکتا۔ وہ انکے سوراخوں میں سے ہو کر نیچے ٹپک جاتا ہے۔ اور سفید کھانڈ کی مانند جمتا جاتا ہے۔

کان کی کئی ایک منزلیں ہیں۔ ہم سب پر تو نہیں چڑھے لیکن ایک ایسی جگہ جا کر دیکھا جہاں سے دو نیچے کی اور دو اوپر کی منزلیں بخوبی نظر آتی تھیں۔ یہ ایک نہایت وسیع میدان سا تھا جو کان کو کھود کر بنایا گیا

تھا۔ اس منزل کی ساٹھ سیڑھیاں تھیں۔ تمام سیڑھیاں۔ فرش دیواریں۔ چھت خالص نمک میں سے لئے تھے۔ جا بجا نمک کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر پتھروں کی مانند قرینے سے چنے ہوئے تھے جب گاڑیاں اندر لاتے ہیں۔ تو اُن میں یہی نمک لاد کر فروخت کے واسطے باہر منڈی میں بھیجا جاتا ہے۔ یہاں ہم کچھ دیر تک بیٹھے اور ہمارے رہبروں نے غبارے چڑھائے۔ یہ منظر نہایت دلکش تھا۔ خداوند تعالےٰ کی عظیم الشان قدرت دیکھ کر یہی خیال آتا تھا کہ ہر ایک شے ایک دوسری سے نرالی ہے اور اسکے عجائبات کی کوئی حد نہیں۔

غبارے بہت اونچے پر جا کر جب ٹکرائے۔ تو راستہ باہر نکلنے کا نہ پاکر دیر تک ایک جگہ قائم رہے۔ اِن کی روشنی سارے فراخ میدان پر جو ہمارے سامنے اور اردگرد تھا پڑتی تھی۔ اور جب گرم ہوا جو اُنکے اندر تھی ٹھنڈی ہوگئی تو وہ خود بخود نیچے اُتر آئے۔ اس بلندی کا اندازہ تین سو فٹ بیان کیا گیا تھا۔

ایک حصے میں نمک کے کٹے ہوئے ٹکرے پڑے تھے۔ جنکا وزن قریب سو سو من کے تھا۔ یہاں نمک کی دیواروں میں جا بجا ایک ایک فٹ کے قریب لمبے لمبے سوراخ تھے ان سوراخوں میں جیسے پتھروں کو کاٹتے ہیں بارود بھر کر ایک لمبا فیتہ لٹکا دیتے ہیں۔ اس فیتے کے دوسرے سرے میں آگ لگا کر سب

کارندے ادھر اُدھر آڑ میں ہو جاتے ہیں۔ تاکہ اُڑتے ہوئے نمک کے ٹکڑوں سے ضرر نہ پہونچنے پاوے۔ آخرکار جب بارود کو آگ لگتی ہے تو نمک کے بڑے ٹکڑے ٹوٹ کر کان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

کان کی تہ میں ایک اور عجیب شے دیکھنے میں آئی۔ وہاں ایک درخت کا تنا ہے۔ جسکا قطر چھ یا سات انچ ہے۔ یہ درخت نہیں معلوم کتنا لنبا ہوگا۔ کیونکہ وہ تمام نمک کے اندر دبا ہوا ہے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کس طرح اور کس زمانے میں اس کان کے اندر مدفون ہو گیا ہوگا۔ اسکا رنگ بالکل تبدیل نہیں ہوا۔ صرف لکڑی نہایت نمکین ہو گئی ہے۔ درخت کے دو بازو سے آگے کو بڑھے ہوئے تھے۔ سننے میں آیا کہ دو تین سال کا عرصہ ہوا کہ ان کے بیچ کا حصہ نمک کے ڈلے سمیت کاٹ کر انگلستان کو عجائب گھر میں رکھنے کے واسطے بھیج دیا گیا تھا۔ دیکھنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے گویا قیامت تک یہ کان ختم نہ ہوگی۔

جسقدر روشنی تیز ہوتی تھی۔ اسی قدر کان کی بہار اور سیر کا لطف آتا تھا۔

اگر کسی وقت کیوڑے کی طرف سے گزر ہو تو اس عجیب و غریب قدرت کے کارخانے کو جسکا ایک حصہ روز ہمارے استعمال میں آتا ہے۔ اور جسکے نام اور مزے سے کوئی بھی ناواقف نہیں دیکھے

بغیر کبھی نہ جانا چاہیے۔ جو مسرت خود دیکھنے بھالنے سے ہوتی ہے محض سننے اور پڑھنے ہی سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ خاص اسکو دیکھنے کی خاطر وہاں جانا چاہیے۔

چند منٹ میں مشعل اور دیسی چراغ کے دھوئیں سے دل گھبراتا ہے۔ لیکن پھر طبیعت عادی ہو جاتی ہے۔ یہانتک کہ اسکا خیال بھی نہیں رہتا۔ کام کے وقت ہر ایک قلی کے پاس علیحدہ علیحدہ چراغ رہتا ہے۔

انکی خاطر جو کبھی اسطرف آئیں میں لکھتی ہوں۔ کہ لاہور سے لالہ موسے تک کا سفر چار گھنٹے کا ہے۔ لالہ موسے سے ہرن پور تک سوا دو گھنٹے کا۔ اور ہرن پور سے کیوڑے تک پونے گھنٹے کا۔ اس سے انہیں فاصلے کا بھی کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

راقمہ مسز سراج الدین

از لاہور

بیمار اور تیمارداری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

باب دوم

علی نقی خاں ۔ لو بی بی امیر علی کا خط آیا ہے تمہارے نام۔

جمیلہ بیگم نے بیٹے کا خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

"میری پیاری اماجان آپکا عنایت نامہ مجکو گذشتہ میل میں ملا جس سے انوری کی علالت کا حال معلوم ہوا خدا میری پیاری بہن کو شفا دے۔ جس وقت سے آپ کا خط ملا ہے برابر انوری میں دل لگا رہتا ہے۔ طبیعت پر ہر وقت ایک پریشانی چھائی رہتی ہے مہربانی کر کے جلد خط کا جواب لکھیے اور انوری کی مفصل کیفیت لکھیگا۔ احمد علی کا خط انگریزی میں لکھا ہوا ملا ماشاءاللہ اسنے بہت ترقی کی ہے۔ انشاءاللہ دوسرے ہفتے میں اسکا جواب لکھونگا۔ انوری کو میری طرف سے بہت پیار کہیے گا۔ اور کہیے گا کہ میں انکے واسطے آیندہ میل میں کئی انگریزی کتابیں اور ایک سلائی کا بکس ہاتھی دانت کا بنا ہوا بھیجتا

ہوں یقین ہے کہ اُن کو بہت پسند آئیگا فقط آپکا چاہنے والا بیٹا۔

امیر علی"

ماں نے خط پڑھکر احمدی کو دیا اور کہا کہ چلو بیٹا انوری کو بھی بھائی کا خط سُنا آؤ میں بھی آتی ہوں۔

احمدی خط لے کر بہن کے کمرے میں گئی پیچھے سے ماں بھی بعض امورخانہ داری سے فارغ ہوکر پہونچیں تو انوری کو روتا پایا جمیلہ بیگم بیٹی کو روتا دیکھکر پریشان ہوگئیں۔ بیٹی کو چھاتی سے لگاکر آنسو پونچھے اور پوچھا کیوں بیٹا کیا سبب ہے جو تم روتی ہو اُسنے کہا کچھ نہیں کچھ نہیں۔ اماں جان یونہی دل بھر آیا اُپ معلوم نہیں میں بھائی جان کو دیکھونگی یا نہیں کاش کہ وہ آجاتے اور میں دیکھ لیتی خدا اونکو خیر وعافیت سے لائے اور سب سے ملائے مگر افسوس یہی ہے کہ میں اُن کو نہ دیکھونگی۔ اب میرا بخار بہت پُرانا ہوگیا ہے۔

یہ باتیں سُنکر احمدی جو آنسوؤں کو ابتک ضبط کئے ہونٹوں کو دانتوں کے نیچے دبائے اپنی دونوں کہنیوں تک ٹھنڈے ہاتھونکو دونو گھٹنوں کے بیچ میں رکھے ہوئے کرسی پر بیٹھی تھی بے اختیار ہوکر زار وقطار رونے لگی۔

انوری نے کہا بہن خدا کے واسطے تم میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ مجھے دیکھ دیکھ کر ناحق کڑھتی ہو۔ ماں نے بھی اشارہ کیا۔

احمدی کمرے میں جاکر پلنگ پر منہ لپیٹ کر پڑ رہی۔ اور اتنا روئی

کہ تکیہ بھیگ گیا۔ یہ اس طرح لیٹی ہوئی تھی۔ کہ اسکی انّا ظہورن نے آنکر شانہ ہلایا۔ اور کہا۔

بی بی اُٹھو سرکار کھانا کھانے کو بلاتے ہیں۔ کھانا میز پر آگیا ہے۔ سب لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اپنا منہ تو آئینہ میں دیکھئے۔ رونے سے بالکل لال ہوگیا ہے۔ آنکھیں سوجھ گئیں ہیں۔ بھلا آپ سمجھدار ہوکر جب ایسا کرتی ہیں۔ تو دوسرے کیا کرینگے۔ آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی ماں کو سمجھائیں۔ نہ کہ آپ خود منہ لپیٹ کر روئیں۔ چلئے بس اب اُٹھکر منہ دھوئیے۔ اور کھانا کھانے کو چلئے۔

احمدی بیگم بیچاری اپنے دل پر جبر کرکے اوٹھی اور منہ ہاتھ دھوکر اپنے چہرے کو جہانتک ممکن تھا خوش بناکر چلی۔ کھانے کے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور جلدی سب کھانوں سے اپنی رکابی بھر لی۔ تاکہ کوئی نہ کہے۔ کھاؤ۔ کچھ نہیں کھایا۔ یا تمہارے سامنے کچھ نہیں ہے جس سے علی نقی خاں کی توجہ اُن کی طرف نہ ہوجائے۔ اور اُسکو کچھ نہ کھاتا دیکھکر رنجیدہ ہوں۔ اور تاکید کریں۔ گو ہرچند یہ چاہتی تھی۔ کہ کھانے لیکن نوالہ حلق سے نیچے نہ اُترتا تھا۔ بلکہ جب منہ میں کچھ بھی روٹی یا گوشت کھانے کی نیت سے رکھتی تھی۔ تو آنسو اور بھی زور و شور سے آنکھوں میں بھر آتے تھے۔ اور اسقدر منہ خشک ہوجاتا تھا۔ کہ آخر بیچاری اُسے چمچہ میں اُگلکر رکابی کے کونے میں رکھ دیتی تھی۔ اور گھڑیاں گنتی تھی۔ کہ کسیطرح ابّاجان اُٹھیں اور اماں آٹھیں۔

تو میں بھی اٹھوں ۔ اگر اتفاقاً راحت بیگم کی جو بہت ہی اور اس منہ بنائے آنکھیں چڑھائے ۔ کھانے میں مشغول تھیں ۔ آنکھ بچاری غمزدہ احمدی پر جا پڑی ۔ جس وقت کہ وہ چپکے سے منہہ کا نوالہ پیچھے میں سے لے کر رکابی کے کونے میں رکھنے کا قصد کر رہی تھی ۔ تو او بھی آفت نازل ہو جاتی اور دیر تک نصیحتوں کے اوسے بچاری احمدی پر برستے رہتے ۔

وہ دیکھتے ہی کہنے لگتیں کیوں احمدی یہ کیا بات ہے ۔ تم سب کے سامنے منہہ سے رکابی میں تھوکتی ہو ۔ انگریزوں کے یہاں یہ بڑی معیوب بات گنی جاتی ہے ۔ کبھی کسی نیک لیڈی کو تم ایسی حرکت کرتے نہیں پاؤگی ۔ ہمارے یہاں بچپن سے بچوں کی تعریفیں کر کر ایسا بگاڑ دیتے ہیں کہ انکی نگاہوں میں کسی کی حقیقت ہی نہیں رہتی ہے جہاں کوئی بچہ بھی نیک مزاج یا ذہین پڑھنے کا شوقین معلوم ہوا اسکی تعریفیں ماں باپ نے شروع کردیں ۔ بس اسی سے بچے شریر ہو جاتے ہیں ۔ اور کسی کی حقیقت بھی نہیں سمجھتے ۔ انگریزوں کے یہاں بچوں کی کبھی کوئی بچپن میں تعریف نہیں کرتا ۔ بچے بچوں کی طرح پر رکھے جاتے ہیں ۔ الگ کھانا کھاتے ہیں ۔ الگ الگ سوتے ہیں ۔ بڑوں کا کہنا مانتے ہیں ۔ مس ایس ڈیوس کی لڑکیوں کو دیکھا ۔ کیسی اچھی ہیں ۔ دیکھکر دل خوش ہوتا ہے ۔ کسقدر پڑھی لکھی قابل ہیں ۔ تمام دن کچھ نہ کچھ کئے جاتی ہیں ۔

ایک ہمارے ہاں کی لڑکیاں ہیں۔ سوا کاہلی اور لیٹے رہنے کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں کبھی بچپن میں اپنے ہاں کی لڑکیوں کی سی نہ تھی۔ تمام دن کام کرتی تھی۔ ہمیشہ چاروں کپڑوں سے درست بال ٹھیک بنا کر رکھتی تھی۔ برا مت مانو میں تمکو نہیں کہتی ہوں۔ احمدی نے اس بک بک کا ایک بھی جواب نہ دیا۔ جس طرح سر جھکائے بیٹھی تھی ویسی بیٹھی رہی۔

علی نقی خاں آخر تنگ ہو کر دبی زبان سے کہنے لگے شاید اسکے نوالے میں کوئی ہڈی کا ریزہ آگیا ہوگا۔ اسلئے تھوک دیا۔

بہنوئی کی زبان سے اتنی بات سنکر راحت بیگم نے بھی اپنے اشہب لسان کی لگام روک دی۔ خاموش ہوگئی۔

اتنے میں کھانا ختم ہوا۔ اور میز پر سے کھانا نوکروں نے اٹھالیا۔ سب لوگ ادھر اُدھر ہوگئے۔

بیگم صاحبہ اور راحت بیگم بیمار کے کمرے میں چلی گئیں۔ اور کاظمی بیگم اور نرگس کو کھانا کھانے کے لئے بھیج دیا۔ احمدی بیگم اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور پلنگ پر لیٹ کر اپنے دل کو ہر طرح تشفی دیتی رہی۔ اور یہ خیال کرنے لگیں۔

کہ انشاء اللہ انوری اچھی ہو جائے گی۔ یہی وقت دعا کرنے کا ہے میں اسوقت سے کپڑے اوتار کر دوسرے پاکیزہ کپڑے پہنکر نماز کیلئے تیار ہو رہتی ہوں۔ جبتک نماز کا وقت بھی آجائے گا۔ یہ سوچ احمدی

اُٹھی اور کپڑے وغیرہ بدلکر وضو کرنے لگی۔ مگر اسکی آنکھ بیمار کے کمرے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ ذری سی آواز سے دل دھڑک ہو جاتا تھا۔ منہ خشک ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ جب کوئی آتا تھا تو چپکے سے اُسکا چہرہ دیکھکر رہجاتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ پوچھے مزاج کیسا ہے مگر اسی ڈر سے کہ معلوم نہیں کیا جواب ملے۔ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکلتا تھا۔ آخر بیچاری بہزار خرابی نماز پڑھنے کھڑی ہوئی۔ ظہر کی نماز پڑھی۔ دعا مانگی۔ اور پھر عصر کی نماز پڑھی۔ اور یہ دعا بارگاہ الٰہی سے مانگنے لگی۔

یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا ربّاہ یا ربّاہ یا سیداہ یا خالق یا غفور الرحیم یا شافی یا کافی تو مجھ گنہگار بندی پر رحم کر خدایا اس جانکاہ غم وصدمہ سے میرے پیارے والدین کے دل کو بچالے یا اللہ مجھ گنہگار کی دعا سن لے۔ تونے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا ہے (وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ) یا پروردگار کریم اپنے اس وعدے کو پورا کر اور میری التجا سن لے یا اللہ میری پیاری بہن کی جان بچادے۔ اسکی بیماری کو دور کردے اُسکی بلا کو دفع کردے یا خداوند کریم اُسپر اور ہم سب پر رحم کر۔ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ دعا کرکے احمدی نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ اُسکا پیارا نازک چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ مگر وہ پہلے کی سی پریشان اور اُوداس نہیں معلوم

ہوئی تھی۔ کہ جسکے سبب اُس سے (جب سے انوری بیمار پڑی تھی) کچھ کام کاج ہوتا تھا۔ اگر کوئی کتاب لے کر بیٹھتی تھی تو ایک حرف تک سمجھ میں نہیں آتا۔ اکیلے کونے کونے چھپتی پھرتی تھی ہر کسی کی آواز اُسے ناگوار گذرتی تھی۔ اور ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا تھا۔ کہ دیکھیے یہ کیا کہتا ہے۔ وہ کیا کہتا ہے۔ نماز بھی پڑھتی تھی جب بھی کان کھڑے رہتے تھے۔ کہ اب کیا ہوا۔ جب کیا ہوا۔ آج اس نے اپنے دل کو مضبوط کر کے بکمال خضوع و خشوع دعا مانگی تو اُس کے دل کو ایک قسم کی ڈھارس ہوئی۔ اور قرآن لیکر پڑھنے بیٹھی۔

باب سوم

عالی شان مکان کے برآمدے میں جمیلہ بیگم علی نقی خاں کی بی بی ایک کرسی پر بیٹھیں رو رہی تھیں۔ اور احمدی برآمدے کے ستون میں دونوں ہاتھ ڈالے منہ ستون کی طرف کئے رو رہی تھیں اور راحت بیگم جمیلہ بیگم کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھیں رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔ آپا آپ کیوں روتی ہیں۔ میں تو ابھی انوری کے کمرے سے آتی ہوں۔ اسکے تو ہاتھ پاؤں کچھ بھی ٹھنڈے نہیں ہیں۔ میرے سامنے نرس سے پانی مانگا تھا۔ یہ بھی آپکا خفقان ہے۔

چلئے میرے ساتھ اسکے پاس ذرا بیٹھکر دیکھئے۔
جمیلہ بیگم نہیں نہیں میں نہیں جاؤنگی مجھ سے اسکی حالت نہیں دیکھی جاتی۔ نہ معلوم کیا منظور الٰہی ہے۔ جو خدا دکھائے وہ بندہ دیکھے دیکھیں تقدیر اور کیا دکھاتی ہے۔
راحت بیگم۔ بہن خدا کے لئے چلئے وہیں چار گھڑی بیٹھئے آپکا ہرج کیا ہے۔ احمدی تم وہاں کیا کر رہی ہو۔ تم بھی چلکر بہن کے پاس بیٹھو۔

راحت بیگم یہ کہکر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جمیلہ بیگم اور احمدی کا ہاتھ پکڑکر بیمار کے کمرے میں چلی گئیں۔
ماں کو دیکھکر بیمار بیٹی نے آنکھیں کھول دیں۔ اور کہا واہ اماں جان آپ تو میرے پاس بیٹھتی ہی نہیں۔ میں آپ کے دیکھنے کو ترستی ہوں۔ آپ غیروں کے پاس بیٹھی رہتی ہیں۔
نرس نے کہا ہاں بیگم صاحبہ آپ ہمارا بیگم کے پاس نہیں آتا۔ ہمارا بیگم بہت اچھا ہے۔ دیکھو ابھی کیسا دوا پی جائے گا۔ یہ کہکر نرس دوا لائی۔ انوری نے چپکے سے دوا پی لی۔ نرس نے گھڑی دیکھکر کہا ابھی آدھ گھنٹے کے بعد آپ سوپ پینا کا ہے۔
انوری نے کہا نرس میں سوپ تو اب نہیں پیونگی۔ میرا پیٹ تو تم نے دوا سے بھر دیا سوائے اُس سوپ کے نام سے تو اب مجھے قے آتی ہے۔

راحت بیگم نے کہا بچپن سے زبان کا مزا بچوں کو ہونا ہی تو خرابی کرتا ہے سوپ میں برائی کیا ہے۔ آنکھ بند کرکے پی لینا کوئی تمکو خوشی سے توسوپ پلاتا نہیں۔ مجبوری کی بات ہے۔ اس ضدن سے تو تمہاری بیماری بڑھکر آسمان کو لگا دی ہے۔

یہ باتیں ہورہی تھیں۔ کہ اتنے میں ماما رحمت نے آن کر کہا بیگم صاحبہ حیدری بیگم صاحب آئی ہیں۔ آپ کو بلاتی ہیں۔ انوری نے کہا پھپھی جان کو یہیں بلالاؤ۔

ماما نے کہا بی بی وہ کہتی ہیں۔ مجھے ایک خاص بارے میں کچھ بیگم صاحب سے کہنا ہے۔ ان کو بلالاؤ۔ پھر آؤں گی۔

جمیلہ بیگم اور راحت بیگم اپنے کمرے میں گئیں۔ حیدری بیگم نے سلام کیا۔ پھر مزاج پوچھا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں چھڑیں۔

حیدری بیگم بھابی میں آپ سے ایک بات کہتی ہوں۔ میرے نزدیک تو اسمیں کوئی عیب نہیں ہے۔ دیکھئے یہ تعویذ مولوی ضامن حسن نے مجھے دیا تھا۔ جب میری کاظمی بیمار تھی۔ اسکے باندھتے ہی آج کچھ کل کچھ اسکا مزاج سنبھل گیا۔ آپ انوری کے بازو پر باندھ دیجئے یا سرہانے رکھدیجئے۔ اپنی مغلانی کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگیں۔

کیوں مغلانی بی تمکو بھی یاد ہوگا۔ میری کاظمی کے دشمنوں کی کتنی بری حالت تھی۔ جب میں نے مولوی صاحب کو بلاکر حال کہا۔ تو

انہوں نے یہ تعویذ دیا۔

مغلانی جی ہاں بیگم صاحب مجھے خوب یاد ہے۔ تین برس کی تو بات ہے۔ دشمنوں کی طبیعت ماندہ ہو گئی تھی۔ خدا کے یہاں سے پھریں۔ میں تو رات دن دعائیں مانگا کرتی تھی۔ خدا اُن کو صحت دے۔ مجلس کروں گی درگاہ پر چاندی کا چراغ چڑھاؤں گی۔ سو خدا کے صدقے سے وہ دن دیکھا۔ اُسکی قدرت کے قربان مجلس تو میں کر چکی۔ چاندی کا چراغ چڑھانا باقی ہے۔ انشاء اللہ اب کی تنخواہ بٹے تو چڑھاؤں۔ پھر جمیلہ بیگم کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی بیگم صاحب امیر آدمیوں کے بیچ میں زبان ہلاتے جی ڈرتا ہے۔ مگر کیا کروں بیگم صاحب دل نہیں مانتا۔ یہ حال دیکھکر چپ نہیں رہا جاتا۔ میں نے اپنے داماد سے کہا تھا۔ وہ کل جا کر فال کھلوا لایا۔ اس میں نکلا ہے یہ کوئی دو مہینے ہوئے ہیں۔ انوری بیگم زرد دوپٹہ اوڑھ کر باغ میں انار کے درخت کے نیچے کھڑی تھیں۔ اُن پر کھیراج پری کا سایہ ہو گیا۔ اِسکے پانوں اگر دودھ میں دُھلائے جائیں اور وہ دودھ کسی غریب غربا کی لڑکی کو پلایا جائے اور ایک بکرا اُن پر سے صدقہ کیا جائے۔ اور جتنی اُن کی عمر ہے اُس گنتی سے دو برابر روپے صدقہ کئے جائیں۔ تو اُن کے اوپر سے سایہ اُتر جائے گا۔ پرسوں ہمارے یہاں کی ماما کلثوم بی بھی فال کھلا لائی تھی۔ اُس نے بھی یہی کہا تھا۔ کہ انوری بیگم کے اوپر سایہ ہے۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ بی بی

ایک روز تھا کہ برآمدے میں بیٹھیں بالائی اور دودھ کھارہی تھیں چھپکلی دیوار میں لگی تھی نظر ہو گئی۔ اس کمبخت کی نظر بڑی ڈھیٹ ہوتی ہے۔ اور سفید چیز پر تو آناً فاناً اثر کرتی ہے۔ بی بی کو دکھا کر ایک پیالہ دودھ کے بیٹے کو پلا دیجئے۔ اور ایک پیالہ جمعرات کے روز چوراہے پر رکھوا دیجئے۔

ماما رحمت ہو مغلانی بی آپ سچی بولے۔ اسکی نظر ایسی ہی ہوتی ہے۔ کچھ بولو ست چٹ سے نئے لگ جاتی ہے اور دے پرسوں اپنے چھوٹی بیگم دہی کی کڑہی کھارہے تھے۔ اتنے میں ایک جام والی آئی۔ مین بولی آو بی بی زرد چیز کسی کے سامنے نا کھانا آپ زرا سرے میں ہو جاؤ۔ بکو مت بولکر ہو میرے کو جھٹکا دیئے۔

ماما حسین بی - ہو وہ تو بات برابر ہے۔ زرد چیز کو بہت جلدی نظر لگتی ہے۔ آدمی کی ہو یا جنور کی ہو۔ اُسے کھلے سر شام کے وقت باغ میں پڑھ لیتے بیٹھے تھے۔ میں بولی بی بی آپ ویسا نا بیٹھنا شام کا وقت کونسی سے آتی کونسی شے جاتی۔ پھر وہ نا ہو کو آن بیا ہی بیٹھی شام کا وقت ویسا اچھا ہی۔ تو الٹا میرے کو دھمکا دیئے تمہارے کو کیا جب بیٹھو۔ یہ سب واہیات باتاں۔ میں اپنے میں آپ ہی اونٹ کر رہگئی۔ اب بڑے آدمیونکو کیا بول نا۔ یہ ماما لونڈی باتاں اسکو ہکالو بولنے لگے ہور کیا۔

وزیر بی - تم کچھ بھی بولو ماں ہماری بی بی کا مزاج بہت اچھا۔ اسدن

میری چھوکری رو رہی تھی کیوں روتی روشن بی کیوں روتی ہو بولے۔ اسکو جلدی الماری کھول چار بسکٹ اور مٹھائی کیبی بھر کو دینے۔ پرسوں عید کو انکو کپڑے آپ ہی سیکو پہنائے۔ تمام سانچہ مصالحہ ٹا کے باپ بچارے بہت اچھے۔ کچھ ہوں۔ ایسی بی بی دنیا میں نہیں ملنے کے۔ خدا انکو اچھا کرو۔

سیر یورپ

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

بدھ - ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء صبح کے دس بجے کے قریب سر کرزن وائلی آئے مجھ سے بھی ملاقات ہوئی - اردو خوب بولتے ہیں - کیوں نہ ہو پینتیس سال ہندوستان میں رہے اور اس کا بیشتر حصہ لکھنؤ میں گزرا - اُن سے ہز مجسٹی کے حضور میں حاضر ہونے کے متعلق ہم نے ہدایات حاصل کیں - ہم نے پوچھا سلام کا کیا طریق مناسب ہوگا اُنہوں نے کہا آپ اپنے ملک کے رواج کے مطابق سلام کیجئے - لباس بھی ہندی پہن کر جانا ہوگا - مجھے اِس سے بہت خوشی ہوئی -

کونٹ گارڈن کی مشہور تماشا گاہ میں اِن دنوں میں ایک خاص تماشا (گالا پرفارمنس) ہونے کو ہے - جو ملک معظم کے حکم سے ہوگا اور اسمیں وہ مع اپنے مہمان پریسیڈنٹ ریاست جمہوری فرانس کے تشریف لائیں گے - اِس تماشے کا ذکر چلا - ہم نے بھی اسکے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا - کیونکہ ایسا موقعہ نایاب ہے - کہ تمام امرائے انگلستان کا مجمع ہوگا اور بہترین صاحبانِ فن اپنے کمال دکھائینگے -

مشہور ماہرانِ موسیقی میں ملبا - فرطاز مین - زینا ٹیلو - کاروسو

وغیرہ موجود ہونگے۔ کچھ ہندوستان کی موجودہ شورش کا بھی ذکر ہوتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ سب لوگ یہاں اندر ہی اندر اِن واقعات سے جو حال میں ہندوستان میں پیش آئے ہیں۔ بہت متاثر ہیں۔ اور گھبرا رہے ہیں کہ خدا جانے یہ بلا کہاں تک پہنچکر تھمے گی۔ مگر پھر بھی قوم انگریز کی استقلال اور سنجیدگی کو آفریں ہے۔ بظاہر بہر صورت اِن کے چہروں پر کسی قسم کا اثر نمایاں نہیں۔ اگر فرنچ لوگوں کو ایسا موقعہ پیش آتا تو آفت بپا ہو جاتی اور وہ مارے گھبراہٹ کے پریشان ہو جاتے۔ مختلف قسم کی گفتگوؤں کے بعد کوئی آدھ گھنٹہ بیٹھ کر سر کرزن وائلی رخصت ہوئے۔

دو پہر کے قریب عطیہ بہن لیلا کو لے آئے اور ہم سب ملکر ایک ناٹک دیکھنے گئے جس کا آجکل یہاں بہت چرچا ہے۔ بہت ہی ظریفانہ کھیل تھا۔ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ حضور بھی بہت محظوظ ہوئے۔ دو بجے سے چھ بجے تک کھیل تھا۔ مگر چونکہ ہمیں ایک اور کام تھا۔ اس لئے ابھی ایک باب باقی تھا کہ ہم چلے گئے۔

ڈاکٹر انصاری جو ازہر بھائی کے دوست ہیں اور بہت لایق آدمی ہیں ہمیں ملنے آئے۔ اور بہت دیر تک اُن سے باتیں ہوتی رہیں۔ آپ اصل میں لکھنو کے رہنے والے ہیں یہ یہاں انہیں ہز ہائینس نظام دکن کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے۔ سب امتحان پاس کر چکے ہیں اور یہیں لندن میں انہیں ایک کام مل گیا ہے۔

جہاں انہیں ہیں پونڈ یعنی تین سو روپیہ ماہوار ملتے ہیں۔ اقبال کی شاعری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اقبال ایک دفعہ آئے تھے۔ مگر اُس وقت حضور تشریف نہیں رکھتے تھے۔ حضور کو اُن سے ملنے کا شوق ہے۔ مگر وہ پھر نہیں آئے۔

ڈاکٹر انصاری کو ابھی دو سال اور یہاں گذارنے ہیں۔ سات سال سے وہ یہاں ہیں۔ اُن کے بڑے بھائی حضور نظام کے ایڈیکانگ ہیں۔ اور اسی اثر سے ڈاکٹر انصاری صاحب کو پانچ سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ ملتا ہے۔

جمعرات ۔۱۲ مئی گیارہ بجے لیڈی واٹلی سے ملنے گئے۔ پہلے سے ملاقات مقرر تھی۔ وہاں جاکر دیکھا تو لیڈی صاحبہ کو منتظر پایا اور مقام کو بندی اسٹیارست سجار کھا ہے۔ معلوم ہوا کہ سرکرزن واٹلی نے اُس دن کی گفتگو کی وجہ سے کونٹ گارڈن کے تماشے کے لئے ہم چاروں کے واسطے چالیس گنی یعنی چھ سو تیس روپے کے ٹکٹ محفوظ رکھنے کو لکھدیا تھا۔ گو تماشا عجیب تھا۔ مگر اتنی رقم ایک تھوڑی دیر کے تماشے پر صرف کرنا گوارا نہ ہوا۔ میں نے لیڈی واٹلی سے کہا کہ یہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے کیا ہم ان ٹکٹوں کے لینے سے معذوری ظاہر کرسکتے ہیں۔

اُنھوں نے کہا بالکل آپ کی مرضی پر ہے۔ آپ نہ لیں تو کچھ مضایقہ نہیں۔ ناحق پیسہ پھینکنے سے کیا حاصل۔ گو تماشا قابل دید

ہوگا۔ سارا مکان گلاب کے پھولوں سے سجایا جائے گا صرف پھولوں کی قیمت پندرہ سو پونڈ یعنی بائیس ہزار پانچسو روپیہ ہوگی تاہم آخر دو گھڑی کی تفریح ہے۔

وہاں سے نکلکر عطیہ میں اور بھائی رائل اکاڈمی کی تصاویر دیکھنے گئے۔ نہایت لاجواب تصویروں کا مجموعہ ہے۔ ایک بڑی تصویر تھی جس میں تمام بڑے بڑے نقاش بیٹھے ہیں۔ چہرے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ بیتے ہیں اور اب بولے کہ بولے۔ پروفیسر ہرکومر کی دستکاری کا نمونہ ہے۔ اسکے گرد ٹھٹھ کے ٹھٹھ لوگوں کے جمع تھے۔ شہزادی پٹریشیا کی تصویر نہایت عمدہ تھی۔ ایک بچہ کی تصویر نہایت پیاری تھی۔ بچہ تھا کہ جگر کا ٹکڑا۔ ان کے علاوہ پھولوں کے باغات کی اور شکار کی تصویریں غضب کی تھیں۔

گھر آئے تو ازبر بھائی آیا ہوا تھا۔ سوا بارہ بجے سے ہمارا منتظر تھا۔ یہ غنیمت ہوا کہ حضور گھر پر تھے اور لنچ دونوں نے مل کے کھایا۔ افسوس کہ وہ ابھی اپنے امتحان سے فارغ نہیں۔ ورنہ اسے باقی سفر میں ہم ساتھ لے لیتے۔ رات کے کھانے کے لئے تفریحاً ہم سب فراس کاٹی کے مشہور رسٹوران میں گئے۔ سارا مکان آتشی پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ اور کھانے کے وقت بینڈ برابر بج رہا تھا۔ جماؤ بھی خوب تھا۔ آج حضور کی ملاقات وزیر ہند لارڈ مارلے سے ہوئی اور وہ اُن کے خلق سے بہت خوش ہوئے۔

جمعہ ۲۲ مئی ۔ آج چونکہ ملاقات شاہی کو جانے کا دن ہے۔ اس لئے دن بھر اُسی کا اہتمام رہا ۔حضور کے کپڑے نکالے۔ بھائی کے کپڑے نکالے ۔ اپنا سامان درست کیا ۔عطیہ بہن کئی ضروری چیزیں خریدنے صبح سے گئی ہوئی ہے ۔ اُسکی معیت سے مجھے بہت ہی مدد ملی ۔ اِسکے بغیر میں یہاں کے سفر کے ناقابل تھی ۔ مجھسے یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب انتظام وہی کرتی ہے ۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے میرا چہرہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کسی بیمار کا ۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ صحت سب کی اچھی ہے ۔

سنتی ہوں آج کورٹ میں مہاراجہ کوچ بہار بھی جائینگے ۔ معلوم نہیں اُن کی لڑکیاں بھی جائینگی یا نہیں ۔

ساڑھے چار بجے کے قریب لیڈی آلیوانٹ آئیں اور خوب دیر تک بیٹھیں ۔ ہمارے قریب اُنھوں نے مکان لیا ہے ۔ کہتی تھیں وہاں ملنے آئیے ۔ کبھی روز جائیں گے ۔ شام کا کھانا کھا کر کورٹ کے لئے لباس پہننا شروع کیا ۔حضور نے کاہی کے رنگ کا عمامہ باندھا ۔ اور شال کا انگرکھا ۔ اس پر جی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای کا تارا اور سفید فیتہ بہت خوشنما معلوم ہوتا تھا ۔ بھائی نے کالے ریشم کا انگرکھا ۔ پلش کا چوغہ پہنا اور عمامہ باندھا ۔ عطیہ بہن نے گلکار کمخواب اور راستا نبولی اوڑھنی پہنے ہوئے تھی ۔ میں نے کمخواب کا لہنگا اور گلابی جوڑے کی اوڑھنی ۔ موٹر میں سوار ہو کر ہم محل شاہی کی طرف روانہ

ہوئے۔ اور ٹھیک دس بجے وہاں پہنچے۔ سیڑھی پر ایک بڑے میاں بہت سے تمغے اور نشان لگائے اور سنہری وردی پہنے استقبال کو کھڑے تھے۔ وہ بہت عالیشان اور آراستہ کمروں میں پھراتے ہوئے لیچلے۔ چمکتے ہوئے فرش پر سے پاؤں پھسلا جاتا تھا۔ ان بزرگوار سے ہمارا تعارف مسٹر کرزن وائلی نے کرایا۔ معلوم ہوا کہ یہ سرجان ٹلیڈ ہیں۔ اور انکے سپرد یہ خدمت ہے کہ دربار میں حاضر ہونے والوں کو علیٰ قدر مراتب بٹھائیں۔

انہوں نے ہمیں تصویر خانے میں لیجا بٹھایا۔

یہ ایک نہایت لمبا کمرہ ہے۔ جسکے دونو طرف عمدہ تصویریں لٹکی ہوئی ہیں۔ روشنی کا ایسا انتظام ہے کہ دن ہو یا رات تصویروں کے دیکھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے کوچ کرسیاں رکھی ہیں۔ یہاں کا فرنیچر آتشی اور سنہری ہے۔ ہمارے سامنے کے کوچ پر نیپال کے مہاراجہ جو اندنوں یہاں ہیں بیٹھے تھے۔ انکے ساتھ ان کے پانچ چھ جوان جوان لڑکے تھے۔ صورتیں منگولین نمونے کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور قد میانہ سے بھی کم۔ مہاراجہ صاحب جو خود مہاراجہ کا خطاب رکھتے ہیں اور ویسے نیپال کے وزیر اعظم ہیں۔ ظاہری شان تو بہت کچھ معلوم ہیں اور قد کے چھوٹے۔ سنا ہے کہ مسلمان ہیں اور واجد علی شاہ مرحوم کے خاندان میں سے ہیں۔ نہ معلوم کہاں تک درست ہے۔ ان کا لباس انگریزی قسم کی لال اور سنہری وردیاں تھیں۔ مگر انکے لباس کا جو حصہ عجیب تھا وہ ان کی ٹوپیاں تھیں۔ گول ٹوپیاں۔ جنکے اوپر بڑے بڑے موتی جڑے ہوئے تھے۔ نیچے بڑے بڑے زمرد کی جھالر۔ اوپر ایک بڑا یاقوت

کاگولا۔ اور اس گولے پر ایک نادر پرندہ جسے ہما سمجھنا چاہیئے۔ اسکی دم کوئی دو ڈھائی فٹ لمبی ہوا میں لہراتی تھی اور ٹوپی سے کوئی پاؤ گز الگ رہتی تھی۔ سر چھوٹے بڑے کے سر پر برابر یہی ٹوپیاں تھیں۔ کم از کم بیس بیس لاکھ کی ہوگی۔ بازوبند پر بھی زمرد ٹکے ہوئے تھے۔ کپڑا یا کوئی ایسی چیز جس پر جواہرات نہ لگے ہوئے تھے نظر ہی نہیں آتا تھا۔

مہاراجہ کوچ بہار۔ اُن کا لڑکا اور پرنسس سکرپتی بھی آئے۔ اور ہم سے علیک سلیک ہوئی۔ مہاراجہ صاحب نے سفید ریشم کی شروانی پہنی تھی۔ اور سفید ہی عمامہ۔ گلے پر بہت سے الماس اور دیگر جواہرات چمک رہے تھے۔ گو یہ آرایش زنانہ تھی۔ مگر اس وقت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکے نے ہندوستان کی کیڈٹ کور[1] کا خوشنما لباس پہنا ہوا تھا۔ لڑکی کا لباس ہمیں پسند نہ ہوا۔ انگریزی لباس تھا اور وہ بھی کچھ بہت بڑھیا نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں تمام کمرہ سرخ و سیاہ اور سنہری وردیوں والے افسروں اور عہدہ داروں سے بھر گیا۔ ہم آدھ گھنٹے تک یہ تماشا دیکھا کئے۔ ساڑھے دس بجے دو دروازے کھلے۔ سب سے پہلے مہاراجہ صاحب وزیر نیپال کو بار ملا۔ کوئی پانچ منٹ کے قریب اُن سے ملاقات ہوئی

---

[1] وہ فوج جس میں ہندوستان کے راجاؤں نوابوں اور روساۓ عظام کی اولاد واسطے فوجی عہدوں کے واسطے لارڈ کرزن کے زمانے میں بھرتی ہونی شروع ہوئی۔

پھر کوچ بہار کی باری آئی اور اِسکے بعد ہماری۔ بھائی اور عطیہ بین دربار عام کے لیے دوسری طرف جا بیٹھے اور ہم اندر گئے حضور آگے بڑھے اور جھک کر آداب بجالائے۔ بادشاہ نے اُن سے ہاتھ ملایا۔ اور بادشاہ بیگم سے ملاقات کرائی۔ انھوں نے بھی ہاتھ ملایا۔ پھر میں نے سلام کیا پہلے بادشاہ نے پھر بادشاہ بیگم نے مجھسے ہاتھ ملایا۔ بادشاہ سلامت مجھسے گفتگو فرمانے لگے اور ملکہ معظمہ حضور سے۔ سر کرزن بطور ترجمان تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ بیگم صاحبہ اچھی طرح انگریزی بول سکتی ہیں۔ بادشاہ سلامت نے کہا۔ " او ہو یہ تو بہت اچھی بات ہے"۔ مینے عرض کیا " ہاں کام چلا لیتی ہوں"۔ بادشاہ سلامت نے پوچھا کہ " لندن کیسا پسند آیا اور ہوا کیسی ہے"۔ مینے کہا کہ ہوا تو میرے نزدیک قابلِ تعریف نہیں۔ مگر شہر عجیب ہے۔ کتنا عظیم الشان شہر ہے"۔ پوچھا کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے۔ مینے کہا دو تین ہفتے اور رہیں گے۔ اتنے میں ملکہ معظمہ بھی میری طرف مخاطب ہوئیں اور کہنے لگیں۔ آپ انگریزی خوب بولتی ہیں۔ ایسی ہی چند باتوں کے بعد ہم رخصت ہوئے۔ اُسی طرح سلام کیا اور ہاتھ ملایا اور اِس طرح لوٹے کہ اُن کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

اب ہم دربار میں آئے۔ راجگان کے لیے ایک ممتاز جگہ علیحدہ تھی۔ تخت شاہی والے چبوترہ کے دائیں طرف اڈیکانگ

سے نے وہیں حضور کو بیجا کر دوسرے راجگان کے برابر کھڑا کر دیا۔ بائیں جانب شہزادیاں تھیں۔ دائیں طرف راجگان کے قریب ہی شہزادہ ویلز۔ اور شہزادہ ٹیک۔ اتنے میں بادشاہ اور بادشاہ بیگم برآمد ہوئے۔ اسکے آتے ہی پہلے مختلف سلطنتوں کے سفیر پیش کئے گئے۔ سب سے پہلے جرمنی کا سفیر پیش ہوا۔ جو جو سفیر سلام کرتا جاتا تھا۔ اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہوتا جاتا تھا۔ ہر ایک کا نام پکارنا اور اسے بادشاہ اور بادشاہ بیگم کے حضور میں پیش کرنا لارڈ چمبرلین (عہدہ دار کا نام) کا کام تھا۔ پھر راجگان کو چبوترہ کے اوپر لے گئے۔ اور مجھے اور کوچ بہار کی شہزادی اور نیپال کی جماعت کے لوگوں کو دائیں طرف کے کوچ پر اپنی اپنی جگہ دکھادی گئی۔

سفیروں کے سلام کے بعد اُن کی بیگموں کا سلام ہوا۔ اب اس نظارہ کا تصور کیجئے۔ سب لوگ حضور میں کھڑے ہیں۔ لال اور سنہری وردیاں اور کالے لباس نہایت خوش رنگ وخوش وضع ہیں۔ تخت کے عین مقابل کوئی آٹھ سو بیبیاں تاجمائے کھڑی ہیں جنکو آج دربار میں پیش ہونا ہے۔ جب بادشاہ تخت پر بیٹھ گئے تو سب بیبیاں بیٹھ گئیں۔ یہ اسکے ساتھ گویا رعایت خاص تھی۔ ورنہ مرد سب برابر کھڑے رہے۔

سفیروں کی بیبیوں کے سلام کے بعد دوسری بیبیوں کے سلام کی نوبت آئی۔ سب سے پہلے شہزادی سوفی دلیپ سنگھ

آئیں ۔ اِسکے بعد ایک اور بی بی ۔ اور اس کے بعد عطیہ بہن ۔
یہ سلام کرتی جاتی تھیں اور ہم سے دوسری طرف کے کوچوں
پر جو بائیں طرف کو تھے بیٹھتی جاتی تھیں یہ جگہ بہت بڑی بیگمات
کے لئے ہے سب بی بیاں جو سلام کرنے کی اجازت پائیں
یہاں نہیں بیٹھ سکتیں ۔ میرے پاس ایک بیگم صاحبہ آن کے
بیٹھیں ۔ لیڈی لونڈز برو ۔ اُن سے سرجان سلیڈ نے میرا
تعارف کرا دیا ۔ وہ اپنی بیٹی کو سلام کرانے لائی تھیں ۔ میں اُن
سے مل کر بہت خوش ہوئی ۔ انگلستان کے اونچے گھرانوں
اور شرفا کی عورتیں سلیقہ اور خلق کا نمونہ ہوتی ہیں ۔ مجھسے جزیرہ کے
متعلق سوال کرتی رہیں ۔ میں نے بیبیوں کے قیمتی لباسوں کی
تعریف کی ۔ اِسکے جواب میں بولیں ۔ قیمتی ہیں ۔ مگر تمہارے
لباسوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ۔ اور نہ ہندوستان میں جو
دربار ہوتے ہیں اِنکے مقابلے میں ہیں ۔ دربار بہت شاندار ہے
وہ ازرہ اخلاق یہ باتیں کر رہی تھیں ۔ اور میں دل ہی دل میں
اِنکے لباس و آرائش کا خیال کر رہی تھی ۔ بہت قیمتی زیور پہنے
ہوئے تھیں ۔ جس میں نہایت خوش رنگ زمرد جڑے تھے ۔ اِسکے
علاوہ سفید گول بڑے بڑے موتی کمر تک لٹک رہے تھے ۔
کتنے زیوروں اور کس کس کے زیوروں کا حال لکھوں ۔ یہاں کے
دربار کے لباس میں لباس کی ٹرین ضروری ہے ۔ یعنے لباس

دور تک پیچھے لٹکتا ہوا رہے - اور تین پر سر پر - بی بیاں یکے بعد دیگرے ایک طرف سے داخل ہوتی تھیں جہاں انکی ٹرین سنبھالی جاتی تھی - اور وہ اپنے نام کا کارڈ دیتی تھیں - یہ کارڈ کئی عہدہ داروں کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا لارڈ چیمبرلین تک پہنچتا تھا وہ ان کا نام پکارتے تھے - اس پر ہر بی بی اپنی باری سے چلے بادشاہ اور پھر بادشاہ بیگم کو جھک کر سلام کرتی تھی اور دوسرے دروازے سے نکل جاتی تھی - وہاں کچھ افسر اس خدمت پر تعینات تھے - کہ ان بیبیوں کے لباس کی ٹرین سنبھال کر انکے ہاتھ پر ڈال دیں - بعض کی ٹرین کئی کئی گز کی ہوتی ہے - اس نظارے کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھک گئیں اور نظر خیرہ ہونے لگی - آٹھ سو بی بیوں کا اس طرح سامنے سے گذرنا اور ان کے رنگا رنگ لباس اور ان لباسوں کی ٹرینیں - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پانی کی ندی بہ رہی ہے اور لہریں مار رہی ہے - جس میں دم بدم طرح طرح کے رنگ نکلتے ہیں -

بادشاہ اور بادشاہ بیگم کو آفریں ہے کہ وہ ڈھائی گھنٹے تک خوش چہروں سے یکساں یہ نظارہ دیکھتے اور ہر ایک کا سلام جھک جھک کر لیتے رہے - کل کوئی تین چار ہزار آدمی کی بھیڑ بھاڑ تھی - مگر محل اتنا بڑا ہے کہ معلوم بھی نہیں ہوتے تھے - میں نے لیڈی لونڈ زبروسے کہا کہ بادشاہ اور بادشاہ بیگم کیلئے

اتنی دیر تک بیٹھے رہنا اور سب کے سلام ہنس ہنس کر لینا کس قدر تکلیف کی بات ہے
انہوں نے کہا ہاں مگر منصب شاہی کے فرائض میں داخل ہے۔ ملکہ تو
کبھی کبھی اس کی کوفت سے علیل بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر پھر بھی انہیں موجود ہونا
ہی پڑتا ہے۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ "چند دنوں میں میرے ہاں
ایک بال ہونے کو ہے۔ اسمیں شاید بادشاہ اور بادشاہ بیگم بھی آئیں۔ بہت بڑا
مجمع ہوگا۔ آپ آئیں گی؟" میں نے انکی اس دعوت کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ خوشی سے
آؤں گی جتنی دیر یہ بیبیاں پیش ہوتی رہیں گیلری میں نہایت عمدہ بینڈ بجتا رہا۔
جب سب کا سلام ہولیا۔ تو سر جان سلینڈ ہمیں کھانے کے کمرہ میں لے گئے
سپر یعنی شب کے کھانیکا اہتمام نہایت شاندار تھا۔ اور یہ ایک نئی رسم ہے جو ہمارے
بادشاہ اڈورڈ ہفتم نے نکالی ہے۔ پہلے کورٹ کے بعد سب لوگ تھک کر گھر
چلے جاتے تھے۔ چونکہ انہیں مہمانداری کا خاص طور پر خیال ہے۔ اسلئے
انہوں نے حکم دیا ہے کہ اس موقعہ پر کھانے کا بھی انتظام ہو۔ ہمنے صرف چاء
پی۔ کیونکہ اس وقت کھانیکی عادت نہ تھی۔ اور تازہ دم ہو کر پھر محفل کی رونق
اور خوبصورتی کا لطف اٹھانے لگے۔

دربار میں کوچوں کی پہلی قطار پر ڈچز آف وسٹمنسٹر بیٹھی تھیں۔ انکی
تصویریں میں نے بہت کثرت سے دیکھی تھیں اور انگریزی رسالوں میں
ان کا حال اکثر پڑھا تھا۔ اُن کے آتے ہی میں سمجھ گئی کہ یہ
ڈچز آف وسٹمنسٹر ہیں۔ اُن کا تھوڑا سا بیان ضروری ہے۔ چہرہ
بہت خوبصورت ہے۔ بدن نہایت سڈول۔ جیسے سانچے میں ڈھلا ہو

جس میں نزاکت بھی موجود مگر بھرا ہوا۔ میں خدا کی قدرت کاملہ کو دیکھکر محو حیرت تھی۔ زیور اور لباس اس قدر زیب دیتا تھا۔ کہ کیا کہوں۔ گلے پر ایک گلوبند تھا جس میں الماس کی بیل بنی پھول والی۔ گلوبند کے دائیں طرف سے الماس کی تین گا بھیر شانے پر لٹک رہی تھیں۔ سر پر الماس کی تاج نما ٹوپی۔ اور بال بھی ایسے بنے تھے کہ باید و شاید۔ جیسا حسن قدرت نے بخشا تھا ویسا ہی کمال صنعت نے اس کی رونق کو دوبالا کیا تھا۔ مجھے بہت مسرت ہوئی کہ میں نے انہیں دیکھا اور قریب سے دیکھا۔

ڈینر سے فارغ ہو کر سرجان کے ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ انہوں نے ہماری گاڑی ٹیلیفون کے ذریعہ سے بہت جلد بلوا دی۔ اور کوئی ایک بجے کے قریب ہم اپنے ہوٹل میں آئے۔ کچھ دیر وہاں کے مشاہدات پر گفتگو رہی اور پھر خدا کا شکر بجا لا کر کہ یہ بڑا کام بخیر و خوبی سے طے ہوا سو رہے۔

وہاں لوگ کہتے تھے کہ کسی مسلمان بیگم کا ایسے دربار میں شریک ہونے کا یہ پہلا ہی موقعہ تھا۔ معلوم نہیں یہ کہنا کہاں تک درست ہے

مسلمانان ہندوستان اور ٹرکی

معزز بیبیو! آپ ترکی اور بلگریا کے مفصل حالات اخباروں میں پڑھتی ہونگی کہ وہاں دستوری حکومت کا اعلان ہوتے ہی بعض ہمسایہ ریاستوں نے جو پہلے کم از کم برائے نام سلطان کی ماتحت تھیں خودسری شروع کر دی ہے۔ تاکہ ترکوں کو بیرونی جھگڑوں میں پھنسائے رکھیں اور اندرونی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونے دیں آسٹریا نے نہایت ناجائز طور پر نہ صرف دو ریاستوں کا اپنے ساتھ الحاق کر لیا ہے۔ بلکہ بلگریا کو بھی خودمختاری کے اعلان پر برانگیختہ کیا ہے۔ ترک اس شورش سے بہت پریشان ہیں۔ اس وجہ سے ٹرکی رعایا نے آسٹریا کی بنی ہوئی چیزیں خریدنی چھوڑ دی ہیں کہ آسٹریا کو مالی نقصان اٹھانا پڑے اور آسٹریا کی رعایا بھی محسوس کرے کہ زیادتی کا یہ نتیجہ ہے۔ ترکوں نے آسٹریا کی ٹوپی اُتار کر اپنے ملک کی بنی ہوئی سفید ٹوپیاں اوڑھ لی ہیں۔ اور عہد کیا ہے کہ جبتک سرخ ٹوپی اپنے ملک میں اچھی تیار نہ ہوں گی سفید ہی اوڑہیں گے۔ اسی طرح آسٹریا کی کل خریداری وہاں بند ہر سلطان المعظم ہمارے خلیفۃ المسلمین ہیں۔ جنکا نام ہمارے عبادت خانوں میں خدا اور پیغمبر صلعم کے نام کے بعد لیا جاتا ہے۔

لیسے مقتدائے دین شہنشاہ کا خیال کرکے ہم کو بھی اسٹریا کے مال سے بالکل پرہیز کرنا ضروری ہے۔

ٹرکی کا ہمارا رشتہ ایسا ہے کہ چاہے کتنے ہی دور رہوں قریب ہیں ہمکو ٹرکی کے اچھے بُرے حالات سے خاص دلچسپی ہونی چاہیئے مگر دیکھنے میں آتا ہے کہ سوائے یہ جاننے کے کہ سلطان روم ہمارے دینی پیشوا ہیں۔ لوگوں کو اور کوئی خاص ہمدردی نہیں۔ جسکا سبب یہ ہے کہ اخبار دیکھنے اور سننے کا شوق نہیں ہے۔ جو وہاں کے حال سے خبر ہو۔ لیکن پہلا زمانہ گیا۔ اب کا زمانہ اِسی امر کا مقتضی ہے کہ قومی اور مذہبی ہمدردی ایک دوسرے سے ہو۔ ہم قوم اور ہم مذہب جہاں کہیں ہوں ان کو ایسا ہی پاس سمجھے جیسے اپنے ساتھی۔ جو بہنیں ا خبار نہیں دیکھتی اُن کو چاہیئے کہ ایسے اخبار بھی دیکھیں جس میں اور ملکوں کے اور خاص کر ٹرکی کے حالات لکھے جاتے ہوں۔ خود پڑھیں اور اپنے عزیزوں کو سنائیں۔ ہمارے زنانہ اخبار اور رسالہ جبتک اس میں حصہ نہ لیں گے بیبیوں کو ملکی معاملات کی خبر نہ ہوگی مختصر اپنے اخبار اور رسالوں میں پڑھینگی تو مفصل کی تلاش مردانہ اخباروں میں ہوگی۔ جیسے کہ سلطان المعظم کی سالگرہ اور افتتاح حجاز ریلوے پر بڑے شہروں میں خوشیاں منائی گئی تھیں اسی طرح بیبیوں کی طرف سے بھی کوئی مجلس ہونی چاہیئے تھی۔ ہمارے اخبار اور رسالے اسطرف توجہ دلاتے۔

آسٹریا کے مال کے استعمال کرنے میں زیادہ تر ہمارا اور کم مردوں کا حصہ ہے۔ پس ہمیں خاص کوشش اس مال کو ردی کرنیکی واجب ہے۔ مردوں کے استعمال میں زیادہ تر ترکی ٹوپی ہے۔ اسلامی ملک میں اوڑھی جانیکے سبب ٹرکش ٹوپی اس ملک میں علیگڈھ سے پھیلی ہے۔ غالباً اب ملک کے ہر حصے میں اسکا رواج ہے بہت شہروں میں سوائے اسکے اور وضع کی ٹوپیاں بہت کم اوڑھی جاتی ہیں۔ مگر جہاں کہیں یہ کم پہنی جاتی ہیں وہاں بھی تلاش سے فی محلہ چار پانچ تو نکل ہی آئیں۔ ترکی ٹوپیاں مختلف شہروں سے بنکر آتی ہیں۔ ان سب میں آسٹریا کی ٹوپی زیادہ اچھی اور سستی ہوتی ہے اور اسی کی بکری بہت ہے آسٹریا کے علاوہ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی مراکش میں بھی بنتی ہیں۔ پس چاہیئے کہ وہاں کی بنی ہوئی خریدیں۔ اور ان پہلے دو ملکوں سے مراکش کو ترجیح دیں۔ علیگڈھ سے ہی یہ ٹوپیاں رائج ہوئی ہیں۔ علیگڈھ میں ہی انکی بکری بھی بہت ہوگی۔ وہاں کے معزز اہل کالج اور سب مسلمان آسٹریا کی ساختہ ٹوپی کو بالکل خریدنا چھوڑ دیں تو عین اسلامی ہمدردی ہوگی۔ اسکے سوا ہم جو روزمرہ کے برتنے کی چیزیں منگواتی ہیں ان میں بھی حتی الامکان خیال رکھنا چاہیئے۔ لانے والے سے کہدیں کہ آسٹریا کی بنی ہوئی نہ ہوں جن بیبیوں کے ہاں سوداگروں سے حساب ہے۔ انکو چاہیئے کہ مطلوبہ چیزیں سوداگر سے منگوائیں تو لکھدیں کہ آسٹریا کی ساخت کی نہ ہوں۔ ورنہ واپس کی جائیں گی۔ معمولی مال بیبیاں ہی مول لیتی ہیں۔ مثلاً لیمپ لالٹین کی چمنیاں۔ گلاس اور شیشے کے برتن۔ کاغذ۔ کپڑا۔ جرابیں وغیرہ۔ آجکل سوداگر

آسٹریا کی چینی بڑی تعریف سے دیتے ہیں۔ مگر اسکے مقابلہ میں دیسی زیادہ چلتی ہے۔ وہ لینی چاہیے۔

ہر چیز پر شہر کا نام ضرور ہوتا ہے۔ اسکو خود پڑھکر یا کسی سے پڑھوا کر لی جائے۔ یا انگلستان کی بنی ہوئی اشیا لیں کہ وہ ہمارے شہنشاہ ہونیکے سوا سلطان المعظم ٹرکی کے انگریز اور انگریزی اخبار حامی ہیں۔ اور کچھ دن میں یہ دونوں سلطنتیں آپس میں دوست ہو جائینگی۔ ورنہ سب سے بہتر ہے کہ اپنا دیسی مال خریدا جائے جس سے ملک کو بھی فائدہ ہو۔

مگر سوال یہ ہے کہ دیسی ضروری چیزیں ملتی کہاں ہیں اور ملیں بھی تو مہنگی۔ مہنگات سے زیادہ ہر جگہ ان کی تلاش بھی آسان نہیں۔ ہمارے بہت سے دیسی کپڑے برتن سجانے کی چیزیں۔ لکڑی کا سامان فرش وغیرہ یہ سب ایسا مال ہے کہ اسکی قدر بڑھانی چاہیے مگر بہت تو اسکے ہوتے سے بے خبر ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ ملتا ہی نہیں۔

اُمید ہے کہ ہماری اسلامی بہنیں اسٹریا کے مال کی خریداری سے نفرت کرینگی اور ٹرکی کا ساتھ دیں گی۔ جس کا ہمارا آخرت کا ساتھ ہے۔

سلطان

از

پشاور چھاونی

بیوقوف بیوی

بعض کوتہ اندیش مائیں محبت کے پردے میں لڑکیوں کے ساتھ پوری پوری عداوت کرتی ہیں! بیٹی کو پہلی نصیحت یہ ہوتی ہے کہ چاہے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جاے مگر اپنی بات کو ہمیشہ ورکھیو! میاں کو قابو میں لانے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ جبتک گھنٹوں خوشامد کرے جواب نہ دارو! اگر شروع ہی سے رعب جم گیا تو بس عمر بھر کے لئے بیڑا پار ہے اور رعب جمانے کا یہ آسان طریقہ ہے کہ اول تو بولیو ہی نہیں اور جو بولیو تو اسطرح جیسے کوئی کاٹ کھانیکو دوڑا۔

ان باتوں کا نتیجہ شاید انکے زمانہ میں بھولے بھالے مردوں سے سابقہ پڑنے پر اچھا ہو جاتا ہوگا۔ لیکن آجکل کے پکے چھنٹے مرد تو ایسی بیوی کے نام پر جھاڑو ہی ماردیں! چنانچہ میں اپنی ایک پیاری سہیلی کو ان ہی گنوں کے ہاتھوں سخت مصیبت میں دیکھ رہی ہوں! ہر چند اس کمبخت کو سمجھایا بوا! ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا کیوں گھر برباد کرتی ہے! مگر عقل کی دشمن ایسے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی کہ آخر اپنے تئیں غارت ہی کرکے چھوڑا۔ اب سر پر ہاتھ رکھکر روتی ہیں اور اُس وقت کو یاد کرکے روتی ہیں مگر اب پچتائے کیا ہوت ہے

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

بیاہ کے بعد آٹھ دس روز تک تو دونو میاں بیوی خاصے ہنسی خوشی رہے۔ مگر ماں کی محبت نے جوش کھایا تو آٹھوں پہر بیٹی کو روکنا شروع کیا کہ جس طرح ہو میاں کو دبا لے! یہ ہی وقت ہے نکلگیا تو پھر ہاتھ آنے والا نہیں! لڑکی بیوقوف بدنصیب کے سر پر ایسا جن سوار ہوا کہ سیدھے منہہ بات ہی کرنی چھوڑ دی! میاں بیچارا بیوی کے خوش کرنے کو سب کچھ کر رہا ہے! حیثیت سے بڑھکر چیزیں لاتا ہے اور سامنے رکھتا ہے مگر بیوی ہیں کہ کسی طرح چہرہ پر مسکراہٹ ہی نہیں آتی! کپڑا پھنکا پھنکا پھر رہا ہے اور اٹھا کر رکھنا نصیب نہیں ہوتا۔! میاں کی شرافت دیکھو کہ پہلی تاریخ ہوتے ہی تنخواہ جوں کی توں بیوی کے ہاتھ میں لا کر دیدی! اور بیوی کی لیاقت دیکھو کہ اگر کوئی اتفاقیہ ضرورت پیش آگئی تو ہرچند کہہ رہا ہے مگر ادھی دینی گناہ! چند روز تو غریب نے جس طرح ہو سکا بردباری سے کام لیا اور ہر طرح بیوی کی منت خوشامد کی کہ کسی طرح راہ راست پر آجائے مگر بیوی صاحب کو ایسے کالے کا منتر چڑھا تھا کہ ان چھوٹے موٹے منتروں نے بس کا نہ تھا!

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جتنا وہ بیچارے جھکتے اوتنے ہی بیوی صاحب کے دماغ آسمان پر پہونچتے! شہر کے رہنے والے بھی نہیں کہ ہر وقت بیٹھے ہوئی باتیں

نرم ہوگئیں دو گرم ! کانپور میں ٹھیکیدار ! مہینے دوسرے مہینے ایک آدھ روز کی فرصت ہوگئی آ گئے ! مگر جب آئے ایسے آئے کہ ایک نیا غم ساتھ لگا گئے ! میں تو کچھ ہی ہو انکو شاباش دونگی ! کوئی اور سری کا مرد ہوتا تو ایسی بیوی کے نام پر جوتی اوندھا دیتا مگر ان غریب نے فقط اِس وجہ سے کہ سارے جہان میں ڈونڈی پٹے گی ! اُف تک نہ کی ! وہ تو اپنی عزت سے ڈرے - بیوی صاحب سمجھیں کہ یہ میرے ہی انتظام کا سلیقہ ہے - جو میاں دم نہیں مار سکتے ! اور شیر ہوئیں : جاڑے کے موسم میں ایک دن کا ذکر ہے میں بھی وہیں بیٹھی تھی - مغرب کی نماز کا وقت تھا - میاں نے وضو کو پانی مانگا ! ماما خبر نہیں کس کام کو باہر گئی ہوئی تھی ! تین دفعہ بیچاروں نے کہا - مگر اٹھکر پانی دینے میں تو خیر بیوی کی شان کو بٹہ لگتا تھا ! رعب میں کمی ہوتی تھی اتنا بھی تو نہ ہوا کہ ایک لوٹہ پانی گرم کروا دیتیں ! غریب مار جھک مار آپ ہی اُٹھے مٹکوں کے ٹھنڈے باسی پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی !

میں نے جو شروع ہی میں کہا تھا کہ بیوی پچھتاؤگی اور بہت پچھتاؤگی ! دیکھ لینا ! سانپ نکل جائیگا - لکیر کو بیٹھی پیٹا کرنا ! آخر وہی ہوا ! دو سوا دو برس تک تو میاں بیچارے سے جتنا ہو سکا منت بھی کی خوشامد بھی کی ! مگر جب دیکھ لیا کہ یہ تو دن دونی رات چوگنی ہو رہی ہے تو ایک دن جلکر غصہ کا خط بھیجا اور لکھدیا کہ میں نے اپنا انتظام اور کر لیا - اب تم جانو اور تمہارا کام - جو تمہاری تقدیر کا ہوگا بھیجا کروں گا !

پڑھ کر ہنسیں اور سمجھیں کہ میاں اسطرح مجکو زیر کرنا چاہتے ہیں! بندی ایسے ڈھکوسلوں میں آنیوالی نہیں!! بیوی ڈھکوسلہ ہی خیال کرتی رہیں! اور وہاں سچ مچ میاں نے نکاح کر دوسرا گھر بسالیا! یا تو مہینے دوسرے مہینے پھیرا ہوتا تھا یا اکٹھے دو برس گزر گئے اور میاں کا پتہ نہیں! کبھی رحم آگیا خرچ بات کچھ بھیجدیا نہیں تو یہ بھی نہیں!

اب اُن بیوی صاحب کی آنکھ کھلی۔ مگر کھلی کب جب پانی سر سے نکل گیا! لوگوں نے کہہ سُنکر سات روپیہ مہینہ مقرر کروادیا ہے! اماں مر گئیں، بھاوج کے در پر پڑی سڑ رہی ہیں! کبھی اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کا حال بیان کرتی ہیں تو سُن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں! اگر اُسی وقت اتنا سوچتیں تو یہ دن کاہیکو دیکھنا پڑتا!

اس لکھنے سے میری غرض بس یہ ہے کہ بیوی کے دل میں اس سے زیادہ بُرا خیال اور کیا ہوگا کہ اکڑ اور دباؤ سے میاں کو غلام بنالوں۔ میاں تو خیر اپنی ہی جگہ ہے بیجا دباؤ سے تو غلام بھی بھاگ جاتے ہیں! شادی ہوجانیکے بعد لڑکی کا پہلا کام یہ ہے کہ کسی طرح میاں کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے۔ اور اسکا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہر طرح اُسکی رضامندی حاصل کرنی چاہیئے! میرا خیال تو یہاں تک ہے کہ اگر اپنے مزاج کے خلاف بھی ہو تو آپ تکلیف اُٹھالے مگر اُسکی خوشی کو ہاتھ سے نہ دے! ایک دفعہ دلمیں گھر کر لینا ہے! پھر تو دیکھ لینا کہ یہی میاں جسکے واسطے آج تم نے تھوڑی سی تکلیف اُٹھائی ہے تمھارے آرام کیواسطے مصیبتیں تک اُٹھا

کثرتِ ازدواج

سوکن کے جلاپے پر بہت سے مضامین میری نظر سے گزرے ہیں۔ بیشک اس غم و رنج سے زیادہ کوئی دکھ عورت کے لیئے نہیں ہو سکتا! یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا یہ قصور صرف عورتوں ہی کا ہے یا مردوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیئے قصور دونوں کا سمجھنا چاہیئے۔ مگر مردوں کی طرف سے لاپروائی نے ضرور اس نوبت کو پہنچایا ہے۔ مردوں سے اور خصوصاً اُن جوان روشن خیال تہذیب یافتہ صاحبوں سے مجھے نہایت درجہ ہمدردی ہے۔ اُن میں سے جو ایک دوسری دنیا یعنی ولایت رہ کے آئے ہیں۔ جہاں ہر قسم کی شائستگی عورتوں میں اُنہوں نے دیکھی ہے۔ جہاں تربیت اعلیٰ سے اعلیٰ ہے۔ ایسی کہ عورت خاوند کی مونس و مساوی ہیں۔ بلکہ بہت سی مثالیں ایسی ہیں کہ جہاں خاوند کو ہر لحظہ اور ہر دم ہر بات وہر موقع پر عورت کی مشورت سے مستفید ہونا نصیب ہوتا ہے! اگر انہیں ایسی بیویوں سے تعارف میسر ہو تو فی الحقیقت اسکے بعد ہمارے ہندوستان کی کم نصیب بہنوں کی صحبت میں جو تربیت سے خالی ایک دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہیں زندگی گزارنا سخت مشکل کا سامنا ہے! اب مردوں کے لیئے اس درجہ ہمدردی ہے۔ تو عورتوں کے لیئے کسقدر دل دُکھنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ انہیں مردوں کی طفیل سے عورتیں بے کار سے بے علم۔ جاہل بنی رہتی

ہیں! کیا دنیا کے تمام عیش کے سامان صرف مردوں ہی کے لیے
بنائے گئے ہیں۔ عورتوں کا اسمیں حصہ ہی نہیں؟ ہندوستان میں
مرد لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیئے کیا کر رہے ہیں سوائے
اب کہیں کہیں ذرا کتابی تعلیم جاری کی ہے۔ مگر فقط کتابی تعلیم سے وہ نتائج
نہ نکلیں گے جن کے ہم خواہاں ہیں۔ نہ خانہ داری آئیگی نہ شائستگی۔
ہم دیکھتے ہیں کہ مرد تعلیم پانے سے شائستہ نہیں بنجاتے۔ بہت سی
چیزیں ہیں۔ جنہیں خوش تربیتی سب سے بڑھ کر ہے۔ جسکے بغیر کوئی تعلیم
مکمل نہیں ہوسکتی۔

اب میرے دل میں یہ سوال نکلتا ہے کہ کسواسطے تعلیم یافتہ مرد اپنی
بیویوں کو اپنی طرز کی نہیں بنا لیتے۔ تھوڑے وقت کی دقت ہوگی۔
خود آپ کو تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اب وہ زمانہ غالباً نہیں رہا کہ
بڈھے بزرگ اپنی بہو بیٹیوں کی تربیت کے خلاف ہوں۔ اگر کہیں کوئی
ایسے گھرانے ہوں۔ تو اول تو وہ اب دن بدن کم ہوتے جاتے ہیں
دوسرے جہاں اور بہت سی اپنی آسایش و آرام کی باتوں میں انہیں
بزرگوں کی ناراضی سہی جاتی ہے وہاں یہ بھی سہہ لیں۔ جو اُن کی عمر بھر
کے لیئے ایک عیش کا سامان ہوگا۔ غلطی تو یہی ہے کہ عورتوں کو بسا اوقات
دانستہ محروم رکھا جاتا ہے۔ اور تو کیا۔ زنانہ مجلسوں میں ملنا جلنا یا اخبارات
کے ذریعہ زمانہ کے حالات سے باخبر رہنا انکے لیے بعض حضرات روادار نہیں
"عورتیں ناقص العقل ہیں" یہ مقولہ وردِ زباں ہے۔ اور عورتوں کو کوئی بات

سمجھائی ہی نہیں جاتی۔ اس صورت میں حیرت تو یہ ہے کہ ناقص کیا۔ بیچاری پوری ہی بے عقل کیوں نہیں بن جائیں۔ اگر تعلیم یافتہ مرد فقط آدھا گھنٹہ اپنی بیویوں کے فائدے کے لیئے نکالیں۔ ان سے اخبارات کے چرچے بیان کریں۔ باتوں باتوں میں انہیں تمام چھوٹی چھوٹی خبریں تفصیل سے سناویں۔ پھر دیکھیئے تھوڑے ہی عرصہ میں وہی بیویاں کیسی ترقی یافتہ اور بامذاق بن جاتی ہیں۔ سب سے بڑھکر انہیں آپس میں ملنے جلنے کا رابطہ ڈالنا چاہیئے۔ کلب بہت اچھی چیز ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اپنے اپنے مکانوں پر چھوٹے چھوٹے جلسے دو دو چار چار بیویوں کو جا بجا بلانا بہت مفید ہوگا۔ اسمیں عورتوں کے لیئے فقط لباس و زیور کی آراستگی کا ہی خیال کافی نہیں بلکہ اس باہمی میل جول سے علاوہ ذاتی آرایش کے بھی کچھ کرنے کا شوق خواہ مخواہ بڑھے گا۔ ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے سے اتحاد بڑھتا ہے۔ الگ الگ طرز معاشرت معلوم ہوتی ہے۔ بھلے برے کا امتیاز کیا جاتا ہے۔ ہر طرح سے خیالات وسیع ہوتے ہیں۔

پیاری بہنو! اب چند باتیں آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔ مرد تو جب عورتوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ جس وقت وہ ان کی تعلیمی معیار پر پہنچیں گی۔ اسلیئے ہمکو خود ہی ذاتی کوشش کرنی چاہیئے۔ جن بہنوں کو کسی قسم کا تجربہ دوسری بیوی کے دکھ سہنے کا یا کسی کو سہتے دیکھنے کا ہوا ہے وہی اسکا خوب اندازہ کر سکتی ہیں۔ پس پوری سعی کرنی

چاہیئے کہ اِس زندگی برباد کرنیوالے دُکھ سے ہم اپنی بہنوں اور آئندہ نسلوں کو بچائیں۔ فقط مردوں پر ہی نہ چھوڑیں۔ اپنے کنبے کے لڑکوں کے دماغ اور دل میں لڑکپن ہی سے یہ بیج بونا چاہیئے کہ لڑکیوں کی عزت کریں کہ خدا تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور عورتیں انکی مائیں ہیں۔ بس اُس سے زیادہ عزت کا کون مستحق ہوسکتا ہے؟ اگو قرآن شریف کی آیتوں سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ چار بیویاں جائز ہیں۔ مگر سخت شرائط کے لحاظ سے یہ بھی مانا جاتا ہے کہ ایک سے دوسری بیوی رکھنا اُن شرائط کے ساتھ ناممکن ہے۔ تعلیم تربیت سے خود بخود یہ رواج نابود ہوتا جائے گا۔ اِس طور کی تربیت دینا اور نیک خیالات بچوں کے دل میں جمانا ماؤں کا ذمہ ہے۔ یہ اُن ہی ماؤں سے ہوسکتا ہے جو اِن مسئلوں پر غور و فکر کرکے بچوں کی شروع زندگی سے اپنی ذاتی روش اور طرز طریقہ کا اثر اُن کے اثر پذیر دل و دماغ پر نقش کالحجر کرنے کا بیڑا اُٹھائیں گی +

امینہ خاتون (مسز عباس طیب جی)

سوکن کا جلاپا

تمہید

میاں ذاکر کا دوسرا نکاح! چشم ما روشن دلِ ما شاد! نئی دلہن کا سہاگ آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک! واسطہ نہ غرض آس نہ پاس! ہم اعتراض کرنیوالے کون! ذمہ دار ہیں تو میر شریف اور گنہگار ہیں تو بی گمانی۔ سگے ماموں ممانی اور یہ اندھیر کہ بھانجی بدنصیب پر سوکن تک لا بٹھائی اور پھر بھی پیٹ نہ بھرا! قرنوں نہ برسوں! ڈیڑھ پونے دو برس کی بات ہے۔ یہ ہی بی گمانی جو آج کانوں پر ہاتھ دھر گئیں۔ بات ٹھیرنے سے پہلے آدھی رات تک بیٹھی خوشامد کرتیں! جس نند کے آگے ہاتھ تک جوڑے اُسکی آنکھ بند ہونیکی دیر تھی! ایسی فرنٹ ہوئیں کہ بیگم کو لونڈی کیا زندہ کو مردہ بنا دیا! مگر صد آفرین محمودہ کو۔ میاں چھنا بچہ چھنا۔ گھر گیا بار گیا! لیکن پنچوں کی شرم! باپ دادا کی لاج ایسی رکھی کہ کنبہ بھر میں نام کر گئی! اُسی سہاگن کا دل تھا کہ جس سیج پر مکھی تک بیٹھنی گوارا نہیں! وہ آناً فاناً بالکل برباد ہو جائے! مگر کیا مجال کہ زبان سے اُف تک کی ہو!۔

ہمیں اگر شکایت ہے نصیرہ سے! رشتہ ناتا میل جول! سب پر خاک ڈال! ایسی آنکھوں پر ٹھیکری رکھی کہ الٰہی توبہ! کم بخت نمازی پرہیزگار! ہشیار سمجھدار! ایک چھوڑ تین تین لڑکیاں آگے! ہڈی دے

سگی خالہ زاد بہن کا گھر بالکل تاراج کردیا! برسوں کی کیا کمی تھی! اویر! سویر! جلدی یا دیر! امیر غریب! جیسا نصیب میں ہوتا مل ہی جاتا! یا اتنے بڑے غدار شہر میں ایک مظلوم ہی کا خاوند رہ گیا تھا! خلق کا حلق بند نہیں ہوسکتا! وہ مرگئی اور ہمکو مرنا ہے! اتنا ضرور کہیں گے دکھیاری نصیب ماری! شاکرہ کی جان محمودہ بے زبان اس کٹھر ساس کے ہاتھوں جس حسرت سے رخصت ہوئی خدا ایسی موت دشمن کو بھی نہ دے! +

یہ بی گمانی ہی کی عنایت تھی کہ وہ اللہ آمین کی پلی پلائی جس کے پاؤں کے نیچے ماں اور باپ دونوں آنکھیں بچھاتے تھے اس طرح مری کہ کوئی حلق میں پانی ٹپکانے والا نہ تھا! غضب خدا کا۔ ممانی کی ممانی ساس کی ساس! اور ایسی سنگدل کہ اخیر وقت بھی پاس آکر نہ پھٹکی! کچھ ایسی بہو کے نام کی جلتوائی پڑھی کہ غریب مرتے مرگئی اور جل جوگئی اگر جھانکی تک نہیں! وہ تو خدا بیچاری بستی کا بھلا کرے کہ کہیں پھرتی پھراتی آنکلیں تو اپنا کھیس اُڑھا پردہ ڈھانک دیا! ورنہ گمانی کا بس چلتا تو شاید مرنے کو کفن بھی نصیب نہوتا! +

ہمکو گمانی کے معزز اور مالدار ہونیسے انکار نہیں! مگر اسمیں کسکو کلام ہوسکتا ہے کہ ان گنوں نے ساری شرافت غارت کردی! محمودہ اپنی لگائی نہ تھی! پنچوں کی بیاہی! منتوں کی لائی! میاں چہیتے پر نہ تھا تو نہ ہو! انسانیت کے معنی یہ تھے! سر پر ہاتھ رکھکر لائی تھی کلیجے

سے لگا کر رکھتی! نری ساس ہی نہیں ممانی بھی تو تھی! بیٹے کی بدعنوانی کا بدلا یہ تھا کہ بہو کی آنکھ تک میلی نہ ہونے دیتی!!! ڈوب مری وہ ساٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیا! قبر میں پاؤں! نواسا نواسی پوتا پوتی! اور سر سے پاؤں تک گہنے میں لدی! اور بہو غریب برس بھر کی بیاہی! پہلونٹی کا بچہ گود میں! پہننے اوڑھنے کے دن! بیفکری کا زمانہ! اور چاندی کا تار تک نہیں! میاں بیزار ساس سے جوتی بیزار! بہو کہاں سے اور بناوے کون! میکے سے ملا سب کچھ مگر ایسی منحوس گھڑی کا! کہ سال کے اندر ہی اندر دھڑی دھڑی کر کے لٹا!

سچ پوچھو تو اُس کا دل آپ ہی ایسا مر گیا تھا کہ ارمان اور اُمنگ کچھ بھی نہ رہا! وہ ساس سے دولت حشمت کی طلبگار نہ تھی! اُس بیچاری کو تو سیدھے مُنہ بات کر لینا بھی بہت تھا مگر کمبخت اسکو بھی ترستی ہوئی سدھاری! جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں! بیماری کی کٹھن گھڑیاں! اکیلی ٹسروں ٹوں پڑی اللہ کی قدرت دیکھتی! تیمارداری تو درکنار کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ جھوٹ موٹ اگر بات پوچھ لے! رات! سر پر خدا کی ذات! آدمی نہ آدم زاد! کہاں کی دوائی کیسی ٹھنڈائی! ماں نہیں باپ نہیں! ادھی پاس نہیں! کریں تو ساس نہ کریں تو ساس! اُن کا یہ حال! بڑے دالان میں پردے ڈال! زردے پر زردہ اور پان پر پان!

خیر بی گانی نے جیسا کیا وہ جانیں اُن کا کام! آج نہیں کل کل

نہیں پرسوں! اب نہیں کبھی! یہاں نہیں وہاں! ایک دن ایسا آتا اور ضرور آتا کہ محمودہ کی فریاد حاکم حقیقی کے دربار سے چُپ کی داد لیتی! خدا کی لاٹھی بے آواز ہے! دُکھے ہوئے دل کی آہ اوپر ہی اوپر جانیوالی نہیں! محمودہ کو مرے پُورے چھ مہینے بھی نہ ہوئے تھے کہ نندو بی نے دھڑلے سے دوسرا نکاح کیا! اور وہی سلطانہ جسپر بی گمانی دیوانی اور میر شریف پروانہ تھے! باجے گاجے سے سوکن لا بٹھائی! ساس کی عداوت اور اس چھوٹی نند سلطانہ کی شرارت سے جو کچھ ہُوا! خیر محمودہ تو کلیجہ مسوس کر رہ ہی گئی! مگر اُسکا صبر خالی نہ گیا! دونوں ماں بیٹیوں نے جیسا کیا اپنی گود میں پالیا! اُسکی تقدیر میں تو پانچ چھ ہی مہینے کی سوختنی تھی جس طرح ہوا دن پُورے کیئے! مگر بی سلطانہ کی عمر کیسی برباد ہوئی! لونڈی کی بھی آبرو زیادہ ہوگی جو اُسکے میاں اور سوکن کے گھر میں تھی! میر شریف اور بی گمانی دونوں نے بہتیرا ہی سر پٹکا اور ہاتھ پاؤں مارے مگر سوکن نے بھی ایسا شکنجہ میں کسا کہ تل بھر نہ سرکنے دیا! +

سلطانہ کے اوپر اگر سچ پوچھو تو کچھ خدا ہی کا غضب ٹوٹا! کسکو خبر تھی کہ یہ میاں جو دم بھر کے واسطے بھی بیوی کو آنکھ سے اوجھل نہ کرے ایسا پلٹ جائے گا کہ سوکن اور سوکن کی مامائیں تک منہ بھر کر کوسنے دیں اور چپکا بیٹھا سنتا رہے! اور یہ سلطانہ جو آج بیٹھی راج کر رہی ہے دانو دانو دانوں کو محتاج ہو جائیگی!

مسئلہ تقدیر صحیح ہو یا غلط اس سے بحث نہیں مگر اتنا تو اکثر سے

دیکھ لیا کہ سلطانہ کے اس انقلاب پر ایک دو نہیں کُنبہ بھر پکار اٹھا!

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یہاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اِس ہاتھ لے

رہے میاں ذاکر! اللہ آمیں کے لال! اماں باوا کے چہیتے! ایسے بلند اقبال! جسقدر بدتمیز نہ ہوتے! تھوڑے! گھر اور مسجد مکتب اور مدرسہ سب ہی جگہ کی خاک اُڑائی۔ مگر رہے ٹھوٹ کے ٹھوٹ! کمبخت کچا لیا بے مغز واقع ہوا تھا کہ میر شریف مرحوم نے اپنے جیسا کر نہیں کوئی کسر نہ رکھی! قرآن پڑھایا حدیث دکھائی! خود تکلیف اٹھا کر اُسکے واسطے دو دو استاد نوکر رکھے مگر اللہ رے وضعداری اور قول کا پاس سات دفعہ انٹرنس کے امتحان میں شریک ہوا مگر جب گیا فیل! پھر بھی میر صاحب اُن کی ارواح نہ شرمائے بیٹے کو ہمیشہ عالم ہی سمجھتے رہے! خیر وہ عالم تھا یا فاضل جیسا بھی تھا وہ جانے؟ مگر ہاں اتنا ہم بھی کہیں گے کہ آدمی نہیں جانور! بلکہ جانور سے بھی بدتر تھا! ایک ایسے پھول کو جسمیں رنگ اور خوشبو دونوں چیزیں موجود تھیں! محض اپنا دل خوش کرنے کیواسطے پاؤں سے مَسل دیا!

محمودہ جیسی وفادار اور خدمتگزار بیوی کہ جسکے برلتے نام نکاح پر بھی ماں باپ نے بکرے مانے اور مُلّانے کھلائے! اسکی سزادار نہ تھی! کہ دم واپسین سینہ میں ہو! رات کا سنّاٹا! اندھیرا گھپ اور چراغ تک نصیب نہیں! محمودہ دنیائے ناپائدار کو خیر باد کہے اور

ذاکر جفا کار دیوار سے بیچ میٹھا ٹھٹے اُڑائے!

کاش بدنصیب محمودہ خدمت و وفاداری میں کسی قسم کی کمی کر دیتی تو ہمکو صبر آجاتا! مگر وہ مصیبت کی ماری تو میاں ہی کا کلمہ پڑھتے مری! کھانا پانی، دوائی ٹھنڈائی! کسی چیز کا ہوش نہ تھا مگر ہاں یہ ارمان دل میں تھا اور افسوس! اِس ارمان کو اپنی جان کے ساتھ لیگئی! کہ مرنیسے پہلے ایک دفعہ خاوند کے قدموں پر گر کر قصور معاف کروالوں!

محمودہ ختم ہو چکی اُسکی ہڈیاں تک گلکر خاک ہو گئیں! مگر اُس کا فسانہ باقی ہے اور رہے گا! انصاف کی آنکھیں اُسکے صبر پر رحم کے آنسو روئیں گی! اور دیکھیں گی! کہ یہ ہی فانی ڈیرا! جسکی کل بساط! چڑیاں رین بسیرا! کیسے کیسے تماشے دکھا رہا ہے! اور یہ ہی انسان! اسی زمین پر اسی آسمان کے نیچے! کیا کیا ظلم و ستم کر رہا ہے! موت کا بازار گرم! عدم آباد کا رستہ درپیش! عزیزوں کا فراق! دوستوں کی رخصت! یہ تمام سماں روبرو ہے! برابر کے ساتھی! سنگ کی سہیلیاں! چھوٹے اور اور ایسے چھوٹے! کہ آنکھیں اُنکی صورت کو ترس گئیں! دلِ ناشاد اُنکی جدائی پر خون رو رہا ہے! اور روتا رہے گا! مگر وہ عزیزوں کے عزیز پیاروں کے پیارے! کلیجہ کے ٹکڑے! آنکھوں کے تارے! مٹی کے ڈھیروں میں میٹھی نیند پڑے سوتے ہیں! آہ رے فانی دنیا! تیری لذتیں کڑوی! تیری خوشیاں جھوٹی! تیرے داغوں نے کلیجہ چھلنی کر دیا! وہ گوہر آبدار جو کل تک آنکھ کے سامنے چمک دمک رہے تھے! آج

کہاں ہیں: گہری گور اور جنگل بیابان: بیہوشی کی نیند! اور ہو کا میدان! کیوں؟ نیند کے متوالو! آخر حیات مستعار وھوکا دے گئی! دنیا ختم ہو چکی! وہ رونق اور چہل پہل یہیں کی یہیں رہی! اب اکیلے تن تنہا ہو! مگر نہیں نہیں! تم خالی ہاتھ نہیں ہو! تمہارے عمل تمہارے ساتھ ہیں! اور تمہاری کھیتی باڑی تمہارے پاس!

ناشاد و نامراد محمودہ تو جل جلا کر مری! اور گھل گھلا کر گئی! خدا کا وعدہ سچا! یوم الانصاف برحق! اب اُس دن کا انتظار کر! جب ایک زبردست بادشاہ کا دربار ہو! تیرا ظالم خاوند تیرے سامنے ہوگا اور دل مجروح کی فریاد حاکم حقیقی کے پاس!

حیات ناپائدار پر جان چھڑکنے والو! کس برتے پر تتا پانی اور کے دن کی زندگی پر یہ شوں شاں! خدا کا معاملہ خدا کے ساتھ! تم جانو اور وہ! مگر انسانیت یہ ہے! جیو تو اس طرح کہ لوگ آنکھوں پر بٹھائیں اور مرو تو یوں! کہ اپنے تو اپنے! غیر بھی عمر بھر روئیں! (باقی آئندہ)

محمد عبد الراشد الخیری

شاہان اودھ کی یادگار لکھنؤ میں دو نہایت عالی شان امام باڑے ہیں۔ ایک بڑا امام باڑہ نواب آصف الدولہ بہادر کا۔ اور دوسرا حسین آباد کا امام باڑہ مشہور ہے۔ اس مرتبہ ہم حسین آباد کے خوبصورت امام باڑے کا فوٹو شائع کرتے ہیں۔ امید کہ آیندہ کسی موقع پر بڑے امام باڑے کا فوٹو بھی مع حالات شائع کرینگے ؞

نیک و بد

نیک سیرت ہو اگر عورت تو وہ ہی حورِ عین
اُسکے شوہر کے لیئے دنیا ہی فردوسِ برین

ہو اگر بدخلق عورت، حورِ طلعت مہ جبیں
اُسکے شوہر کیلیئے، دنیا کم از دوزخ نہیں

نیک عورت اپنے شوہر کو بناتی ہے غنی
ہو اگر بدخو غنی ہو جائے مفلس بالیقیں

پھر نہیں ہوتی وفاکوش اور عصمت کیش جو
خوئے بد ہو جائے جس عورت کے دل میں جاگزیں

نیک عورت کی یہ کوشش خوش رہے اس سے مدام
اُس کا شوہر وہ غنی ہو یا کہ نادار حزیں

ہے مگر بدخلق عورت اسکے بالکل ہی خلاف
اپنے شوہر کو وہ رکھتی ہے مدام اندوہگیں

نیک عورت تربیت اولاد کی کرتی ہے خوب
اپنے بچوں کو، بنا دیتی ہے بدخو، بدتریں

ایک خوشخو ہو تو سب اسکے اقارب اس سے خوش
ایک بدخو کے اقارب اس سے ناراض و حزیں

ہو کے فارغ کام سے گھر اپنے جب آتا ہے مرد
وہ تھکن سے مضمحل ہوتا ہے اور اندوہگیں

نیک عورت غم غلط کرتی ہے اُسکا ہر طرح
اُسکو کر دیتی ہے بدخو، اور مغموم و حزیں

زوج کے مدِ نظر ہوں اپنی زوجہ کے حقوق
زوج کے آداب زوجہ کے ہوں ہر دم دلنشیں

جو زنِ بدخو نہ ہوگی اپنے شوہر کی مطیع
وہ کریگی ساس اور اسکے سسر کی خدمت بھی کہیں

اپنے بچوں پر نہ ہوگی اُسکے مہرِ مادری
اپنے لوگوں کی کبھی ہمدرد وہ ہوگی نہیں

نیک ہو عورت تو سب لوگ اسکی کرتے ہیں ثنا
تذکرہ جب اقربا میں اُس کا ہوتا ہے کہیں

سب زنِ بدخلق کی ذم کرتے ہیں ہر انجمن میں
ہو مگر ناراض اُس عورت کا شیطانِ لعیں

نیک عورت، نہ بدخو مرد کی زوجہ بنے
ہو زنِ بدخو، نہ خوشخو مرد کی پہلو نشیں

نیک کا بد سے نہ دنیا میں ہو یارب ساتھ
یہ دعا ہے تجھ سے میری یا الٰہ العالمیں

ادب

عجب شے ہے اللہ اکبر ادب — نہ مرغوب ہو دل کو کیونکر ادب
یہی علم اخلاق کی شاہ راہ — ادب ہے جہاں میں ہی بڑھکر ادب
کوئی قوم اس سے نہیں بے نیاز — رہا آدمیت کا جوہر ادب
ملا جب اسے اشرفیت کا تاج — بنا نوع انساں کا زیور ادب
ادب کیا ہے؟ جھکنا ہی ایک ایک سے — ہو سرکش کو کیونکر میسر ادب
جو اس سے جھکا آدمی ہو جھکا — ملا خاکساروں کو اکثر ادب
بڑھائے نگاہوں میں توقیر جا — کرے دل کو دم میں مسخر ادب
عیاں اس سے ہوتی ہے شانِ نیاز — اطاعت کا کرتا ہے خوگر ادب
عدو کو اگر پانی پانی کرے — مخالف کو کر جائے ششدر ادب
یہی ہے سلیقہ یہی ہے تمیز — پسندیدہ ہو پھر نہ کیونکر ادب
کہیں علم کو بحرِ اعظم اگر — تو کہلائے کیونکر نہ گوہر ادب
مناسب ہے بہرِ نظامِ جہاں — کرے کیوں نہ آقا کا نوکر ادب
رہے بے تمیزی کی حالت میں جو — کرے گا وہ کیا خاک پھر ادب
مثل سچ ہے یہ بے ادب بے نصیب — نہ سکھلائیں ماں باپ کیونکر ادب
رہا عمر بھر وہ بہائم خصال — نہ ہونا تھا جسکو میسر ادب
دعائیں نہ نکلیں دل و جاں سے کیوں — کرے جبکہ ہر ناز پرور ادب
تمنا ہے تعلیم کے ساتھ ساتھ — سنوں میں کہ پھیلا ہے گھر گھر ادب

اردو زبان کا بہترین سفرنامہ

مندرجہ عنوان فقرہ گویا ان بے شمار خیالات اور رایوں کا عطر ہے جو ملک کے معزز اخبارات
و نامور اہل الرائے نے شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے بیرسٹر ایٹ لا کے جدید علمی کوشش

مقام خلافت یعنی سفرنامۂ استنبول

کے متعلق ظاہر کی ہیں۔ اور بالاتفاق یہ بات قائم کرلی ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت و تفصیل
کے ساتھ دارالسلطنت قسطنطنیہ کے حالات آجتک نہ صرف اردو بلکہ کسی مشرقی زبان میں لکھے
گئے۔ شیخ صاحب موصوف کو اپنی سیاحت قسطنطنیہ میں حسن اتفاق سے مشہور مقامات کی
سیر اور معتدد اصحاب کی ملاقات کے وہ موقعے میسر آئے جو بڑے بڑے یورپین سیاحوں
کو مشکل سے نصیب ہوتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے اول تو ہر جگہ کے حالات اور ہر ایک بات
کے متعلق تفصیلی نوٹ لئے۔ اور اس کے بعد سفرنامہ کی تحریر میں اپنی مشہور طرز ادا کے
جوہر اس خوبی سے دکھلائے ہیں کہ اصل چیز کا صحیح نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور پڑھنے
والے کی طبیعت مطالعہ کتاب سے وہ حظ اٹھاتی ہے گویا وہ سیر کے وقت مولف کا رفیق اور
ہمذوق و ہم لطف میں شریک تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے قریب قریب ہر باب کے ساتھ
ایک ہاف ٹون عکسی تصویر لگائی ہے جس کی وجہ سے چھبیس تصویروں کا ایک مرقع گویا کتاب
کے ساتھ مفت ہاتھ آتا ہے۔ پھر کتاب کی تیاری کا اہتمام بھی قابل قدر و لایق دید ہے۔ کتابت نہایت
خوشنما۔ کاغذ اعلی قسم کا چکنا ولایتی۔ تصویریں نفیس آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی اور سب پر طرہ دو سر
ورق جو اپنی اپنی جگہ لیتھو کی چھپائی کے نادر نمونے ہیں۔ ایک پر سنہری دو رنگی بیل مع
طغرائے شاہی اور دوسری پر خوشرنگ انگوری بیل نہایت پسندیدہ۔ ضخامت مع
تصاویر تین سو صفحے سے زیادہ۔ المدعا کتاب ہر پہلو سے ایسی ہے کہ ممکن نہیں جو اسکی
خوبیاں دل کو گرویدہ نہ کرلیں۔ باوجود ان خوبیوں کے قیمت صرف ۲؎ مع محصولڈاک

دفتر مخزن دہلی سے منگائیے

ہیرا تیل مقوی دماغ خوشبودار

ہم نے طبی اصول کے مطابق بالوں کی اصلیت طریق پرورش و روئیدگی و قیام وغیرہ حالات پر غور کر کے ان کی احتیاجوں اور نقصانات کو مد نظر رکھ کر کئی برس سے یہ خوشبودار تیل ایجاد کیا ہوا ہے جس کے سر پر لگانے سے دماغ کو طاقت اور اعصاب و عروق مضبوط ہو جاتے ہیں۔ سر پیوستہ زیادہ ہونے سے بالوں کا گرنا کم خوابی وغیرہ دور ہو جاتی ہے بالوں کی جڑیں تر رہنے سے بال خوب لمبے اور نرم رہتے ہیں۔ سر کی گرمی بند ہونے سے آنکھیں ٹھنڈی تیز اور دماغی طاقت بڑھتی ہے اور مسامات میں اس کے اثر سے وہ رطوبات جلد تبدیل نہیں ہوتی جس کی تبدیلی سے بال سفید ہو جایا کرتے ہیں۔ اس کی مداومت سے بال سیاہ اور گنجان پیدا ہوتے ہیں۔ چہرے پر رونق اور سرخی پیدا ہو کر وہ بیماریاں جو چہرے پر حدت گرمی سے مثل کلف و داغ وغیرہ پیدا ہوتی ہیں رک جاتی ہیں

بیگمات و شریف زادیوں کیلئے عجیب و غریب تحفہ ہے

ایک شیشی چھ ماہ کے لئے کافی ہے۔ ضروری چیز ہے۔ قیمت فی شیشی تین روپے (سے/) +

سنون مستحکم دندان

دانت مشین غذائی ہے ان چیزوں کا جن سے ہمارے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ غذا وغیرہ تمام دنیا کی نعمتیں جو معدہ میں داخل کریں ان کی درستگی ابتداءً انہیں دانتوں سے ہوتی ہے۔ پس اس کو ہر وقت درست رکھنے کی فکر رکھیں۔ اس سنون سے ہلتے دانت مضبوط اور مسوڑوں کا گوشت درست۔ خون جانا بند۔ بدبو و میلا پن دور کرنے سے محفوظ۔ کیڑا نہیں لگتا۔ اور موتیوں کی طرح چمکدار رہتے ہیں۔ ۴ تولہ ایک روپیہ (عہ)

منیجر شفاخانہ ڈاکٹر حکیم غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور پنجاب

عصمت

جلد - ۱
نمبر

یعنی

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لیے

سنہ ۱۹۰۸ء

اُردو میں

پاکیزہ خیالات علمی اور ادبی مضامین اور مفید معلومات کا ذخیرہ

ہر انگریزی مہینے میں ایک بار شائع ہوتا ہے

اور

ہر پرچے کے ممتاز اہل قلم کے مضامین کے علاوہ معزز خواتین کے

طبعزاد مضامین اور مشہور مقامات اور مناظر کی تصاویر سے بھی مزین ہوتا ہے

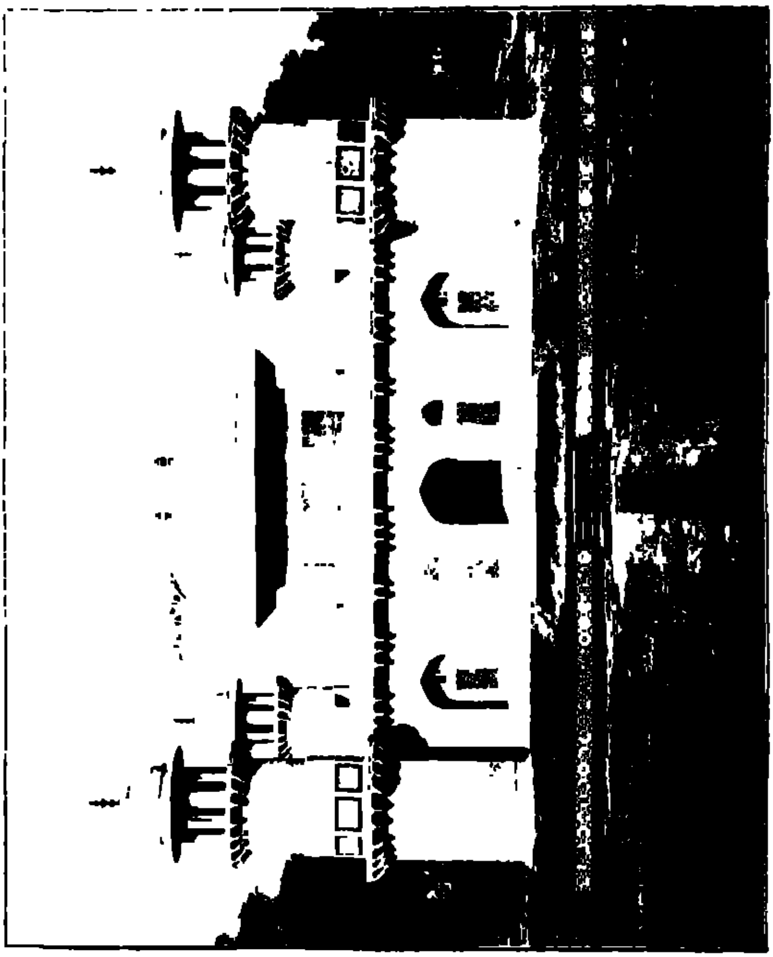
ایڈیٹر - شیخ محمد اکرام
جائنٹ ایڈیٹر مسز محمد اکرام

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک [illegible] فی پرچہ [illegible]

فہرست مضامین رسالہ عصمت دہلی

جلد ۱ — دسمبر ۱۹۰۸ء — نمبر ۷



عصمت

مذہب اور عورتوں کی تعلیم

ہمارے ملک میں مذہب کا اثر کیا ہندوؤں میں کیا مسلمانوں میں اور سب اثروں سے زیادہ ہی۔ جو چیز مذہب کے روسے جائز یا عمدہ تسلیم کیجائے اسکی طرف بہت جلد رغبت ہوتی ہی۔ اور جو مذہب کے روسے بری سمجھی جائے یا جسکی نسبت یہ خیال ہو کہ مذہب اسکی اجازت نہیں دیتا اسکی ترقی محال ہی۔ یوں تو کوئی مذہب ایسا نہیں ہوگا جو تعلیم کے خلاف ہو۔ بلکہ سب علم کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر مجھے دوسرے مذہبوں کا حال معلوم نہیں اپنے مذہب کی کچھ کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ کیونکہ خوش قسمتی سے میں علما کے ایک خاندان میں پیدا ہوئی۔ اُن کے روسے کہہ سکتی ہوں کہ تعلیم نسواں ہمارے مذہب کے روسے بالکل ضروری چیز ہے مگر اسپر تعجب ہی کہ مسلمانوں میں اب تک سیکڑوں خاندان ایسے باقی ہیں جہاں تعلیم تو درکنار اِس موضوع پر بحث کرنا بھی ناجائز خیال کیا جاتا ہی۔ خدا کی قدرت ہی اب بھی ایسے لوگ موجود

ہیں جو ہماری جہالت کو علم پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ بانی اسلام نے جسطرح
مَردوں کو تعلیم کیطرف متوجہ فرمایا ہے۔ اُسیطرح عورتوں کو بھی تعلیم کا ذمّہ دار
بنایا ہے۔ اسلام میں اگرچہ تمام مسائل میں نہیں مگر اس علم کے خاص مسئلہ میں
دونوں کو یکساں حصہ دیا ہے۔ کلام مجید میں جسقدر احکام آئے ہیں۔ اُن میں
سے اکثر میں عورتوں کو مَردوں کا تابع کیا ہے۔ مگر تعلیم کے متعلق صراحۃً عورتوں
سے بھی اسیطرح خطاب کیا ہے جس طرح مَردوں سے۔ چنانچہ قرآن شریف
میں آیا ہے "ایمان لانیوالے مرد اور ایمان لانیوالی عورتیں ایک دوسرے
کے مددگار ہیں۔ اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور بُری بات سے منع کرتے ہیں"

اِس آیت کے رو سے عورتوں پر بھی واجب ہے کہ دوسروں کو اچھی باتیں
سکھائیں اور بُری باتوں سے روکیں۔ سو یہ اُسیوقت ممکن ہے کہ جب ہماری
عورتیں اپنے مذہب کی عالم ہوں۔ "او خویشتن گم است کرا رہبری کند"[۱]

اِسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "طلب العلم فریضۃ
علی کل مسلم و مسلمۃ"[۲] اس میں بھی بالاستقلال دونوں کو خطاب ہے۔ پس اسی
استدلال سے ہم بآسانی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام کا مقصود تمام بنی نوع
انسان کو تعلیم دینا ہے +

اے میری بہنو! علم اسقدر بے بہا دولت ہے کہ اُسکی بدولت حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا تمام صحابہؓ کی معلمہ بن گئی تھیں۔ جنکی نسبت جناب رسول اللہ

ؔ۱ وہ شخص جو خود رستہ بھولا ہوا ہے وہ دوسری کی رہبری کیا ہوسکیگا ۔

ؔ۲ ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب فرمایا کہ "خذوا نصف العلم من ھذہ الحمیرا"
یعنی آدھا علم اس سرخ اندام یعنی حضرت عائشہ سے حاصل کرو۔ چنانچہ صحابہ کو
جب کسی مسئلہ میں شبہ ہوتا تھا تو حضرت عائشہ رضہ کے پاس اُسکا فیصلہ ہوتا
تھا۔ مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ فتح موصلی کا قول ہے کہ جب
مریض کو تین روز کھانا اور پانی کچھ نہ دیا جائے تو کیا وہ مریگا نہیں؟ لوگوں نے
کہا بیشک مریگا۔ فرمایا یہی حال دل کا ہے۔ جب اُس سے تین روز علم و حکمت
روک لیا جاتا ہے تو مر جاتا ہے۔ یہ قول اُنکا بجا ہے اس لیئے کہ دل کی
غذا علم و حکمت ہے۔ اور بدن کی غذا کھانا ہے۔ انہیں دو سے اسکی زندگی ہے
جس شخص کو علم نہیں اُسکا دل بیمار ہے۔ تو کیا عورتیں اس قول سے خارج
ہیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی کا مقولہ ہے کہ جس گھر کے مرد و عورت تعلیم سے
عاری ہیں وہ گھر آگ لگا دینے کے قابل ہے +

آجکل غیر ضروری رسم و رواج کے مٹانیکی بہت کوشش ہو رہی ہے اور
اُسکے نقصانات بتائے جاتے ہیں۔ مگر اسکی اصلی بنیاد پر کسیکو خیال نہیں
اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ سب بُرے رسم و رواج محض ہماری
جہالت اور ضد کے نتائج ہیں +

اِسوقت بہت سے مرد ایسے ہوں گے جو دل سے چاہتے ہوں گے
کہ رسم و رواج کی خرابیاں دور ہوں۔ مگر ہماری بہنوں کی جہالت کی وجہ سے
مجبوراً انکو اپنے ضمیر کے خلاف چلنا پڑتا ہے۔ اِسی لحاظ سے مردوں میں کتنی
ہی تعلیم ہوگی مگر جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہونگی اُسوقت بُرے رسم و رواج

اخلاق

میں نے پچھلے مہینے کے عصمت میں جنابہ بہن سروری بیگم صاحبہ کا مضمون علم اخلاق پر دیکھا اور مجھے بھی شوق پیدا ہوا کہ اپنی ناقص رائے اس علم پر ظاہر کروں۔ ہمارے ہندوستان میں آجکل مستورات کو تعلیم دینے کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ اور ہم خدا سے دعا مانگتی ہیں کہ وہ ہماری مسلمان بہنوں کو علم دے اور وہ بھی دوسری قوموں کے موافق تعلیم و تہذیب یافتہ ہو جائیں۔ اور ہر علم میں برق ہوں۔ مگر علم اخلاق تعلیم سے بالکل علیحدہ علم ہے۔ اور ضروری نہیں کہ یہ علم تعلیم یافتہ ہونیسے آجائے بلکہ تربیت سے متعلق ہے۔ اب انگلستان کی کوئی امیر و شریف زادی علم سے محروم نہیں ہے اور بہت ایسی ہیں کہ بڑے بڑے امتحان پاس کر چکی ہیں۔ مگر سب میں اخلاق نہیں پایا جاتا۔ اور بعض ہماری غریب مسلمان بیبیاں ایسی ہیں کہ الف کے نام سے نہیں جانتیں۔ مگر دولت اخلاق سے مالا مال ہوتی ہیں۔ اخلاق ایک عجیب چیز ہے۔ جو آدمی خلیق ہوتے ہیں۔ اُن کے دوست بھی زیادہ اُنہیں پسند کرتے ہیں۔ علم اخلاق بیشک انسان تعلیم سے بھی سیکھتا ہے لیکن اس علم کی تعلیم بھی خاص ہے۔ مرحومہ مغفورہ ایڈیٹر صاحبہ تہذیب نسواں کی تصنیف آداب ملاقات جیسی کتابیں اسکو زیادہ مفید ہیں۔ اور یہ علم ہر لڑکی کو سیکھنا ضروری ہے۔ جانے آنے ملنے جلنے سے بھی اخلاق بڑھتا ہے۔ اور جن بیبیوں کو مجلسوں اور سوسائٹی میں جانیکا شوق ہو اُن کو

علم اخلاق سے محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمارے ہاں کی بعض بیبیاں سمجھتی ہیں کہ محفل میں یا میل ملاپ والوں سے بہت باتیں کرنا بدتمیزی ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اگر تم کسی کے ہاں جاؤ یا کوئی تمہارے ہاں آئے اور تم بت کی طرح بیٹھی رہو تو پھر ملنے جلنے کا فائدہ کیا؟ یہ نہیں کہ ایسی باتیں کرو کہ ملنے والوں کا مغز کھا جاؤ۔ جو لوگ مجلسوں میں بات کرتے شرماتے ہیں وہ خلیق نہیں سمجھے جاتے۔ ایسی حالت میں ہر گھر میں اچھی اچھی کتابیں آداب ملاقات کی لڑکیوں کو پڑھانی چاہئیں۔ جس وقت میں لڑکیاں ناول وغیرہ پڑھتی ہیں اگر انکی بجائے ایسی کتابیں پڑھیں تو طبیعت کی طبیعت درست ہو اور جو اخلاقی وسعت اور ترقی ہو وہ اسکے علاوہ۔

نواب بیگم آف سچین۔ از بمبئی

"مہذب گھر"

بنت نذر الباقر صاحبہ کا ایک مضمون اس عنوان سے پہلے شائع ہو چکا ہے جسمیں اُنہوں نے ایک ایسے گھر کی روزمرہ زندگی کا نقشہ کھینچا ہے جسمیں نئی تعلیم نے عورتوں مردوں کو مغربی تہذیب کا گرویدہ بنا لیا ہے یہاں تک کہ انکی عادات و اطوار مغربی رنگ میں ڈھلے جانیکے علاوہ ان کی بول چال تک بھی انگریزوں کی تقلید میں رنگی ہوئی ہے۔ آج اُس مضمون کے دوسرے نمبر میں اُنہوں نے نئی اور پُرانی تہذیب کے دو نمونوں کو جمع کیا ہے اور اُن کے ملاپ کی مشکلات دکھائی ہیں۔ معلوم نہیں کہ اُن کی ذاتی رائے بہ حیثیت مجموعی کس تمدن کی طرف منجر ہو۔ تاہم ہمیں اس بات کے اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ ہم مغربی تمدن کی خوبیوں کا تو اعتراف کرتے ہیں مگر اسکے قائل نہیں کہ وہ ساری کی ساری ہمارے ملک کے لیئے موزوں ہیں۔ ہم اپنی تہذیب میں ترمیم کرلیں یہ اَور بات ہے۔ لیکن اس سے قطع تعلق کرکے کبھی بہ حیثیت قوم زندہ نہیں رہ سکتے۔

ہمیں آج ایک ہندوستانی گھر کا حال لکھنا ہے۔ اور گھر بھی لکھنؤ کا۔ محلہ گولہ گنج سے نکلتے ہوئے داہنی طرف ایک عالیشان عمارت نظر پڑتی ہے جسکو ایک امیر آدمی نے کرایہ پر لے رکھا ہے۔ سڑک پر ایک بڑا سائبان ہے جس میں داخل ہوکر زنانہ ڈیوڑھی ملتی ہے۔ اسکے اندر چھوٹا سا صحن ہے اور ایک کچی دیوار مٹی کی ہے۔ اس سے ہوتے ہوئے صحن میں جا پہنچتے ہیں جسکے تینوں

طرف خوشنا برآمدے والا اندر کمرے نظر آتے ہیں۔ چوتھی طرف یعنی جدھر ڈیوڑھی ہے ایک بڑا برآمدہ۔ باورچیخانہ کا ہے جسمیں دو طرفہ کوٹھریاں ہیں اور بائیں طرف غسلخانہ اور پاخانہ ہے۔ مکانیت کے لحاظ سے۔ اونچی چھتیں قلعی وغیرہ کو دیکھتے ہوئے ہندوستانی وضع کے مکانوں میں اسکو عالیشان کہہ سکتے ہیں کیونکہ باہر مردانہ بھی علیحدہ ہے جسمیں کمرے برآمدے وغیرہ بہت ہیں۔ اصطبل بھی علیحدہ ہے۔ لیکن افسوس ہے شاگرد پیشہ لوگوں کے رہنے کی جگہ اسمیں نہیں ہے۔ نوکر جتنے بھی ہوں گے سب اسی ڈیوڑھی میں گھستے ہوں گے۔ زنانہ حصہ کا فرنیچر بھی ملاحظہ ہو۔ سامنے برآمدہ کے اندر جو شہ نشین ہے۔ وہاں تختوں کا فرش ہے۔ جسپر قالین۔ گاؤتکیہ لگا ہے اُگالدان رکھے ہیں۔ دائیں بائیں جانب کی سہ دریاں تو خالی ہیں۔ پلنگ پڑے ہیں۔ سادہ کمروں میں سے کسی میں بے ترتیبی سے صندوق رکھے ہیں کسی میں دریاں وغیرہ ہیں۔ غرض کہ سوائے ایک کمرہ کے تمام بے آرایش ہیں جن دنوں کا ذکر ہے یہ ساون کا کچھ پچھر ہیگا پہلا مہینہ ہے۔ ہمارے ہاں برسات کو گرمی لو اور تپش کے بعد بہت ہی خوشگوار موسم سمجھا جاتا ہے۔ اور بہت سی نظم و نثر اسکی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ بارش ہمارے ملک کے لیئے بہت ضروری چیز ہے۔ تاہم یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ یہ موسم بہت مرطوب اور گندہ ہے۔ صفائی کا تو دشمن ہے۔ سہ پہر کا وقت ہے۔ شہ نشین کے آگے والے چبوترے پر چار بچے کھیلتے نظر آتے ہیں۔ اور باورچی خانہ میں مامائیں کام میں مصروف ہیں۔ ان بچوں

میں دو لڑکیاں ہیں جن کی عمر ۷-۸ برس کی ہے - اور دو لڑکے ایک ۳ سال کا ایک ۵ سال کا - بادل گھر اگھر رہا ہے بجلی چمک جاتی ہے تو تینوں سہکر سہ دری میں جا چھپتے ہیں - جہاں ایک پلنگ پر ایک ۱۰ سالہ لڑکی بیٹھی بھائی کی اچکن میں بٹن ٹانک رہی ہے - صاحب خانہ نہ معلوم کہاں ہیں - اس وقت چاہیئے تو یہ تھا کہ صحن میں سب بیٹھے ہوتے - لیکن یہ لڑکی اندر بیٹھی ہے - چھوٹی لڑکی بھاگتی ہوئی آکر جسکا نام سکینہ ہے - باجی باجی! آج پہلی تیج ہے - ہمارا ہنڈولا نہیں گڑا - اماں کہاں ہیں - میں اُن سے کہوں گی -

بڑی بہن - سکینہ میں ابھی اماں سے کہتی ہوں شام تک سب کچھ ہو جائے گا - کل کو ہم کڑھائی چڑھائیں گے -

ان بچوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک صاحب جنکی عمر تخمیناً ۴۴ سال ہو گی - علیگڈھ فیشن پاجامہ اور قمیص پہنے گھر میں آئے سہ دری میں بچوں کو دیکھا -

آنیوالے صاحب - کیا ہے کیا - سکینہ ضد نہ بنی ہے؟

بڑی لڑکی صغرا - اباجان آج پہلی تیج ہے اور ہمارے جھولنے کا سامان نہیں ہے - آخر کب تک ہو گا -

اباجان - اوہ بیٹی - اب تم جھولے ہی جاؤ گی - خیر تمہاری خوشی - ابھی نوکر کو کہلا دو - باغ میں سب کچھ ہو جائیگا -

سامنے والی سہ دری سے ایک بی بی ہاتھ میں گوٹے کا دوپٹہ لیے نکلتی

ہوئی سامنے سب کو دیکھکر اُدھر ہی آگئیں۔ یہ بھی ۴۵ سال سے کم نہ ہونگی ہندوستانی لباس زیور سے آراستہ تھیں۔ آپ بھی بولیں۔ دیکھو جی ذکر کہنا نہیں مانتے۔ بچے رو رہے ہیں۔ کہو جھولا ڈالدیں۔

وہی صاحب۔ ابھی جھولا پڑا جاتا ہے تم خود بچوں کے ساتھ بچی بنی جاتی ہو۔ میری صلاح تھی۔ کل مسٹر عباس علی صاحب کی بیگمات کی دعوت کیجاتی میں شام کو باتوں باتوں میں کہہ بھی آیا تھا۔ تم یہ کچھ کروگی عجیب مصیبت ہے۔

بیگم۔ اچھا ہے۔ دعوت میں کیا مصیبت ہے۔ کل ویسے بھی میں نے سوچا تھا کہ ان کو بلاؤں گی۔ کڑھائی چڑھے گی۔ وہ جھول جائیں گی۔ ہم ہندوستانی تو ایسے ہی موقعوں پر مِلتے جلتے ہیں۔

صاحب۔ ہنسکر۔ بیشک وہ ضرور جھولیں گی۔ اور تم پر ہنسی اُڑائیں گی۔

بیگم۔ ہم تو فرنگی نہیں۔ وہ فرنگنیں بن گئی ہیں تو کیا ہے۔ میں کل ہی بلاؤنگی۔

صاحب۔ اچھا۔ تمھاری مرضی۔ لیکن مکان کو آج شام تک بہت صاف اور آراستہ کرو۔ فرنیچر بہت ہے۔ بند پڑا ہے۔ چار پانچ عورتیں لگادو۔ دو گھنٹے میں ہوجائے گا۔ کل شام کا کھانا دیں گے۔ دیکھو باغیچہ آدھا تو جھولے سے رُک جائیگا اور آدھے میں کوچ کرسی لگانا۔

یہ کہکر میاں تو باہر چلے گئے اور بیگم نے نوکروں کو حکم دیا۔ اُنھوں نے فرش پر جھاڑو دیدی اور پلنگوں پر سفید بچھونے کردیئے۔ یہ سب بچوں سمیت چبوترے پر جہاں تخت بچھے تھے آبیٹھیں۔ چونکہ ابر تھا۔ حکم ہوا کہ ابھی پکوان پکے۔ ایلو نے فوراً تعمیل کی۔ باہر چائے بنکر گئی۔ گھر میں کڑھائی چڑھ گئی۔ ۶ بجے سب

باغمیں گئیں۔ جہاں ہنڈولا گڑ گیا تھا۔ اب انکی خوشی کا کیا ٹھکانا ہے یوں توں رات گزری۔ دوسرے دن صبح ہی کھانوں کا انتظام ہونے لگا۔ گو بڑی بات تو نہ تھی۔ گھر بھی امیرانہ تھا۔ نوکر بھی کثیر التعداد تھے۔ لیکن انتظام چونکہ درست نہ تھا اسواسطے بہت ہی گڑبڑی مچی۔ صبح ۷ بجے ہونگے جو میاں نے کہا۔

میاں۔ "میں تو کچہری جاتا ہوں۔ تم ایک خط لڑکی سے لکھوا کر وہاں بھیجو کہ رات کا کھانا غریب خانہ پر کھائیں۔ وہ منظور تو رات ہی کر چکے ہیں۔ پھر بھی خط جانا اچھا ہے۔ تم ذرا سامان بہت خیال سے کرنا۔ کھانے کا انتظام اچھا ہو۔ اگر بارش نہوئی تو باغمیں کھانا۔ نہیں تو اس برآمدے کو درست کرا لینا۔ بھلا کمرے میں تو کاہے کو کھاؤ گی"۔

یہ تو چلے گئے۔ اور بڑی لڑکی صغرا نے خط لکھا اور ملازمہ کو دیا کہ یہ خط مرزا عباس علی صاحب کے گھر دے آؤ۔ آدھ گھنٹہ بعد ملازمہ واپس آئی اور نہایت نفیس لفافہ جسپر انگریزی میں پتہ لکھا تھا صغرا کے ہاتھ میں دیا۔ انہوں نے کھولا لکھا تھا۔

"پیاری بہن! ابھی آپ کا دعوتی رقعہ پہنچا۔ بہت اچھا۔ ہم بڑی خوشی سے سب رات کے کھانے میں شریک ہوں گے۔ سب بچوں کی بابت جو لکھا ہے یہ ذرا مشکل ہے وہ آنا وقت کہاں ضائع کر سکتے ہیں ہم لوگوں کو بچوں کے ساتھ لانے میں سخت دقت ہوتی ہے آپ معاف کریں۔ اگر ایسا ہی آپکو ان کے مدعو کرنے کا شوق ہے تو پھر کبھی صرف انہیں کو بلا کر اپنے بچوں کی طرف سے پارٹی دے سکتی ہیں۔ بچوں میں بچے

خوش ہوں گے۔ ہم انکو وقت دیسکتے ہیں۔ زیادہ سلام۔

دستخط بیگم عباس علی۔ تعلم س گرینن

اِس خط کا مضمون سُنکر بیگم صاحبہ چُپ ہوگئیں۔ لڑکی نے کہا۔

صغرا۔ واہ یہ بھی خوب ہے۔ بچے بچیاں نہ آئیں گی تو جھوٹے گا کون۔ خیر آپ کہتی تھیں کہ لڑکیاں میرے برابر ہیں۔ اُن کو جُھلاؤں گی۔ تمام دن کی کوششوں سے کھانا تیار رہا۔ اور بلامیاں کے پوچھے بیگم صاحبہ نے قریب تین بجے دن کے گاڑیاں عباس منزل بھیجدیں۔ آدھ گھنٹہ بعد تمام نوکر گاڑیاں لیکر واپس آئے اور ایک لفافہ اندر بھیجا۔ اُسوقت بیگم صاحبہ اور میاں کمرے میں بیٹھے تھے۔ رات کے متعلق باتیں ہورہی تھیں جو صنوبر نے خط دیا۔ میاں نے کھولا لکھا تھا۔

"چچی صاحبہ۔ آپ کی طرف سے گاڑیاں اور بلانے کا پیغام پہنچا چونکہ آپ نے صبح یہ نہ لکھا تھا کہ ہمیں چائے بھی وہیں پینی ہوگی۔ اِسواسطے معافی مانگی جاتی ہے۔ افسوس کہ ہم چائے میں شریک نہیں ہوسکتے۔ اِس وقت مصروف ہیں۔ بیشک کھانیکے وقت حاضر ہوں گے۔ والسلام

بنت عباس علی

میاں خفگی کے لہجہ میں۔ یہ تم نے کیا بے وقوفی کی۔ میں نے چائے کو نہ کہا تھا نہ تم نے صبح کے رقعہ میں چائے کو لکھا۔ اُسوقت بچوں کے بلانے کی غلطی کی تھی اِسوقت یہ کی۔

بیگم میں نے تو چائے کا نام بھی نہیں لیا۔ صرف گاڑیاں بھیجدی تھیں کہ ۴ بجے سے آئیں گی۔ تب کہیں ۸ بجے کھانا کھائیں گی۔ آخر کچھ دیر بیٹھیں گی بھی۔

میاں (سر ہلاکر) افسوس تم مجھے شرمندہ کراتی رہو گی۔ یہ ہندوستانی اَن سٹل نہیں ہے کہ رات کا کھانا کھانا ہے۔ ۲ بجے سے موجود ہو جائیں۔ ان کا وقت بیکار نہیں ہے۔ وہ صرف ۲ گھنٹے پیشتر آئیں گی۔ مجھسے دریافت کر لیا ہوتا۔ گاڑیاں اُنکے پاس ہیں۔ مجھے تمھارے ہاتھوں ان سے ملنا مشکل ہوگا

یہ کہکر چلے گئے۔ بیگم سنگار میں مصروف ہوگئیں۔ اب ذرا عباس منزل میں دیکھیں کیا ہو رہا ہے۔ ۴ بجے ہیں۔ اور سب بچے نہا دھو کر کپڑوں سے تیار ہیں۔ اور باغیچہ کے برآمدے میں سب جمع ہیں۔ دو لڑکیاں بوٹوں پھولوں کے پاس کھڑی بچوں کو علم نباتات کے متعلق کچھ سمجھا رہی ہیں۔ مرزا عباس علی صاحب آرام کرسی پر اخبار لئے لیٹے ہیں جو خورشید نے کہا۔

خورشید۔ پاپا! یہ کیا بے طریقہ معاملہ ہے اول تو دعوتی خط میں ہمیں وقت نہیں دیا کہ ۶-یا ۷ کتنے بجے وہاں پہنچنا چاہیئے۔ خیر ہم نے خود ہی ۶ بجے ٹھہرا لیا تھا۔ پھر ۳ بجے سے گاڑیاں آگئیں (سب ہنس پڑے) اور چائے کا خیال ہوا

پاپا۔ بھئی یہ تمہارا خیال ہے کہ چائے پر بلایا ہے۔ پس ملازم نے چائے کا نام نہیں لیا۔ اُنھوں نے اپنے طریق سے رات کیواسطے بلایا ہے" تو پاپا یہ تین گھنٹے وہاں بیٹھکر کیا کریں گے"۔

پاپا۔ بھئی وہاں ساون کا سامان ہے۔ کڑھائی چڑھے گی تم جھولو گی"

خورشید۔ (حیرت سے) "پاپا یہ تو مسلمان ہیں۔ سیّجیں منائیں گے۔ اور خط میں بھی لکھا تھا کہ بچوں کو لاؤ۔ بس یہی سامان ہوگا"

اندر سے ایک ملازمہ نے کہا چائے تیار ہے چلیئے۔

عباس علی - بیٹی اسوقت کمرے میں جانے کو دل نہیں چاہتا۔ برآمدے میں پئیں گے!

ملازمہ - جناب چائے یہیں رکھی ہے کمرے میں نہیں۔ یہ سب اٹھکر چائے پر گئے۔ سوا گھنٹہ وہیں لگا دیا۔ بعد چائے کے مرزا صاحب تو کلکٹر صاحب کی کوٹھی پر چلے گئے۔ پکّا وعدہ تھا۔ خورشید نے سب سے کہا۔ مسز جمیل! ڈریس ہو جاؤ۔ **مسز جمیل** - کوئی مذاق ہے کیا مجھے ہی ڈریس ہونا ہے۔

خورشید - تمہیں سنگار کا زیادہ خیال ہے۔ غرض سب نے ضروری تیاری شروع کی۔ گو خاص اہتمام کسی نے نہیں کیا۔ سب کے اچھے کپڑے تھے۔ ہلکے گلابی ساور آسمانی۔ لیسدار۔ ڈریسوں پر سفید اور دھانی کریپ کے موتیوں کی لیس کے دوپٹے تھے۔ زیور بھی سوائے بروچ اور بریسلٹ وغیرہ کے اور نہ تھا۔ انہوں نے دو گاڑیاں تیار کرکے بچوں کو اُن کی گورنس کے ساتھ کمپنی باغ میں بھیجدیا کیونکہ آج گورنس علم نباتات پر انکو کچھ سمجھانے کو تھی۔ اور خود موٹر کار تیار کرائے پانچوں لڑکیاں مع بیگم صاحبہ سوار ہونے کو دروازہ چمن پر آئیں جہاں مسٹر جمیل کھڑے تھے۔ جب یہ سب بیٹھ چکیں تو مسٹر جمیل نے کہا مسٹر خورشید! اور سب کچھ تو ہوا یہ بتاؤ ساتھ کیا لے جاؤگی۔ **خورشید** بھائی کیا لیجاتے؟ **جمیل** مجھے یاد ہے جب پچھلے مہینے ڈپٹی صاحبہ ہمارے گھر آئی تھیں تو بہت خوان اور کشتیاں مٹھائی کی ساتھ لائی تھیں اور بچوں کو روپیہ بھی دیا تھا۔ مسز جمیل ذکر کرتی تھیں۔ **خورشید** - ہاں اماں جان

---

۱۲ کپڑے پہن لو۔ ۱۲ بچوں کی معلمہ جسکے سپرد اُن کی تربیت اور نگہداشت بھی ہو۔ ۱۲

دو تولائی تھیں لیکن ہم نے تو نہ روپیہ لیا نہ مٹھائی خیر اُن کا دستور اُن کے ساتھ۔ ہمارا ہمارے ساتھ۔" موٹر کار فرّاٹے بھرتی چند منٹ میں کمپنی باغ جا پہنچی جہاں بچے پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ یہ سب آدھ گھنٹہ وہاں ٹہلیں ½ ۶ بجے سوار ہوکر ڈپٹی صاحب کے مکان پر پہنچیں +

اب ذرا اندر کا حال سُنیں۔ ۴ بجے سے درست ہوکر بیگم صاحبہ نے انتظار شروع کیا۔ چبوترے پر بہت سے تخت بچھے تھے جن پر نہایت مکلّف غالیچے وغیرہ لگے تھے۔ جب ۶ بج گئے اور مہمان بیبیاں آئیں تو وہ اُٹھکر باغ میں بچّوں کو جُھلانے لگیں۔ نوکروں سے کہدیا تھا کہ مکان پر اُترو الیا جائے۔ تھوڑی دیر ٹہرکر باغ میں چلیں گے۔ (یہ نہ سوچا کہ شام کا وقت ہے باغ ہی میں اُتروانا چاہیے) کرسی ایک ہی رکھی تھی کہ ہم انگریز تو نہیں ہیں۔ موٹر سڑک پر ٹھیری قنات رہ گئی۔ سب اُترکر برآمدے میں کھڑی ہوگئیں۔ ۵ منٹ بعد ملازمہ پہنچی جس نے کہا "سیدھی میرے پیچھے پیچھے تشریف لے آؤ"۔ یکے بعد دیگرے سب صحن سے گزرکر چبوترے پر چڑھیں۔ یہ انگریزی لباس میں تھیں۔ یہاں نشست کیواسطے تخت سا۔ اسپر طرّہ یہ کہ کوئی صاحب خانہ موجود نہیں۔ ملازمہ سوسن "آپ تشریف رکھیں۔ میں بیگم صاحبہ کو بُلاتی ہوں۔ وہ بہت دیر انتظار کرکے اُدھر چلی گئی ہیں لیکن بے معلوم۔ ۸ منٹ کے کھڑے ہوکر انتظار کے بعد باغ میں جو دروازہ تھا۔ اُس سے بیگم صاحبہ نکلیں۔ جو دھانی ریشمی جوڑے اور زیور گوٹے سے آراستہ تھیں۔ اِن کے قریب آکر یوں گویا ہوئیں۔

بیگم۔ میں نے بہت دیر انتظار کیا جب آپ نہ آئیں تو میں بچّوں کے جُھلانے کے

لیئے چلی گئی۔ آپ ابتک کھڑی ہیں۔ اتنا کہکر بیگم مسز عباس علی صاحبہ کے گلے ملیں۔ لڑکیوں سنے خود ہاتھ دینا پسند نہ کیا۔ سب نے یک زبان ہوکر کہا السلام علیکم۔ آپ جیتی رہو۔ خوش رہو کہتی ہوئی مسز عباس علی صاحبہ کا ہاتھ پکڑ کر مسندوالے تخت پر بیٹھ گئیں۔ **خورشید** چچی جان! ہم نے سنا آج آپ کی صاحبزادی صاحبہ دہلی سے آگئی ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟ **بیگم** بی بی جان لڑکیاں سامنے ہوتے شرماتی ہیں۔ اسواسطے نہیں آئیں۔ میری لڑکی صغرا اور اسکی سہیلی نواب عشرت علی کی لڑکی دونوں باغمیں ہیں۔ جاؤ تم بھی وہیں صنوبران کو لیجاؤ۔ خورشید اپنی بہن بھاوجوں کو دیکھکر چلیئے جہاں حکم ہو (انگریزی میں)۔ اب تو کھڑے کھڑے بھی تھک گئے۔ یہ پانچوں مسکراتی ہوئی صنوبر کے پیچھے پیچھے باغمیں گئیں۔ وہ اس حصہ میں لیگئی جہاں جھولا پڑا تھا پوریاں پک رہی تھیں۔ بچے تو جھولے پر تھے۔ اور دونوں نواب زادیاں ایک پلنگ پر جسپر مکلف بستر تھا بیٹھی تھیں۔ گا نیوالیاں گا رہی تھیں۔ جوہیں یہ پانچوں قریب پلنگ کے پہنچیں۔ دونوں کچھ گھبرا سی گئیں۔ گھر والی تو کھڑی ہوگئی دوسری سنے آنکھیں نیچی کرلیں۔ خورشید سب سے آگے ہوکر "سلام علیکم بہن صاحبہ"۔ دیکھیے ہم آپکے لیئے کیسے کیسے کہاں سے کہاں پہنچے **صغرا** مہربانی آپ کی۔ میں بہت مشکور ہوں۔ بیٹھیے۔ خورشید سے نہ رہا گیا اور آخر کہدیا **خورشید**۔ بہن؟ ہاں یہ مہربانی کیجیے ہمیں بٹھایئے۔ کامل پندرہ منٹ ہوئے کھڑے کھڑے کو کھڑا ہونا ہمارے لیئے مشکل نہیں ہے۔ لیکن باغ میں ٹہلنے آئی ہیں۔ اسوجہ سے بیٹھنا چاہیئے۔ یہ کہکر اپنا اپنا لباس سنبھالکر اُس

پلنگ سب پر بیٹھنے لگیں۔ ایک پلنگ اور سات لڑکیاں مشکل تھی۔ صنوبر نے جلدی
سے سہ دری میں سے نواڑ کی پلنگڑی اُٹھائی۔ صغرا نے کہا صنوبر! یہ رہنے دو
اِنکو پلنگ پر بیٹھنے میں دقت ہے کرسیاں لاؤ۔ خیر بمشکل تمام ۵ منٹ میں ۵
کرسیاں آئیں۔ اور یہ سب اُٹھنے لگیں۔ اور کہا خورشید بہن؟ معاف کریں ہم
اِس جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔ اُس حصہ چمن میں بیٹھیں گے۔ **صغرا**۔ کیوں! یہاں
تو جھولے کی بہار ہے۔ گیت سنیئے۔ **خورشید**۔ پیاری بہن! یہی وجہ ہے
کہ میں نہیں بیٹھنا چاہتی۔ آپ میری بھاوجوں کو بٹھالیں میں ہندوستانی
غزلیں نہیں سنتی۔ پاپا سخت بُرا سمجھتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے پانچوں کی
پانچوں ہی دوسری طرف آگئیں۔ صغرا بھی پیچھے پیچھے سبز طلائی کام کا
بھاری پائجامہ سنبھالتی ہوئی آئی۔ اور خورشید کا شانہ پکڑ کر کہا۔ اچھا اگر
ناپسند ہیں تو میں بند کرائے دیتی ہوں۔ **خورشید**۔ آپکو تکلیف نہو تو ایسا
کیجئے۔ غرض صغرا نے غزلیں بند کرادیں۔ اور سب کو ادھر لے آئی۔ وہ پھر
پلنگ پر بیٹھیں۔ **صغرا**۔ کرسی پر بیٹھئے۔ **خورشید**۔ نہیں۔ جہاں آپ
وہاں ہم۔ کرسی ضروری نہیں ہے۔ جب یہ بیٹھ چکیں تو ایک ملازمہ چینی کے
خوبصورت قاب میں اعلیٰ درجہ کی پوری کچوریاں رکھکر لائی۔ اور سٹول پر
رکھدیں۔ **صغرا**۔ لیجئے بہن و بھابی جان صاحبان پکوان کھائیے۔ ہماری تو
یہی خاطر ہے۔ یہی دن ہیں۔ **خورشید**۔ اوہ بہن معاف رکھیئے۔ ہم چائے
پیکر آئے ہیں۔ **صغرا**۔ چائے کو تو نہیں کہتی۔ یہ تو بچوں کی پوریاں ہیں۔ تب
خورشید۔ آپ جانتی ہیں کہ ہم وقت پر کھاتے ہیں۔ اب تھوڑا سا بھی نہیں

سے سکتے۔ صغرا۔ بہن یہ تو تم دانستہ دل آزاری کرتی ہو۔ ہم نے ساون کی بہار میں جھولے کے لیے بُلایا ہے۔ بیشک انگریزی طریق پر چلتی ہو۔ آخر ہو تو ہندوستانی۔ جھولا جھولو۔ پکوان کھاؤ۔ اتنی بھی انگریزیت کیا۔ اِس سخت تقریر سے سبھی تو جل گئیں۔ قریب تھا کہ خورشید کچھ بولے لیکن خورشید کنواری لڑکی تھی۔ زیادہ بولنا سختی سے ناپسند اور معیوب جانتی تھی۔ کچھ نہ بولی۔ مسز جمیل سے نہ رہا گیا۔ اور کہا۔ بہن صغرا! آپ سوچکر تو بولی ہوتیں۔ ایسی تقریر جسمیں سختی کی آمیزش ہو ہرگز ہم لڑکیوں میں نہونی چاہیئے۔ آپنے محبت سے ہمیں بُلایا ہے۔ ہم بھی خالص دل سے آئے ہیں نہیں ایسے سخت الفاظ نہ بولنے چاہیئیں۔ اب آپنے کہا تو مجھے صحیح جواب دینا پڑا۔ بیشک ہم ہندوستانی ہیں۔ لیکن مسلمان ہیں ہندو نہیں ہیں کہ تیجیں منائیں جھولا جھولیں خیر ہم دوسرا اعتراض نہیں کرتیں۔ آپ کی مہربانی ہے کہ ہمیں جھولے میں شریک کیا۔ لیکن پیاری بہن! ہمیں پہلے خبر کرنی چاہیئے تھی کہ تم کو رات کا کھانا اور شام کی چائے اور جھولا پارٹی دیجائیگی پھر اگر ہم نہ کھاتے تو بڑا تھا۔ اسوقت چائے پیکر آئے ہیں۔ اول تو پکوان ثقیل ہے کبھی کھایا نہیں۔ خیر ہم چائے کی میز پر بجائے کیک بسکٹ وغیرہ کے پلوان ہی کھالیتے۔ لیکن آپنے شاید چائے کو نہ لکھا تھا سو اب ہم نہیں کھا سکتے۔ یہ مناسب تقریر سنکر صغرا دم بخود ہو گئی۔ اگر اسکی ماں جھوٹی تو اب بھی بول پڑتی۔ لیکن وہ تمیز کنندہ ہیں اسلئے چپ ہو رہی تھی۔ وہ سمجھتا جانتی تھی ذرا سمجھدار تھی۔ چند منٹ سکوت [illegible]

یہ بُری بات ہے۔ آئے خوشی کو۔ بگاڑ ہو جائے۔ یہ اسکا قصور نہیں ہے بلکہ
جہالت کا قصور ہے۔ اب کوئی بات کرو جس سے بول چال ہو۔ چنانچہ بڑی
بہن مسز امجد علی نے کہا۔ بہن صغرا تم نے گیت بھی بند کرا دیئے۔ اور بچے
بھی چپ الگ ہو گئے۔ اب تم گھبرا جاؤگی۔ کچھ کرو۔ بچوں کو بہلاؤ۔ تاکہ ہم دیکھیں
رہے تو لکھنؤ ہی میں۔ لیکن ایک حصہ عمر کا سکول میں گزرا۔ ہم ناواقف ہیں۔ وہ
گیت گاؤ جو ہم نے کتابوں میں دیکھے ہیں۔ "تمیں ہنڈولا گڑا او بابل"۔ یہ
بچوں کے مناسب حال ہیں۔ صغرا۔ کھسیانی سی ہو کر۔ اچھا حسینی چنبیلی!
جھولے کے گیت گاؤ۔ بچوں کو بہلاؤ۔ چنانچہ شور مچگیا۔ کوئی گرا کوئی چڑھا
گیت گائے گئے۔ یہ بہنیں ہنس کر لوٹ ہو گئیں۔ اور خورشید نے کہا منوبر
ہماری اماں جان کو بلا۔ یہ منظر دیکھیں۔ وہ گئی اور دونوں بیگمات آگئیں۔ خورشید
نے اٹھکر اپنے ہاتھ سے اماں کو کرسی دی۔ اور خود سب پلنگ ہی پر بیٹھیں۔ پکوان
کا معاملہ اندر ہی طے ہو چکا تھا۔ مسز عباس علی نے انکار کر دیا تھا۔ بمشکل ۱۵
منٹ کے بعد بیگم عباس علی یہ کہتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔ بیٹی مجھے معاف
کریں۔ اسوقت ذرا اکیلے میں ٹہلوں گی۔ یہاں بہت گھمسان ہے۔
صاحب خانہ۔ بہت اچھا۔ افسوس تمہیں جھوٹے پکوان سے لگاؤ نہیں
وہ دونوں دوسرے حصہ میں آگئیں تو پھر خورشید بولی۔ ہم یہ نہ سمجھ سکے
یہ بہن صاحبہ کیوں خاموش رہیں۔ کیا اِنکے گھر بولنے کا دستور نہیں ہے؟
صغرا۔ چونکہ پہلی ملاقات ہے۔ شرم کرتی ہیں۔ دسب انگریزی میں اغزلیں
سنتے شرم نہیں آتی۔ بولتے شرم آتی ہے۔

مسز جمیل۔ اب ہم بہت بیٹھے۔ یہاں سے اٹھنا چاہتے ہیں صغرا بہت اچھا۔ کہاں چلیں گی۔ **خورشید**۔ کہیں چلیں۔ یہاں سے ہٹ جائیں۔ آگ کی گرمی ہے۔ سایہ ہے۔ طبیعت رُکتی ہے۔ غرض سب کھڑی ہو گئیں۔ عشرت محل کی صاحبزادی جنکا نام سردار بیگم تھا اٹھنے کو ہوئیں۔ ملازمہ نے جوتی دی۔ بھاری لباس تھا۔ تھام کر چلیں دوسری طرف کچھ تو دو بنچ وغیرہ پڑے تھے۔ ذرا ہٹ کر بیٹھ گئیں۔ (شاید بہن حیران ہوں کہ سامان تو اتنے تھے بنچ کیوں میلے تھے۔ بات یہ ہوکہ ڈپٹی صاحب نے تو کہدیا تھا کہ آدھا باغیچہ میز کرسی سے آراستہ ہو۔ بیگم نے یہ کہا کہ ہم انگریز نہیں وہ انگریز نہیں۔ اسلئے کچھ نہ کیا تھا۔ اسی غلطاں پیچاں میں ۲ گھنٹے گزر گئے۔ اب پونے آٹھ تھے۔ جو بارش ہونے لگی۔ یہ سب گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔ لیمپ روشن ہو چکے تھے۔ لیکن انکی روشنی بھی قدرے باقی تھی جوں ہی بوندیں پڑیں یہ سب ایک سہ دری میں کھڑی ہو گئیں جہاں سوائے چند پرانے مونڈھوں کے کچھ نہ تھا۔

صاحب خانہ بیگم۔ چلو اب مکان میں کھانا کھائیں گے۔ سب نے شکر کیا۔ اور اندر آئیں۔ لیکن سب ساتھ ہی چلیں۔ تو صغرا نے ٹوکا اور کہا۔ بہن خورشید آپ کہاں جاتی ہیں۔ ہم دوسری طرف الگ کھانا کھائیں گے۔ خورشید حیران تو بہت ہوئی۔ لیکن واپس اُسکے پیچھے چلیں۔ یہ ساتوں ایک آمدے میں جسکو صحنچی کہنا چاہیے آگئیں۔ یہاں پنکھا لگا تھا۔ لیکن کھانیکا سامان نہ تھا۔ صرف تخت پر سوزنی وغیرہ بچھی تھی ویسے صاف تھا سب کچھ۔ یہ پتیر

نیچے لٹکا کر سب تختوں پر بیٹھ گئیں۔ دونوں بیگمیں اپنے برآمدے میں جا بیٹھیں۔ اب خورشید وغیرہ یہ دیکھتی تھیں کہ کھانا کہاں کھایا جائے گا یہاں کوئی جگہ مخصوص نہ تھی۔ بارش سخت تھی۔ ان سب نے گھڑیاں دیکھنی شروع کیں۔ خورشید۔ مسز جمیل! ۸ بجگئے۔ اوہو۔ بارش بھی سخت ہے (یہ بات انہوں نے اس لیئے کہی کہ اب کھانیکے کمرے میں چلیں)۔

صغرا۔ صنوبر! جلدی کھانا نکلوا لاؤ (سب نے ایک دوسری کو دیکھا کہ یہاں نہ میز ہے نہ اور کچھ سامان۔ کھانا کہاں رکھا جائیگا)۔ اس بارش میں سرپوشوں سے ڈھک کر ماما ئیں کھانا لائیں۔ اوّل سیلابچی اور پانی آیا۔ سب نے ہاتھ دھوئے لیکن مسز جمیل نے کہدیا کہ میرے ہاتھ صاف ہیں۔ صغرا۔ معلوم ہوتا ہے بھابی جان کو بہت فکر ہے۔ آخر بچوں والی ہیں۔ مسز جمیل۔ نہیں مجھے بچوں کی کوئی فکر نہیں۔ وہ باغ میں تھے نرس ان کے ساتھ ہے۔ اِسوقت مکان پر کھانا کھاتے ہوں گے۔ صغرا۔ پھر کیوں افسردہ ہیں؟ خورشید وجہ یہ ہے کہ بارش سخت ہے۔ جانے میں دیر ہوگی۔ آخر وہیں تخت پر دسترخوان بچھا۔ نہایت مکلف مزیدار کھانے چُنے گئے۔ جب سب رکھا جاچکا تو ایک ملازمہ نے مسز امجد علی کے پیر پکڑ کر بوٹ کا فیتہ کھولنا شروع کیا۔ مسز امجد علی۔ ہائیں۔ یہ کیوں۔ ملازمہ۔ بی بی کھانا کھاؤ نہ۔ جوتی پیر میں پہنے رکھوگی۔ مسز امجد علی۔ نہیں وقت تنگ ہے ہم ویسے ہی کھائیں گے بمشکل سب نے پیر نیچے رکھے۔ اور جلدی جلدی کھانا کھایا۔ یہ ۲ گھنٹے سے پیشتر نہ اٹھتی تھیں۔ اب ۱۰ منٹ میں سب کھڑی ہوگئیں۔ صغرا۔ ہم نے سنا ہے

انگریزی طریق والے کھانے پر ۲-گھنٹے لگاتے ہیں۔ اور باتیں کرتے ہیں۔
خورشید۔ اں کھانے کی میز پر دستور تو ایسا ہی ہے اور وقت بھی زیادہ
خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اسوقت بارش ہے۔ ہم نے جیسا کھایا۔ کھا لیا جاؤ
صنوبر۔ اماں جان سے کہو تیار رہیں۔ ہم چلتے ہیں۔ وہ بھی جلدی سے کھا
چکی تھیں۔ کھڑی ہوگئیں۔ بارش بھی ان منٹوں میں ذرا کم ہوگئی یہ تیار
ہوگئیں۔ پان آئے۔ انہوں نے ساتھ لیئے۔ چلتے وقت سب نے کہا کہ ہم آپکی
اس ملاقات اور بے تکلفی سے بہت خوش ہیں۔ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس
یگانگت کا۔ پھر ملیں گے۔ موٹر کار فوراً عباس منزل پہنچی۔ وہاں کھانے
کمرے میں بچے اور بڑے انتظار میں تھے۔ فرسٹ میز پر رکھا تھا جاتے ہی
انہوں نے کھانا شروع کیا۔ اور سب حال ہنس ہنسکر بتایا۔ عباس علی
یہ سب جہالت کی خرابی ہے۔ بھئی کوشش کرو کہ انکے گھر کی کچھ درستی ہوجاوے
خورشید۔ انشاءاللہ اگلے ہفتہ لکچر دوں گی ان کو بھی بلاؤنگی۔ باقی آئندہ
بنت نذر الباقر۔ سیالکوٹ کنٹونمنٹ

سیر یورپ

(از ہر ہائنس بیگم صاحبہ جنجیرہ جشان)

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

سینچر ۔ ۲۳ ۔ مئی ۱۹۱۰ء ۔ صبح کو دس بجے ہی ہمارے عزیز دربار اور شاہی ملاقات کا حال سننے آئے ۔ مرزا جان سب سے پہلے پہنچے ۔ از ہر بھائی تھوڑی سی دیر بعد لوٹ اُنکے دوست اگا سکر ساتھ تھے ۔ عطیہ بہن نے شروع سے اخیر تک سارا حال سنایا ۔ اور وہ لوگ بہت محظوظ ہوئے ۔ اُسی روز شاہی بال کی دعوت ہم چاروں کے نام آگئی ۔ یہ بال قصر بکنگھم میں ہوگا ۔ اور یقین ہے کہ نظارہ قابل دید ہوگا اب ہم گویا لنڈن کے طبقہ اعلیٰ کی زندگی کے چکر میں آگئے ۔ نہ رات کو آرام نہ دن کو چین ۔ یہ عجب لوگ ہیں جو مہینوں اس چکر کی برداشت رکھتے ہیں ۔ ہم تو باوجود اسکے کہ یہ سب باتیں نئی ہونیکے اعتبار سے دلچسپ ہیں دو دن میں اکتائے جاتے ہیں ۔ گھر سے جو خط آتے ہیں اُن میں وہاں کی صاف اور سادہ زندگی کا حال پڑھکر میں بیان نہیں کر سکتی کہ کتنا رشک آتا ہے ۔

دوپہر کے بعد ہم ایک کھیل دیکھنے گئے جسکا آج کل لنڈن میں بہت چرچا ہے ۔ کھیل تو ہمیں کچھ بہت بھلا نہیں معلوم ہوا مگر موسیقی جو اسمیں رکھا گیا ہے بیشک عمدہ ہے ۔

اتوار ۔ ۲۴ ۔ مئی ۱۹۱۰ء ۔ آج کے دن لنڈن میں قریب قریب سب کاروبار بند ہوتے ہیں ۔ اصول یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دن ہر شخص آرام سے ۔

چنانچہ آج اکثر لوگ گرجاؤں سے فارغ ہوکر پارک کی سیر کو نکل آتے ہیں اور پارک
میں بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ پارک کی سیر کیلئے اور اس ہجوم کے دیکھنے کو ہم بھی
گئے۔ اور دیر تک پارک میں پھرتے رہے۔ آج کا پیدل چلنا چونکہ میرے لئے غیر معمولی
تھا اور میں نے جوتی بھی نئی پہنی تھی اسلئے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ دربار کے
لباس میں تصویر اتروانے کا انتظام پہلے سے ہو لیا تھا۔ اس لیئے ذرا آرام
لیکر وہاں جانا پڑا۔ تصویر والے کی دکان ٹاٹا کے مکان کے قریب ہی تھی
ہم نے بہت چاہا کہ ان سے ملتے چلیں مگر نہ ہو سکا۔ کیونکہ مس رائی کے ہاں
جانیکا وقت آگیا تھا اور جانے سے پہلے گھر جاکر ہمیں کپڑے بدلنے تھے۔ کپڑے
بدلکر وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ہندیوں کا ایک معقول مجمع ہے۔ مہارانی کوچ بہار کے
بھائی اور انکی بیوی بھی وہاں موجود تھے۔ مرزا جان اور آزہر بھی وہاں مل گئے
اور آزہر کو ہم ساتھ لیتے آئے۔ حضور، بھائی سیدی میاں دیر تک باہر تماشے میں رہے
اور انہر اور میں اور عطیہ گھر میں ذرا اطمینان سے بیٹھے اور یہ تھوڑا سا وقت آرام کا مجھے بہت غنیمت
معلوم ہوا۔ عزیز طیب کو میں نے بھائی قمر الدین کے ہاں سے موٹر بھیجکر بلوا لیا۔
بمبئی میں تو کچھ باتیں بھی کرتا تھا۔ یہاں تو بالکل چپ رہنے کی قسم کھائی ہے
بمشکل مجھسے دو چار باتیں کیں۔ مگر ماشاءاللہ صحت اچھی ہے۔ اور پڑھنے کیطرف
متوجہ ہے۔ اتوار بھی سکول ہی میں گذارتا ہے۔

پیر ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء۔ حضور، عطیہ اور بھائی جان میوزیم دیکھنے گئے
میں نہ گئی کیونکہ آبلوں کو از سر نو تازہ کرنے میں مصلحت نہ دیکھی۔ دوپہر کو دو بجے
کے قریب ہم کوئینز ہال میں۔ مسٹر پگنو اور لسینی (دو مشہور موسیقی داں) میں

کا اظہارِ کمال دیکھنے گئے۔ پگنتو پیانو بجانے میں اور سینی وائیولین بجانے میں کمال ہے۔ کیا بیان کروں کہ دونوں نے کیسی ہوا باندھی۔ سارا ہال جسمیں کوئی چار ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں اوپر سے نیچے تک بھرا ہوا تھا۔ اور سننے والوں نے تالیاں بجا کر داد تو اس قدر اور اتنی مرتبہ دی کہ شکریہ کا سلام کرتے اور جھکتے جھکتے دونوں کی گردنیں تھک گئی ہونگی ❖

واپس مکان پر آئے تو معلوم ہوا کہ لیڈی رسے صاحبہ تشریف لائی تھیں۔ ہمکو گھر میں نہ پاکر انہیں افسوس ہوا اور کچھ ٹکٹ ناٹک کے دی گئی ہیں جسمیں بجائی اور حضور جائینگے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ حضور مکان پر تھے اور وہ اس لیئے ٹھیر گئے تھے کہ اُن کے قدیم دوست سر ولیم لی وارنر جو آجکل وزیر ہند کی کونسل کے ممبر ہیں ملاقات کو آنیوالے تھے۔ حضور سے معلوم ہوا کہ وہ بھی آئے۔ اور دونوں دوستوں میں بہت دیر تک ملاقات رہی۔ جسوقت ہم تھئے لارڈ لیمنگٹن سابق گورنر بمبئی حضور کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ میں جو دروازہ کھولکر اندر داخل ہوئی تو سامنے بیٹھے تھے۔ میں بہت گھبرائی کیونکہ جزیرہ میں جب وہ تشریف لائے تھے تو میں اُن سے نہیں ملی تھی۔ اور اب یہاں ملنا پڑا۔ میں نے لیڈی لیمنگٹن کا حال اُن سے پوچھا۔ بیچارے بہت افسردہ تھے کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ کہنے لگے کہ اسی سبب سے حضور کی دعوت کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا کہ گھر میں ایسی بیماری ہے ❖

اخباروں سے اور ایچل ساسوں کے خط سے مہاراجہ کپورتھلہ کے پیرس تشریف لیجانے کا حال معلوم ہوا۔ سنا ہے بہت سے لوگ ہمراہ آئے ہیں اور نئی

ثانی صاحبہ بھی ساتھ ہیں۔ اقبال بھی اُسی شب کو آئے تھے۔ کھانا یہیں کھایا اور دیر تک دنیا بھر کی تاریخ اور فلسفہ کی گفتگو ہوتی رہی۔

منگل ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء۔ لیڈی رے صاحبہ نے مجھے اور عطیہ کو لنچ پر بلایا یہ کہکر کہ نواب صاحب کو یوں نہیں بلا سکتی کہ اس دن لارڈ صاحب گھر پر نہ ہونگے اس لیئے ہم آپ ہی ہوں گے۔ اصل میں یہ دعوت لیڈی رے صاحبہ نے ہمیں ڈچس سامرسٹ سے ملانیکے لیئے دی تھی۔ ڈچس نارفوک کے بعد یہ انگلستان میں سب سے بڑی ڈچس ہیں۔ آجکل وہ اپنی بہن کے سوگ کے سبب کہیں آتی جاتی نہیں۔ لیڈی رے سے بہت دوستی ہے اسلیئے آگئیں۔ دونوں بہت تپاک سے ملیں۔ ایک دوسری کو پیار کیا۔ یہاں کی امیر عورتیں بھی عجب عجب مفید کام کرتی ہیں۔ مثلاً انھوں نے ایک مجلس قائم کی ہے جسکا مقصد ہے کہ یہاں کے دیہات کے غربا کو مرغیوں کے پالنے اور انڈے جمع کرنیکا کام سکھایا جائے تاکہ انگلستان اپنی ضروریات کے مطابق انڈے خود پیدا کر سکے اسوقت بیحد و شمار انڈے باہر سے آتے ہیں۔ خدا جانے ہر سال کتنے ملین پونڈ یا کتنے کروڑ روپیہ کے انڈے انگلستان میں باہر سے آکر بکتے ہیں جن کا نفع دوسرے ملکوں میں جاتا ہے۔ یہ ڈچس صاحبہ اس کوشش میں ہیں کہ اس نفع کا بہت حصہ ملک ہی میں رہے۔ انکی ترقی کا یہی باعث ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کے دل میں ملک کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ملک کو فائدہ پہنچاؤں۔

اتفاق سے خلاف توقع لارڈ رے بھی آگئے۔ کسی جلسہ میں ڈیبیٹ (مباحثہ) میں

شریک ہونے گئے تھے۔ ذرا جلدی فرصت ملگئی تو گھر آ گئے۔ پھر جو اُن میں اور
ڈچس سامرسٹ میں باتیں ہونے لگیں تو ہم نقش دیوار بن کر سنا کیئے۔ اُمہو
بڑا معلومات ہیں اور ہر ایک چیز کا حساب نوک زبان۔ ہم سے بہت اچھی طرح پیش
آئے۔ ہماری انگریزی کی داد دینے کے بعد ہندوستانی لباس کی تعریف
کرتے رہے۔ رینلیہ کلب ایک نہایت ممتاز کلب ہے جس میں مشکل سے لوگوں
کو جانے دیتے ہیں۔ اُسکے ٹکٹ ہمیں دے کر وہاں آنے کی دعوت دی۔ لارڈ
اور لیڈی رے دونوں باوجود بڑھاپے کے غضب کے مستعد اور باہمت ہیں۔ باتوں
باتوں میں لیڈی رے نے کہا کہ وہ زین سواری کو گئی تھیں۔ میں اور عطیہ بمشکل
سے ہنسی روک سکیں۔ مگر سوچا تو اُنکی ہمت کی داد دینی پڑی۔ لیڈی رے کی عمر
اسوقت کوئی ستر سال کی ہوگی۔ اسپر سواری کا شوق اور قابلیت +

لیڈی رے کے ہاں سے مکان کو لوٹے ہی تھے کہ لیڈی پرمروز کے
ہاں جانے کا وقت آگیا۔ وہاں بھی بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ مگر
ہم زیادہ دیر ٹھیر نہ سکے۔ کیونکہ شاہی بال میں جانے کی تیاری درپیش تھی۔ لیڈی
پرمروز نے باصرار کہا کہ میں تمھارا لباس دیکھنا چاہتی ہوں۔ اجازت دو تو آجاؤں
میں نے کہا کہ اگر آپ کی خوشی ہو تو تشریف لائیے۔ اُن کا مکان قریب ہی ہے
چنانچہ وہ شام کو آئیں۔ اور کارچوبی کام کی بیحد تعریف کرتی رہیں۔ ان لوگوں
کو ہماری سب چیزیں نئی معلوم ہوتی ہیں۔ تھوڑی سی دیر میں ہم سب تیار ہو گئے
حضور نے تارکشی انگرکھا اور نافرمانی عمامہ پہنا تھا۔ جی۔سی۔آئی۔ای کا پٹکا اور
تمام اپنے لباس پر خوب زیب دیتے تھے + باقی آئندہ

بہنوں کو نصیحت

میری عزیز بہنو! عصمت نے ہمارے دلمیں علم کے شوق کو دوچند کر دیا ہے۔ اور ہمیں اپنا بھلا برا سوچنے کی طرف مائل کر دیا ہو۔ اسکے سبب سے دوسری بہنوں میں رشتہ ہمدردی کا پیدا ہو گیا ہے جس سے ہمیں کام لینا چاہیئے جو بات جس بہن کے خیال میں آئے جس سے دوسری بہنوں کی مدد ہو سکے اُس کو چاہیئے کہ اِس رسالہ میں چھپوا دے۔ آج میں چند کار آمد باتیں لکھتی ہوں وہ کچھ نئی تو نہیں ہیں لیکن ایسی ہیں کہ ہر بہن انکو پیشِ نظر رکھے۔ سب سے پہلے تو ہمیں اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ فضول خرچی سے بچیں۔ ایسا خرچ نہ کریں کہ جسمیں نہ کچھ اپنا نفع ہو اور نہ کچھ دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اِسکے سوا محنت کرنا وقت کو رائیگاں نہ کرنا۔ کسیکو دھوکا اور فریب نہ دینا۔ انصاف کو ہر وقت مدِنظر رکھنا۔ انتہا پسندی کی بجائے ہر بات میں اعتدال رکھنا۔ ایسی صفات ہیں جو ہر ایک کو مفید ہیں۔ صفائی کا ہر بات میں یعنی جسم۔ مکان۔ پوشاک و خوراک وغیرہ میں لحاظ رکھنا۔ نہایت ضروری ہے۔ ادنیٰ سی بات پر خفا ہونے کی عادت نہ ہونی چاہیئے۔ حتی الوقت ورشک کو دلمیں دخل نہ دینا چاہیئے۔ حتی الوسع حلم اور انکسار کو اپنے دل میں جگہ دیں۔

اے پیاری بہنوں! ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ دنیا میں کیسی کیسی مشہور اور اولوالعزم خواتین گزری ہیں۔ جنہوں نے بہادری کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی اُن میں ایک نور جہاں بیگم تھیں جو بادشاہ جہانگیر کی ملکہ تھیں۔ اِسکے زمانہ کے

انقلاب اور عروج کو دیکھکر اُس کی عظمت اور جبروت میں کچھ شک نہیں رہتا وہ اپنے حسن ولیاقت کی وجہ سے صرف سلطنت کی ہی مالک نہ بنی بلکہ بادشاہ کا دل ایسا قابو میں کر لیا کہ تمام معاملات میں بادشاہ اُسکے اشارہ پر چلتا تھا یہاں تک کہ سکہ میں بھی اُسکا نام شامل ہوگیا۔ اور تمام امور سلطنت میں اُس کا حکم چلتا۔ اور وہ حکمرانی کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ ہندوستان کی تواریخ میں اس ملکہ نے بڑا حصہ لیا ہے اس نے اپنی لیاقت اور تدبیر سے وہ کام کیے جو بڑے بڑے عاقل اور مدبر مردوں سے بن نہ پڑتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمدہ تعلیم اور تربیت اور اچھے موقعے ملنے سے عورتیں دنیا میں بہت لائق اور قابل ہوسکتی ہیں۔ سب بہنوں کو اپنی اپنی جگہ اپنے حالات کے موافق بڑھنے اور ترقی کرنے اور اپنی ہم جنسوں کی نیک نامی بڑھانیکا خیال رکھنا چاہیے۔

راقمہ۔ اے ایف راز بکسر کھیڑا ضلع میرٹھ

بچوں کے اخلاق کی درستگی

ابھی حال میں ہمارے صوبہ کے ہردلعزیز لفٹنٹ گورنر صاحب نے الٰہ آباد یونیورسٹی کے سالانہ موقع پر ایک اسپیچ دی ہے۔ میرے بھائی کے پاس لکھنؤ سے ایک انگریزی اخبار آتا ہے۔ اُسمیں وہ سب لکھی ہوئی تھی۔ اور اُنھوں نے اُس کا ترجمہ کر کرکے ہم سب کو سُنایا۔ باتیں تو سب شروع سے آخر تک بہت اچھی تھیں۔ گو بہت سے امور ایسے تھے جن کی بابت مفصل حال معلوم نہ ہونے سے وہ سمجھ میں نہ آسکیں لیکن ایک بات میرے دلمیں بہت کھٹکی۔ اور وہ یہ کہ اسکول کے لڑکوں کا اخلاق جیسا چاہیئے ویسا نہیں ہوتا۔ یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ اِسکی نسبت تو وہی لوگ رائے قائم کر سکتے ہیں جنکو اسکول کی زندگی کا تجربہ ہے لیکن صحیح ہونیکی حالت میں اِس غلطی کی ذمہ دار یقیناً ہم مستورات ہیں۔ لڑکیوں کی تو خیر ساری زندگی گھر ہی میں گزرتی ہے۔ لیکن لڑکوں کی شروع تربیت کا بھی بہت بڑا حصہ ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے گھروں میں تربیت کے اُصول ایسے خراب ہیں کہ جنسے خواہ مخواہ بچوں کی بُرائی اُٹھان ہوتی ہے۔ ایک بڑی خرابی تو یہ ہے کہ ہم بچوں کو جھوٹ بولنا خود سکھاتی ہیں۔ اور وہ محض اسلیئے کہ ہم کو تھوڑا سا آرام ملے۔ بچہ کسی بات کو پوچھ رہا ہے اور یہ خیال ہے کہ اگر اُس سے "نہیں" کہا جائیگا تو وہ مچل جائے گا اور رونے لگیگا اُس سے "ہاں" کہدیتی ہیں۔ اور پھر اُسکو خوب سمجھا کر اُسے اِس بات کا یقین دلایا جاتا ہے کہ جو کچھ جواب میں کہا گیا وہ صحیح ہے۔ بچہ اِس سے

ذرا دیر کے لیے خوش ہوجاتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے یقین کے خلاف اُس بات کو ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اُسکو نہ صرف جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہو بلکہ آیندہ سے وہ گھروالوں کے کہنے کا اعتبار نہیں کرتا۔ دیکھنے میں تو یہ ذراسی بات ہی لیکن یہی گویا بُرائی کا بیج بونا ہے اور اُسکی تمام آیندہ زندگی کا خراب کرنا ہے ؎

دوسری بُری خرابی یہ ہے کہ ہمارے گھروں میں لڑکے اطاعت اور فرما برداری کا سبق نہیں سیکھتے۔ اُن پر یا تو اس قدر سختی کیجاتی ہے کہ وہ تنگ آکر نافرمانی کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اگر اُن میں ایک دفعہ بھی بیحیائی کی عادت ہوئی تو پھر ساری عمر نہیں جاتی۔ اور یا اُن کو اسقدر آزادی دیجاتی ہے کہ اُنکو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بڑوں کا حکم بھی کوئی چیز ہے۔ دونوں حالتیں جیسی خراب ہیں ظاہر ہی اسلیئے ہم کو چاہیئے کہ اول تو بچوں کو ایسا حکم ہی نہ دیں جو اُن کے اختیار سے باہر ہو اور جو حکم بھی دیں وہ بہت شفقت آمیز لہجہ میں ہو پھر جب بچہ وہ کام کرد ے تو اُسکو شاباشی دیکر اُسکو پیار کرنا چاہیئے جس سے اُسکی حوصلہ افزائی ہو اور ہمت بڑھے۔ بچونکو آزاد چھوڑ دینا اور بہت پیار و ناز میں رکھنا خرابی کی دوسری حالت ہی۔ میں نے ایک اُردو کی کتاب میں ایک شعر پڑھا تھا اس موقع پر اُس کا لکھنا بہت ہی مناسب ہے اسلیئے اُسکو لکھتی ہوں ؎

نہ حلوا بن کہ چٹ کر جائیں بھوکے ۔۔۔ نہ کڑوا ہو کہ جو چکھے سو تھوکے

تیسری بڑی خرابی یہ ہی کہ بچے ماں باپ کو اپنا ہمراز اور اپنی غمخواری کی حالت میں نہیں دیکھتے۔ شروع ہی سے ماں باپ بچوں پر ایسا رعب اور دبدبہ قائم کردیتے ہیں

کہ بچہ اُن کو ہوّا سمجھنے لگتا ہے اور جو بات اپنی خواہش کی کرنا چاہتا ہے وہ اُن سے چھپا کر۔ اُسکے دلمیں یہ خیال ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ میری خواہش کوئی چیز نہیں۔ مجکو جو کچھ کرنا ہے وہ صرف ماں باپ کی مرضی کے مطابق خواہ وہ میری خواہش کے مطابق ہو یا نہو اُسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بچہ اپنی خواہش کے کام چاہے وہ اچھی ہی کیوں نہوں کبھی اپنے ماں باپ کے سامنے کرنیکی جراءت نہیں کرتا۔ میرے خیال میں یہ بات بھی کوئی اچھا نتیجہ پیدا کرنے والی نہیں ماں باپ کو بچوں کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیئے کہ وہ ہر بات کو چھوٹی ہو یا بڑی ہر کام کو اچھا ہو یا بُرا ماں باپ کے سامنے ایسی ہی بے تکلفی سے کریں جیسے اپنے ساتھ کے کھیلنے والوں کے سامنے۔ اِس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ بچے کی بُری باتوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور اُسکے خیالات معلوم ہونے سے اُسکی درستگی ہو سکتی ہے +

غرض یہ ہے کہ بچوں کے اخلاق کی جو شکایت ہے درصل اُسکی جوابدہ ہم مستورات ہی ہیں۔ مگر ہم میں سے بہت ایسی ہیں جو اِس بات کو نہیں جانتیں وجہ یہ ہے کہ ہمکو اپنے فرائض سے آگاہی نہیں۔ خدا تہذیب۔ خاتون عصمت ایسے پرچوں کو برقرار رکھے جن کے ذریعہ سے اب کچھ کچھ ہماری جہالت دُور ہو گئی ہے۔ عصمت میں یہ مجکو پہلی مرتبہ مضمون لکھنے کا اتفاق ہے اُمید ہے کہ آئندہ بھی اس بزم میں شریک ہوا کروں گی +

ن۔ ا بیگم از دہرہ دون

حمدِ خدا

اے خدا! ہے تو ہی خلاقِ زمین و آسماں — تو ہی نے پیدا کیے ہیں مہر و ماہ و انس و جاں
کیا تری تعریف ہو سکتی ہے؟ ہو سکتی نہیں — حمد کے قابل نہ انساں ہے نہ انساں کی زباں
تیری صناعی کے قرباں کیسی کیسی صنعتیں — ہیں عیاں ہم دیکھکر ہوتے ہیں جنکو شادماں
کونسی بہتر سے بہتر چیز ہو جو یاں نہیں — رشکِ گلزارِ جناں گویا ہے یہ باغِ جہاں
تیری کس کس مہربانی کا ادا ہو ہم سے شکر — کیسی کیسی نعمتیں تو نے عطا کیں ہمکو یاں
عقل سی شے کی عطا تو نے ہمیں پروردگار! — پھر بنایا تو نے ہم کو اشرفِ خلقِ جہاں
تیرا فضل و رحم نیکوں پر بدوں پر عام ہے — ہے مگر تو نیک لوگوں پر بڑا ہی مہرباں
کوئی بر لاتا نہیں حاجت کوئی تیرے سوا — ہے یقیں ہر ایک کی سنتا ہے تو ہی بیگماں
بیکسی میں صابروں کا ساتھ دیتا ہے تو ہی — شاکر و قانع کو کرتا ہے تو مقبولِ جہاں
جس سے تو خوشنود ہو اُس سے ہر اک خوشنود ہو — اُس پہ سب نامہرباں ہو جس پہ تو نامہرباں
تیرے فرماں بر کو اطمینان و راحت ہے نصیب — تیرے نافرماں کو ہے تشویش و وحشت ہر زماں
جس پہ تیرا رحم ہو اقہر اُس پہ کر سکتا ہے کون — جس پہ تیرا قہر ہو اُسکو کہاں امن و اماں
تو اگر چاہے تو ہو جائے ابھی عالم تباہ — جو نہیں قائل تری قدرت کے وہ انساں کہاں
جو ہو جاہل وہ تجھے پہچان ہی سکتا نہیں — علم وہ ہی سیکھتا ہے جس پہ تو ہو مہرباں
فضل سے تیرے کبھی محروم وہ ہوتا نہیں — ثابت و صابر جو ہو لا تقنطوا پر ہر زماں
پرورش کرتا ہے تو ہی رزق دیتا ہے تو ہی — ہے حیات و موت کی تیرے ہی قبضہ میں عناں
تو ہی بیماری میں رنج و غم میں لیتا ہے خبر — تو ہی حامی بیکس و مظلوم کا ہے ہر زماں

عالم الغیب ہے خدا! تیرے سوا کوئی نہیں — مجھ سے جو شے ہے نہاں اے رب وہ تجھ پر ہے عیاں
کیسا ہے بھرپور کرم تیرا خداوند کریم — ہم ہیں اشرف ہیں ہمارے تابع فرماں جہاں
اپنے بندوں پر خداوندا! ترا کیسا ہے فضل — جو گنہ کرتے ہیں انکا بھی ہے تو حامی یہاں
جو کرے طاعت نہ تیری وہ بڑا بدبخت ہے — تو نے طاعت کیلئے پیدا کئے ہیں انس و جاں

اے خدا تو ہی موفق ہے اسے توفیق دے
ملتجی تجھ سے اُسیکا ہے ذہینِ خستہ جاں

سید غلام مصطفےٰ ذہین

کتابیں

انساں کے سینہ میں نورِ نظر کتابیں — ہیں باعثِ قرار قلب و جگر کتابیں
غربت میں ساتھ رکھو انکو تو شغلہ ہے — کھوتی ہیں صاف دل سے رنجِ سفر کتابیں
کافر ہو یا مسلماں رکھتی ہیں میل سب سے — دیتی نہیں کسیکو ہرگز ضرر کتابیں
ہر لفظ تیر بنکر ہوتا ہے پار دل کے — کرتی ہیں جب کسی پر اپنا اثر کتابیں
ہوتے ہیں انسے حاصل انساں کو دین و دنیا — ہیں رہنما کتابیں ہیں راہبر کتابیں

علم و ہنر کا گویا گنجینہ ہیں کتابیں
تہذیب کا ادب کا آئینہ ہیں کتابیں

دنیا میں ہر بشر کو راحت ملی انہیں سے — دولت ملی انہیں سے عزت ملی انہیں سے
ہیں باعثِ فلاحِ دارین ہر بشر کو — مومن کو عاقبت میں جنت ملی انہیں سے
لاغر ہوئے توانا مفلس ہوئے تونگر — دنیا میں شاہراہِ دولت ملی انہیں سے

آنکھوں کو نور بخشا دل کو سرور بخشا گلفت مٹی انہیں سے راحت ملی انہیں سے
چمکے گا آسماں پر خوبی کا چاند ہو کر انساں کو سو طرح کی رفعت ملی انہیں سے

حکمت کا اور ہنر کا مخزن ہیں یہ کتابیں
گلہائے علم و فن کا گلشن ہیں یہ کتابیں

ہے جسم ساری دنیا اور جان ہیں تو یہ ہیں ایمان کی تو یہ ہے ایمان ہیں تو یہ ہیں
اسباب یوں تو لاکھوں دل کے سرور کے ہیں اصلی خوشی کا لیکن سامان ہیں تو یہ ہیں
ایک ایک حرف ان کا چبھتا ہے دل میں گویا سوفار ہیں تو یہ ہیں پیکان ہیں تو یہ ہیں
دنیا کے علم انکے اندر بھرے ہوئے ہیں توحید و معرفت کی دُکان ہیں تو یہ ہیں
اپنی تو حسرتیں سب وابستہ ہیں انہیں سے اُمید ہیں تو یہ ہیں ارمان ہیں تو یہ ہیں

مطلوبِ دل کتابیں مرغوبِ جاں کتابیں
طالب کے واسطے ہیں گنجِ نہاں کتابیں

گنجینۂ وفا ہیں آئینۂ صفا ہیں یہ دین کی ہیں ہادی دنیا کی رہنما ہیں
دنیا کی نعمتوں سے بڑھ کر سمجھ رہا ہوں ہیرے سے بیش قیمت موتی سے بیش بہا ہیں
غمخوارِ کنجِ عزلت دلدارِ بزمِ عشرت ہمدم ہیں ہمنشیں ہیں سچ تو یہ ہیں باوفا ہیں
دکھلاتی ہیں بشر کو رُوئے حقیقت اپنا حکمت کی آرسی ہیں قدرت کا آئینا ہیں
حامد کے دل سے پوچھو انسان قدر انکی جو کچھ کہو بجا ہیں یہ اُس سے بھی سوا ہیں

کیا کیا دقیق عقدے کرتی ہیں حل کتابیں
دنیا کی نعمتوں کا ہیں ماحصل کتابیں

حامد حسن قادری بچھرایونی

سوکن کا جلاپا

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

تقدیر یا اتفاق جو کچھ بھی ہوا چنبھا ضرور تھا! وہی شاکرہ جو ذاکر میں ہزاروں
کیڑے ڈالتی تھی بیٹی دینے پر راضی ہوگئی! یہ صحیح! کہ وہ بھیجی نے سامنے چھوٹے
سے بڑا ہوا! پلا! بڑھا! اُسکی طبیعت مزاج خو۔ بو۔ عادت۔ خصلت سب سے
اچھی طرح واقف تھی! مگر یہ کون مان لیگا۔ کہ اس نے جان بوجھکر محمودہ کو کنوئیں
میں دھکیل دیا! ماں تھی۔ دشمن نہ تھی۔ پیٹ میں رکھا۔ دودھ پلایا۔ پالا پوسا!
چودہ برس کی محبت اس دن کے لیے نہ تھی کہ محمودہ جیسی بیٹی کا ہاتھ ذاکر جیسے
بھتیجے کے ہاتھ میں دیدے! زیادہ سے زیادہ یہی کہہ لو کہ تقدیر کا لکھا! ہونی۔
شدنی! اِدھر بھائی کی لچھے دار تقریر۔ اُدھر بھاوج کے بڑھاپے! آنکھوں پر پردے
پڑ گئے۔ خدا کو جان دینی ہے۔ محمودہ کے معاملہ میں شاکرہ بالکل بے گناہ ہے۔ وہ تو
خیر عورت تھی ناقص العقل تھی مرزا صاحب مرد اور عقلمند مشہور تھے مگر
گمانی کے جال میں ایسے پھنسے کہ نکلنا تو در کنار پھڑپھڑا سکے تک نہیں۔ گو شاکرہ
اسوقت موجود نہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ ذاکر کا نام سنتے ہی پیغام سے بارہ اور
بارہ چوبیس کوس الگ ہوگئی۔ لیکن گمانی کیا چوکنے والی بشر تھیں بیچارہ دن کا
غوطہ دیکر پانچویں دن رات کے نو بجے ہوں گے۔ بہن بھائیوں کا گھر ملا ہوا
تو تھا ہی کھڑکی کھول نند نندوئی کے سر پہ آدھمکی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر
کر اوہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ "بوا محمودہ تو میری ہے"۔

نند۔ بھابی! میں تو کہہ چکی غریبوں کی قسمت غریبوں ہی میں ٹھیک ہوتی ہے۔ کیوں گھڑی گھڑی کہکر شرمندہ کرتی ہو۔ اللہ ذاکر کی عمر دراز کرے۔ اس کے بیبیوں کی کیا کمی۔ تمھارے کہنے کی دیر ہے۔ لوگ تو چوم چاٹ کر دینگے ملیک ذرا مزاج تیز ہے۔ سو آجکل کے لڑکوں کا سبھی کا ہوتا ہے۔ لڑکی بُردبار ہونی چاہیئے۔ محمودہ کو تو تم جانتی ہو۔ یہ تمھارے نند نئی بیٹھے ہیں۔ پرسوں فقط اتنا کہا تھا بیٹی! آنکھ بند کرکے پان بناتی ہو۔ زبان کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ بھابی! خدا کی قسم لڑکی شہ جگر کتا ہوگئی۔ کچھ ایسا مزاج ہے کہ دیکھا نہ سُنا۔ یقین جانتا یہ جوڑ ٹھیک نہیں۔ یہ اُس سے زیادہ وہ اِس سے! ادھر یہ تیز اُدھر وہ۔ گزر ہو تو کیونکر!

بھاوج۔ ذاکر کا مزاج گندہ ہے تو ہوا کرے۔ محمودہ کے ناز اُٹھانے والی میں کیسی ڈھٹی ہوں۔ مجال ہے کہ ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ سے۔ شریفوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔ اور میری عادت سے تو تم واقف ہی ہو۔ چاہے دنیا ادھر کی اُدھر ہو جائے مگر جو بات نکل گئی وہ پتھر کی لکیر۔ میں محمودہ کی دشمن تو نہیں ہوں۔ بُوا میرے تمھارے بیچ میں خدا ہے۔ اگر اسکو تکلیف ہو جائے تو میری قبر اور حشر میں۔

قول اور قرار، قسمیں اور وعدے۔ مختصر یہ ایک قرآن تو نہیں اُٹھایا ورنہ جو جو کہہ سکتی تھی کہہ ڈالا اور کر سکتی تھی کر ڈالا۔ میرزا جیسے بھولے بھالے! جو لفظ سلیج کی زبان سے نکلا قرآن اور حدیث تھا۔ جھٹ پٹ راضی ہو ہوا تاریخ مقرر کردی۔

شاکرہ کا یہ عذر ہماری سمجھ میں تو آیا نہیں کہ میں میاں سے مجبور ہو گئی بیٹی کا معاملہ میاں بیوی دونوں برابر کے شریک۔ اور پھر میرزا جیسے میاں جل جائے اسکی زبان۔ جو ۲۵-۲۶ برس میں بیوی پر بگڑنا اور گھرکنا تو درکنار پھٹے سے مُنہ بھی کہا ہو۔ قیاس میں نہیں آتا کہ شاکرہ چاہتی تو اور میرزا بیوی کی مرضی کے خلاف نکاح کر دیتا۔ اُس غریب نے ایک دفعہ نہیں بارہا اور چپ چپاتے نہیں گھر بھر کے سامنے کہدیا۔ کرنے دھرنے والی یہ بیٹھی ہیں۔ بھائی انکا بھاوج انکی۔ بھتیجا انکا بیٹی انکی۔ میں تو انکی رضامندی پر راضی ہوں۔

غرض بات تھی ہونی نکاح تھا بندھنا۔ میاں بیوی دونوں کا مُنہ نکل گیا اور محمودہ بدنصیب ماں کے آغوش سے نکلکر ڈاکر کے پنجے میں جا پھنسی۔

سُنا تو یہ تھا کہ جیتی مکھی نہیں نگلی جاتی۔ دیکھا یہ کہ محمودہ کی ماں شاکرہ جیتی کیسی خاصی اچھی اُڑتی اور پھڑپھڑاتی مکھی صاف چٹ کر گئی۔ دور اندیشی انجام بینی سب پر خاک ڈالو یہ تو موٹی سی بات تھی کہ محمودہ جیسی لڑکی وہ تنک مزاج اور ضدن کہ خفگی اور گھرکی تو درکنار جو کہیں جھوٹ موٹ بھی ماں ذرا تیز آواز سے بولی تو مزاج کہیں کا کہیں پہنچا۔ پھر قدری کر ڈالو گھڑیوں اور گھنٹوں دنوں اور مہینوں اُسکے دل سے بات جانیوالی نہیں۔ اُسکے واسطے ڈاکر جیسا لڑکا کہ اپنا مطلب ہو تو گدھے تک کو باپ بنالے۔ دوسرے کی غرض ہو تو آدمی مرتے مر جائے حلق میں پانی تک ڈالنا حرام۔ محمودہ کی انسانیت یہ کچھ کہ آپ بھوکی رہے تو بلا سے عزیزوں کے واسطے کھانا تو کھانا جان تک قربان

ذاکر کی بلبلاہٹ وہ کچھ کہ چھوٹا بھائی روتے کا روتا رہ جائے اور مرغوں کی پھانک اُسکے ہاتھ سے چھین مُنہ پھیر ڈکار گئے۔ میر شریف۔ گانی۔ شاکرو مینر صاحب۔ ان چار بندوں میں سے جسکو چاہے قصور وار سمجھ لو۔ محمود اور ذاکر کا نکاح ہماری رائے میں تو آگ پر بارود تھی۔ نزلہ عضو ضعیف پر۔ محمودہ عورت ذات۔ گرا اور ایسا گرا کہ جان ہی لیکر ٹلا۔

دوسرا یا تیسرا چالا ہوگا۔ صاحبِ خانہ یعنی خالہ نے گیارہ روپے داماد کو دیئے اور ڈیڑھ سو روپے کا گلوبند بھانجی کو۔ عقل کا دشمن اتنا نہ سمجھا کہ گمی کہاں گیا کھچڑی میں۔ سوچا یہ کہ بیٹی کو تو ڈیڑھ سو اور مجکو فقط گیارہ ✲

یہ تھا پہلا رنج جو اس قصّہ کی جان ذاکر بے ایمان کو بیوی اور بیوی کے رشتہ داروں سے پہنچا۔

ذاکر تو خیر بچہ تھا ناتجربکار تھا خودغرض تھا۔ افسوس تو اُس درجن بھر بچوں کی ماں کی نادانی پر ہے۔ سوچا نہ سمجھا تڑسے بہو کے مُنہ پر لکھدیا! بہو بھی آخر گری پڑی نہ تھی! بہو! ہشت خوشامد کی بہو! اللہ آمین کی بہو! ساس کے تیور بدلے میاں کا رُخ پلٹا دیکھ صبح ہوتے ہی گلوبند گلے سے کھول میاں کے آگے رکھ کہنے لگی۔ میں بھی تمھاری زیور بھی تمھارا۔ میاں بیوی کی چیز جدا کیسی! چولھے میں جائے وہ گلوبند جسکی وجہ سے تم ناخوش۔ اماں جان رنجیدہ۔

میاں۔ ایسی باتیں ہم بھی خوب سمجھتے ہیں۔ چولھے میں جائے یا بھاڑ میں جو ہونا تھا وہ ہوگیا!

گلوبند کا غبار ابھی دل سے گیا نہ تھا کہ ایک اور واردات پیش آئی۔ رات کا وقت

تھا۔ آٹھ بجے کی توپ چھٹ چکی تھی۔ ذاکر کے کوئی دوست ملنے آئے پانوں کی ضرورت ہوئی۔ ماما سے کہا پان دے جا۔ سُنتیں یا نفل ہوتے تو محمودہ سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ نماز چھوڑ نیت توڑ حکم کی تعمیل فوراً کرتی! ستم یہ ہوا کہ فرضوں کی نیت باندھ چکی تھی! ماما نابکار کونے کو مسلمان بیچ بیچ کی بے ایمان۔ جان بوجھکر اور دیکھ بھال کر ایسی انجان بنی۔ گویا خبر ہی نہیں! گرمی کے دن بیچ بیچ انگنائی کا معاملہ! چاندنی کھلی ہوئی۔ بجلی کا لیمپ دھڑ دھڑ جل رہا! اندھی نہیں یا دیوانی نہیں! مگر اُسے تو بی گمانی کو خوش کرنا تھا! چوکی پاس آ اپنے ہی منہ میں ہنن ہنن کر پانوں کو کہہ چلتی ہوئی! ساس پٹاری کھوسے بیٹھی پان کھا رہی تھیں۔ کچھ گناہ نہ تھا اگر دو تین پان باہر بھی بھیجدیتیں! لیکن کیوں بھیجتیں! ذمہ دار تو بیوی تھی ماں سے واسطہ کیا!

پانوں کو ہوئی دیر دوست ہوئے چلنے کو تیار۔ ذاکر ہیں کہ آوازوں پر آواز تقاضے پر تقاضا! میاں کی چیخ پکار سُن بیوی غریب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے! آدھی پاؤ اور نی پونی نماز پڑھ پڑھا جبتک سلام پھیرے۔ وہ دوست رخصت اور میاں چیختے بنکارتے سر پر موجود!

غصہ بھی آتا ہے اور ہنسی بھی! بیوی بیچاری اتنی سیدھی اور بھولی کہ جا نماز پر بیٹھی لوٹ آگے رکھے قسموں پر قسمیں کھا رہی ہے اور میاں کمبخت ایسا نالائق و ناہنجار کہ وہی غصہ اور خفگی۔

ممکن ہے کہ غلط ہو مگر ہمارے سائے یہ ہے! میاں بیوی میں اَن بن تو جب ہی سے شروع ہوئی جب محمودہ تیسرے چالے کی دولہن تھی! مگر پھوپی کی شرم پھوپا کا لحاظ

مجبوری معذوری! کچھ بھی ہو اتنا پھر بھی غنیمت تھا کہ جھوٹوں سچوں تھوڑی بہت بیوی کی خاطر مدارات ہو جاتی تھی! مگر افسوس محمودہ کچھ ایسی تقدیر کی پھوٹی نکلی کہ ابھی میاں اور ساس ہی کے چرکوں سے نہ چھٹی تھی کہ شاکرہ! سان نگان چلی نہ بیمار خاصی اچھی بھلی چنگی! ایک دن! رات کو سوئی کی سوئی رہ گئی! ماں کی موت ایسا پہاڑ تھا اگر گرا کہ کسی طرح محمودہ کے سر کاٹے نہ سرکا! گو باپ موجود تھا مگر ماں کی بات ماں ہی کے ساتھ تھی! اب کس کے دلکو لگی تھی جو اُسکا دکھ درد سُن کر بے چین ہوتا! بہن بھائی دادی نانی سب پہلے ہی ختم ہو چکے تھے! ماں کیا مری بس میکا ہی اُجڑ گیا! کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ چار دن بلا کر مہمان رکھ لیتا! بیوی کے چالیسویں سے فراغت پاتے ہی مرزا صاحب بھی بیت اللہ سدھارے! اولی وارث دوست رفیق جو کچھ بھی تھے یا میاں ذکریا کی اماں! وہ پہلے ہی موقع کے منتظر تھے۔ اب تو چوڑا میدان تھا! جو چاہتی وہ کرتی! کرتی کیا! کیا اور اُنکے پکارے کیا۔ کنبہ میں ایک شادی ٹھیری! میاں کے حکم کی تعمیل ساس کی دھتکار! محمودہ کو بھی جانا پڑا! چار گھڑی دن ہو گا دونوں ساس بہوئیں ڈولی سے اتریں! دستور قاعدہ کچھ نہ سہی! مناسب یہ تھا کہ گمانی بہو کو خاص خاص بیویوں سے ملواتیں! بھلا وہ غریب ناواقف! نیا گھر نئے لوگ! کہاں کہاں جاتی۔ کس کس سے ملتی! ہاں! جو سامنے آیا سلام کر لیا! ساس اپنے ملنے جُلنے۔ بات چیت میں رہیں۔ وہ چاروں طرف ڈھونڈھ ڈھانڈھ ایک کونہ میں چپکی بیٹھ گئی! قسمت کی خوبی نوشتہ تقدیر! شاکرہ کے ملنے والی ایک بڑی بی اِدھر اُدھر پھرتی پھراتی یہاں بھی آنکلیں! ۔ اگلے زمانہ کے تو ہی دلمیں محبت آنکھ میں مروت!

محمودہ کی صورت دیکھتے ہی پھڑک گئیں۔ گلے لگایا چٹ چٹ بلائیں لیں! دیکھتی ہیں تو جیسے برسوں کی بیمار! رنگت زرد طباق سا چہرہ سپید! کہنے لگیں! ہائیں بچی یہ کیا ہوا! آدمی بھی نہ رہی! ایسا خدا نخواستہ کیا غم پڑا کہ گم سم چپ چاپ کونہ میں لگی بیٹھی ہے! یہ سب لڑکی بالیاں ہنس بول رہی ہیں! بیٹی! تو بھی اٹھ مِل جُل +

محمودہ۔ اماں جان کی راہ دیکھ رہی ہوں۔ خبر نہیں کدھر چلی گئیں!

بڑی بی۔ وہ تو اُس دالان میں ہیں مگر یہ تو کہہ یہ حالت کیا ہے! کچھ جی بے مزہ ہے!

محمودہ! جی نہیں! اچھی ہوں!

بڑی بی (ہنسکر) ہم نے تو اسیوقت کہدیا تھا! ایسے گھر چٹ پٹیوں میں خدا ہی ہے جو لڑکی خوش رہے! مگر ہماری سنتا کون تھا۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ! یہ محمودہ کی تقدیر! بڑی بی بیچاری کو کیا خبر تھی کہ میری محبت اِس کے حق میں زہر ہو جائے گی اور یہ میرا ہنسنا اُسکو مدتوں خون کے آنسو رلوائیگا! پوری طرح کہنے بھی تو نہ پائی تھیں کہ اُدھر سے گمانی بھی آ پہنچیں! گھر چٹ پٹیوں کا نام سُنتے ہی تن بدن میں آگ لگ گئی! بڑی بی کا کھسکنا تھا کہ اُسنے آؤ دیکھا نہ تاؤ کیسے مہمان اور کسکا پرایا گھر! بیگناہ بہو کی سیکڑوں بیویوں میں ہزاروں فضیحتیاں کروالیں! بہتیرا ہی سب نے سمجھایا! قسمیں کھائیں کہ بہو بیچاری تو منہ سے بھی نہیں بولی۔۔ ہاں اِتنا کہنے کی گنہگار ضرور ہے کہ اماں جان کی راہ دیکھ رہی ہوں! مگر گمانی جسکا نام تھا وہ کیا ماننے والی بشر تھی! وہی مرغ کی ایک ٹانگ!

ہاں ہاں اپنے اُنکے آگے میرا دُکھڑا رویا! الٰہی! دشمن کی بیٹی کو بھی ایسی ساس سے پالا نہ پڑے! آدھی رات ہونے آئی۔ مگر اِس کمبخت کی چپنی ختم نہ ہوئی۔ کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا چین آرام سب حرام کیا! زبان تھی: الامان! ایک قینچی تھی کہ برابر چلی جا رہی تھی! محمودہ بے گناہ اُسی کونہ میں دبکی سُکڑی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا۔ مُنہ سر لپیٹے بیٹھی تھی: ایک سے ایک بڑھکر طعنہ ایک سے ایک زیادہ کوسنا پڑ رہا تھا! کھانیکا وقت آیا خدا خدا کرکے بی گُمانی دسترخوان پر گئیں تو اُس برتال سے چھٹکارا ہُوا! خیر رات تو جوں توں گزری صبح اُٹھتے ہی دو ڈولیاں منگوائیں۔ بہو کو ساتھ سے گھر آئیں۔ ذاکر پہلے ہی بیوی سے ناخوش تھے۔ ماں کا اگر لگانا ایک شتا با تھا کہ بچی ہچائی باروت میں رکھدیا! غلطی سہی پھر بھی! بیوی تھی گھر والی تھی! لونڈی نہیں۔ باندی نہیں ماما نہیں زرخرید نہیں! نابنجار غصہ میں اندھا ہو گھر سے نکالنے کھڑا ہو گیا!

اللہ اللہ کیسا دردانگیز وقت اور عبرتناک سماں ہے! وہ آنکھ جسکی ماں باپ اتنی احتیاط کرتے تھے کہ میلی تک نہ ہو! آج اُس سے جل تھل ندی نالے بہہ رہے تھے۔ جسکی حکومت کا میکے میں ڈنکا بج رہا تھا! آج! بیگناہ! چور بنی بیٹھی تھی! دن اسی جوتی پیزار میں ختم ہُوا اور تین وقت کی بھوکی پر جو تھا وقت بھی صاف گزر گیا!

غیروں کی بیٹی ہوتی تو شاید یہ بھی کہہ سکتے کہ گمانی مزاج سے ناواقف تھی محمودہ چھوٹی سے بڑی۔ بچی سے جوان۔ کواری سے بیاہی سب کچھ اُس کے سامنے ہوئی خوب جانتی تھی کہ اس ضدن نے ذرا ذرا سی بات پر گھر بھر کو ناک

پچے چھوائے ہیں! مگر اب تو یہ یقین تھا کہ میاں پہنچتے پر۔ بیٹا کہنے میں جس بل نچاؤں گی ناچے گی! ۔ گانی اور ذاکر دونوں کو جانے دو۔ افسوس تو اس کا ہے! میر شریف مولوی مفتی۔ عالم فاضل! محمودہ بہن کی بیٹی۔ مری ہوئی بہن کی بیٹی سر پڑے کا سر! شاکرہ بدنصیب کی نشانی! اور ایسے کٹر بے رحم کہ بھانجی صورت دیکھکر بلبلا اٹھی مگر کیا مجال جو ذرا دل پسیجا ہو! محمودہ مظلوم کو اگر کوئی آسرا سہارا۔ امید یقین باقی تھا تو ماموں سے۔ سمجھی یہ تھی کہ بیوی کا ظلم بیٹی کی زیادتی میری بے گناہی! کچھ د کچھ تو حمایت لیویں ہی گے! میر صاحب کا گھر میں قدم رکھنا تھا۔ بالکل ہی بے اختیار ہو گئی۔ ضبط کیا آنسو پونچھے۔ اٹھی سلام کو آئی۔! ماموں کی صورت دیکھتے ہی ماں کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ ہتیرا سنبھلی مگر نازپروردہ ستم رسیدہ کلیجہ اُمڈا چلا آتا تھا! ماموں کا سر پر ہاتھ رکھنا تھا کہ بالکل ہی بے قابو ہو گئی! فاقہ مصیبت ضعف نقاہت ایک چیخ ماری اور یہ کہکر قدموں پر گر پڑی۔

"ماموں جان خدا گواہ ہے میں بے قصور ہوں"۔ باقی آئندہ

راشد الخیری الدہلوی

عورتوں کے مَن گھڑت مسئلے

(۲)

۴۱- پہلونٹی کے بچے کو بجلی کے سامنے نہ آنے دو کیونکہ جیٹھے پر اکثر بجلی گرا کرتی ہے۔

۴۲- پہلونٹی کے بچے کی بہت حفاظت کرو۔ جن و پری کو یہ پیارا ہوتا ہو خزانہ۔ دفینہ۔ اِسکا خواہاں رہتا ہو اور کہا کرتا ہے۔ جیٹھا بیٹا لوں گا جب لپنے تک آنے دونگا۔ بھینٹ اِسکی چڑھاتے ہیں۔ نظرگزر اِسکو لگتی ہے غرض سب سے زیادہ آفتیں اِسپر آتی ہیں۔

۴۳- تیرا بیٹا بھیک منگاتا اور تیری بیٹی راج رجاتی ہے۔

۴۴- بہت مینہ برسے تو اُسکے پانی میں تیل ڈالدو تھم جائے گا۔

۴۵- سخت آندھی آئے تو جھاڑو کھڑی کردو۔ رُک جائے گی۔

۴۶- شب برات کو پرچھائیں دیکھو اگر نظر آئے تو جانو کہ اِس سال زندہ رہیں گے ورنہ سمجھ لو کہ بس ہماری عمر پوری ہوگئی۔

۴۷- کسی عزیز کی عمر بتاؤ تو پہلے بطور تفاول۔ اللہ رکھے یا خدا اُسکے یہ لفظ کہہ لو۔

۴۸- کسی مُردہ سے کسی عزیز کو تشبیہ دو تو پہلے اُسکی جان سے دور کہہ لو۔

۴۹- اگر کوئی ٹوکے یعنی تعریف کرے تو کہدو کہ اپنی ایڑی دیکھ اُسمیں کیا لگا ہوا ہے تاکہ اُسکی ٹوک اور نظر نہ لگے۔

۵۰- سر کے بال زمین پر مت ڈالو کہ پاؤں تلے آنیسے درد ہوگا۔

۵۱۔ ناخن کترو تو پوٹلی باندھکر زمین میں دبا دو تاکہ قیامت کے دن فرشتے ڈھونڈتے نہ پھریں اور تم کو اسکا عذاب نہ ہو۔

۵۲۔ کسی پیغمبر کی قبر پر کسی گناہ کے سبب چھپکلیاں ہر وقت چمٹی رہتی ہیں اگر جمعرات کو ایک چھپکلی مارو گے تو دو اُسکی قبر سے ہٹ جائیں گی۔

۵۳۔ چھپکلی مارو تو جب تک کُلّی نہ کرلو مُنہ سے بات نہ کرو۔

۵۴۔ چھپکلی بدن سے چھُو جائے تو سونے کے پانی سے دھو ڈالو۔

۵۵۔ چھپکلی کا نام مرداری لو۔

۵۶۔ بامنی کے مارنیسے آنکھیں بامنی کھائی ہو جاتی ہیں۔

۵۷۔ مینڈک مارنیسے آنکھوں میں مینڈکیاں پڑ جاتی ہیں۔

۵۸۔ ہاتھ کی چوڑی ٹوٹے تو ٹھنڈی ہوئی کہو۔ کیونکہ بیوہ ہونے پر چوڑیاں توڑی جاتی ہیں۔

۵۹۔ دوپٹہ کہیں سے جلجائے تو دودھ سے دھو ڈالو۔

۶۰۔ جب کوئی عزیز سفر کو جائے تو دہی چھکا دو۔

۶۱۔ کالی کھانسی ہو جائے تو کالے کُتّے کو دہی چٹا دو۔

۶۲۔ جب کوئی عزیز سفر کو جائے تو اُسکی پیٹھ کو آئینہ دکھاؤ تاکہ جس طرح جاتے کی پیٹھ دیکھی ہے آتے کا مُنہ دیکھو۔

۶۳۔ امن چین یعنی زلزلہ آئے تو فوراً زمیں میں بیٹھ جاؤ کھڑے رہنیسے کسی عضو میں نقص یا فرق آجاتا ہے۔

۶۴۔ جسوقت زلزلہ آئے تو پکار کر کہو جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو۔

۶۵۔ ہیضہ کو نناواں۔ سورۂ یٰسین کو ناویں کہو کیونکہ انکے نام سے وہم آتا ہے یعنی ہیضہ سے آدمی مرجاتا ہے اور یٰسین مرتے وقت سُنائی جاتی ہے
۶۶۔ بیوی کی صحنک ہنکار کو نہ کھلاؤ۔ نیک بخت پارسا کو کھلاؤ۔ اسکی پہچان کے واسطے پہلے چونہ چٹالو۔ پارسا کا مُنہ جُوں کا توں رہیگا۔ بدکار کے مُنہ سے خون جاری ہو جائیگا۔ یہ صحنک مردوں کو بھی نہ کھلاؤ۔
۶۷۔ چراغ بجھانے یا بجھنے کی بجائے چراغ ٹھنڈا کرنا۔ چراغ کو ہاتھ دینا۔ چراغ خاموش کرنا۔ چراغ ٹھنڈا ہونا کہو۔
۶۸۔ بلی رستہ کاٹ جائے تو آگے نہ جاؤ۔ بچکر نکل جاؤ۔ ورنہ جس کام کو جاؤ گے وہ نہیں بنیگا۔
۶۹۔ جس کام کے آغاز پر چھینک آئے اُسے اُس وقت نہ کرو۔ اگر گھر سے چھینکتے نکلو گے تو جھینکتے آؤ گے۔
۷۰۔ تیسری تاریخ کا چاند دیکھنا منحوس ہے
۷۱۔ پٹاری ٹھکرا نیسے گلا آجاتا تھا۔ جو ٹھکرائے اُسے پان ضرور کھلا دو تاکہ یہ بات ظہور میں نہ آئے۔
۷۲۔ دولھا کا سہرا بہنوئی باندھے اور دُلہن کا پھپا یا پھپھی باندھے۔
۷۳۔ کوئی چیز تین تیرہ لو نہ دو۔ کہ مفارقت کی علامت ہے۔
۷۴۔ ہر ایک زیور کے دانوں اور کپڑوں کے جوڑوں وغیرہ میں طاق کا خیال رکھو۔
۷۵۔ کوئی چیز ختم ہو جائے تو کہو کہ برکت ہے۔ کوئی فقیر سوالی آئے اور دینا

منظور نہ ہو تو بھی یہی کہو کہ سائیں برکت ہے یا بہت ہی بہت ہے۔

۷۶۔ کسی منحوس چیز یا بات کا نام زبان پر آجائے یا جھوٹی قسم منہ سے نکل جائے تو تھو تھو کردو۔

۷۷۔ ریت کا جوڑا پہلے یا دولہا کا جوڑا قطع کیا جائے تو پہلے سات سہاگنیں ہاتھ لگائیں تاکہ راج سہاگ بنا رہے۔

۷۸۔ کوارا بالا مر جائے تو اول سال وہ اوتوں میں اور دوسرے سال مُردوں میں شامل ہوکر شب برات کی فاتحہ میں شریک کیا جاتا ہے۔

۷۹۔ گہن کے دن اکثر بچہ گہنایا ہوا پیدا ہوتا ہے۔

۸۰۔ عورت کی داہنی مرد کی بائیں آنکھ پھڑکنی اچھی ہے۔ بچھڑا ہوا عزیز ملتا ہے اُسکے برخلاف ہو تو رنج و صدمہ کی علامت ہے۔

۸۱۔ سر پر چھلنی نہ رکھو پھنسیاں ہو جائیں گی۔ اگر بھولے سے رکھ لو تو تھو تھو کردو۔

۸۲۔ مولی کی پینڈی کھانےسے ماں باپ مرجاتے ہیں جن کے ماں باپ زندہ ہوں وہ مولی کی جڑ نہ کھائیں۔

۸۳۔ مرت بیاہی عورت کے پرچھاویں سے بچو۔ نہیں تو اسیطرح تمہارے بچے بھی زندہ نہیں رہیں گے۔ سوڑ میں نہ جاؤ۔

۸۴۔ جسوقت بچہ پیدا ہو فوراً توا بجادو تاکہ آواز سے مانوس ہو جائے۔

۸۵۔ جب اپنے بچے کی بیماری کا ذکر کرو تو کہو کہ میتا بندی کے دشمن بیمار ہیں نانی یا دادی بھی اسیطرح کہے۔

۸۶۔ پری کا سایہ چمپیٹا ہو جائے تو اوپروالی کا سایہ چمپیٹا کہو۔
۸۷۔ چیل کا نام اوپروالی رکھو۔
۸۸۔ کوا بولے تو کسی عزیز پردیسی کے آنیکا شگون سمجھو۔ اور نام لیکر پوچھو کہ گیا فلاں شخص آتا ہے اگر اُسکے نام پر اُڑجائے تو جانو کہ وہ آتا ہے۔
۸۹۔ سانپ کواری بالی کے سایہ سے اندھا ہو جاتا ہے۔
۹۰۔ کھانا کھا کر ہاتھ نہ جھٹکو۔ اس سے نحوست آتی ہے۔
۹۱۔ قرآن شریف کھلا نہ چھوڑو۔ شیطان پڑھتا ہے۔
۹۲۔ ننگے سر نہ بیٹھو کہ شیطان دھولیں مارتا ہے۔
۹۳۔ رات کو تنکے جلا کر نہ کھیلو۔ نہیں تو سوتے میں موتوگے۔
۹۴۔ کُتا روئے تو جانو کہ کوئی آسمانی آفت آئیگی۔ بلی روئے تو جانو کہ کوئی گھر کا آدمی مریگا۔
۹۵۔ گلہری بیوی فاطمہ کی گڑیا ہے اُسے نہ مارو۔
۹۶۔ بلی کو نہ مارو کہ رسول مقبولؐ نے اسکو اپنے دامن سے سوتے ہوئے نہیں اُٹھایا مگر دامن پھاڑ ڈالنا مناسب سمجھا۔
۹۷۔ سرِشام اگر ستارے پر نظر پڑجائے تو جب تک دوسرا ستارہ نہ دیکھ لو اپنے کسی عزیز کی صورت نہ دیکھو۔ ورنہ مفارقت ہو جائے گی۔
۹۸۔ بجائے بدن کو لگجائے تو اُسکا تنکا توڑ کر تھتکار کر پھینکدو ورنہ دُبلے ہو جاؤگے
۹۹۔ جس عورت کی پیٹھ پر ناگن ہو اُسکا خاوند زندہ نہیں رہتا۔
۱۰۰۔ سونا پانا بھی بُرا۔ اور جانا بھی بُرا +

سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ

بزمِ عصمت

جناب مکرمہ

آداب عرض ہے۔ میں نے عصمت کے تین رسالے دیکھے۔ علمی۔ ادبی مفید معلومات کے رسالے خوب ہیں۔ مگر میں نے جو رسالے دیکھے ہیں اُن سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ نسواں کو جس چیز کی ابھی اشد ضرورت ہے وہ مضمون بہت کم ہیں۔

مختلف خیالات ہر قسم کے مختلف راستے بتاتے ہیں۔ اگست کے پرچہ میں مہذب گھر کا مضمون اور جناب حکیم محمد اجمل خاں صاحب کا مضمون دو مخالف راستے ہیں البتہ مختلف خیالات سے رسالہ کی زینت تو ضرور ہے۔ مگر ادب کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ ابھی ہمارے فرقہ اناث کو جو ضرورت ہے وہ ان خیالات سے پوری نہیں ہو سکتی۔ تعلیم یافتہ بیبیوں کے تو بہت کچھ کارآمد ہے۔ لیکن ناآموزدہ بیبیوں کی ضرورتوں کو پورا کرنیکے لیئے کافی نہیں ہو سکتے۔ میرا کچھ عرض کرنا تو چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی۔ مگر میں یہ عرض کروں گی کہ خانہ داری اور تربیت کے رستوں کی رہنمائی نہایت ضروری ہے۔ لاکھوں کروڑوں بیبیاں ابھی ایسی ہیں کہ جو نہیں جانتیں کہ کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا میں عورتیں اور ذمہ داریوں کیواسطے بھی ہیں۔ اصلاح تربیت اور خانہ داری کے مضمون کی ابھی ضرورت ہی لور مدت تک رہیگی۔ اور انھیں ٹھیک راستہ بتانے اور سکھانیکے لیئے عصمت کا

اصول ایک ہی طور کا ہونا چاہیئے تاکہ سب ایک ہی راستہ اختیار کریں یہ بزرگان قوم کی پسند ہو کہ انگریزی اختیار کریں یا دیسی +

۲۰- دسمبر ۱۹۰۸ء ذ- خاتون- از ٹونک

جناب مکرمہ

تسلیم- آپ کا عنایت نامہ مجھے وصول ہوا- چونکہ ستمبر کے مہینے میں یہاں ندی کی طغیانی سے قیامت صغرا بپا ہو چکی تھی اور ہم بھی کم و بیش اس مصیبت سے متاثر ہوئے تھے علاوہ ازیں میری والدہ ماجدہ اس صدمہ کے دھاکے سے ایسی سخت علیل ہو گئیں کہ امید زیست منقطع ہو چکی تھی- اور آپ کا خط جس وقت پہنچا ہے اُنکی حالت مایوسی کے قریب تھی- اس لیئے فوراً جواب نگاری میں قاصر رہی- اُمید ہے آپ معاف فرمائیے گا- اب الحمدللہ حضرت مقدسہ کی طرف سے کسیقدر اطمینان ہوا ہے تو یہ چند سطور تحریر کرنیکے اوسان آئے-

میں رسالہ عصمت کی خریدار بننے کو دل سے تیار ہوں نہ صرف اس سبب سے کہ آپ جیسے قابل بزرگوار کی اڈیٹری میں فائدہ نسواں کے لیئے نکلتا ہے بلکہ اُسکا مقام اشاعت ایک ایسی جگہ ہے- جہاں کی سرزمین سے میری ہڈی- بوٹی- گوشت پوست- روح اور جسم غرض سب کو ناگزیر تعلق ہے دہلی پر جو تاریکی علمی و عملی چھائی ہوئی ہے- اُسکا حال سب جانتے ہیں جس دل کو اپنے وطن سے کچھ بھی اُصولی محبت ہوگی وہ وطن کے ساتھ اس قسم کے

سلوک کرنے والوں کا نہ صرف رسائی ہی احسان کا اقرار کرے گا بلکہ اُن کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھے گا۔ پس میرا فرض ہے۔ میں اپنے وطن کے حق میں آپکے احسان کا اعتراف ہر طرح کروں۔ اور مالی اور قلمی دونوں طرح کی مدد ول اول الذکر مدد کے باب میں تو میں نے عرض کر ہی دیا کہ بالفعل صرف خریدار بننے کی حیثیت سے میں مدد کو تیار ہوں۔ مگر قلمی مدد کے باب میں عرض ہے کہ فی الواقع میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔ اس قسم کی مسلسل مدد ممکن نہیں ہاں جب کبھی دماغ یاری دے گا تو حاضر کرونگی۔ خداوند تعالیٰ آپکے رسالہ کو آفتاب بنا کر چمکائے۔ اور اُس قدیم دار السلطنت ہند کی علمی و خلاقی و تمدنی تاریکیوں کو اُسکی روشنی سے دور کرے۔ آمین۔

میرے نام نہ صرف رسالہ عصمت ہی بھیجئے بلکہ مخزن بھی میرے نام جاری کر دیجئے۔ میں اُسے دل سے پسند کرتی ہوں۔

مجھے امید ہے کہ سیلاب زدگان حیدرآباد کی امداد کی ایک تحریک آپ بھی ان دونوں رسالوں میں اُنکے خریداروں سے کریں گے۔ میرا اپیل اور مضمون خاتون اور دیگر اخبارات میں آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ مہربانی فرما کر اُسکی تائید فرمایئے۔

خاکسار

بنت نصیر الدین حیدر ساز حیدرآباد دکن

الوانِ نعمت

(پلم پڈنگ پکانے کی ترکیب)

کشمش آدھ سیر مویز آدھ پاؤ بادام آدھ پاؤ چربی ایک پاؤ شکر ایک پاؤ
نارنگی کا مربا آدھ پاؤ ادرک کا مربا آدھ پاؤ سنگترے کا مربا آدھ پاؤ
گھی آدھ پاؤ پاؤروٹی تین چھٹانک دودھ ایک پاؤ جائفل چار ماشہ دارچینی
چار ماشہ الائچی ۲۰ عدد جوتری ۴ ماشہ لونگ ۲۰ عدد ۔

کشمش مویز کو باریک باریک کتر لیں۔ بادام کو پانی میں ڈالکر پوست دور کرکے باریک ہوائیاں کتر لیں چربی کے بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر ڈالیں اور اسیطرح مربوں کے بھی ٹکڑے کریں۔ پاؤروٹی کو خوب باریک مثل آٹے کے کر ڈالیں۔ انڈے کی زردی سفیدی سے علیحدہ کرکے سفیدی کو خوب پھینٹیں۔ اسکے بعد شکر کو زردی میں ملائیں۔ مویز کشمش اور کل مربوں کو ایک ایک کرکے ڈالیں اور کچھ عرصہ تک ملاتے جائیں۔ اسکے بعد داغ کیا ہوا گھی ڈالدیں اور چمچہ سے خوب ملائیں۔ دارچینی الائچی لونگ اور جوتری کو باریک کرکے سب میں ملادیں۔ پڈنگ پکانیکے ڈبہ میں رکھدیں اور ڈبہ کا منہ اسکے ڈھکنے سے بند کردیں۔ ایک دیگچی میں پانی چولہے پر رکھدیں جب پانی خوب گرم ہوجائے تو اسمیں ڈبہ رکھدیں اور دیگچی کو ڈھانکدیں لیکن پانی ڈبہ کے ڈھکنے تک ہر وقت رہے اگر پانی کم ہوجائے تو اور ڈالدیں۔ آگ برابر لگاتے جائیں اسیطرح چھ گھنٹہ رکھنا چاہیئے بعد چھ گھنٹہ کے نکال لیں اور جب کچھ سرد ہوجائے تو کسی برتن میں نکال لیں اور

عالمِ نسواں

(۱) تمام علم دوست بیبیاں یہ سُن کر نہایت افسوس کریں گی کہ ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جنجیرہ اور عطیہ فیضی صاحبہ اور نازلی رفیعہ صاحبہ کی والدہ صاحبہ مسز فیضی صاحبہ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئیں اور اپنے عزیزوں دوستوں کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ مرحومہ اردو فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتی تھیں اور تعلیم نسواں کی بڑی حامی اور معاون تھیں۔ انکی قابلیت اور دستگاہ علمی کی سب سے بہتر یادگار انکی اولاد ہے جو ایک سے ایک لائق تر ہے اور جسکی تعلیم کی تکمیل میں انہوں نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ انکی یہ خوش قسمتی قابلِ رشک تھی کہ انھوں نے اپنی محنت کو اپنی زندگی میں کامیاب ہوتے دیکھا۔ اُن کے بڑے بیٹے مسٹر علی اکبر فیضی صاحب سپرنٹنڈنگ انجنیر کے اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہیں۔ دوسرے بیٹے مسٹر علی اصغر فیضی انگریزی فارسی میں اچھی لیاقت رکھنے کے علاوہ تجارتی کاروبار میں مہارت خاص رکھتے ہیں مسٹر علی اصغر کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر علی اظہر صاحب ہندوستان سے ڈاکٹری پاس کرکے طبی تعلیم کی تکمیل کے لیئے ولایت گئے ہوئے ہیں اور سب سے چھوٹے مسٹر علی اطہر بمبئی میں میڈیکل کالج میں پڑھ رہے ہیں۔ اُنکی صاحبزادیوں کی تحریرات معلومات کے نمونے اِن اوراق میں شائع ہو چکے ہیں۔ مسز فیضی باوجود پیرانہ سالی کے اخبارات و رسائل کو شوق سے پڑھتی تھیں اور خود بھی کبھی کبھی زنانہ رسائل کو قلمی امداد دیتی تھیں۔ چنانچہ ابھی نومبر ہی کے مہینے میں عصمت میں مسز فیضی صاحبہ کا ایک مفید اور دلچسپ مضمون چھپا تھا۔ اور اُنھوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ آیندہ بھی

وقتاً فوقتاً توجہ فرمایا کریں گی۔ افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ اُنکے گزر جانے سے مسلمانوں میں ایک نیک نہاد بزرگ اور جہاندیدہ بی بی دنیا سے اُٹھ گئیں جنکا بدل اس زمانہ میں مشکل سے ہوگا۔ ہم مرحومہ کے لیئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اُنکے اعزہ اور خاصکر اُنکی اولاد سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں +

---

(۲) ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتھ جو زنانہ دستکاری کی نمائش کئی سال سے ہوتی ہے۔ اُسکے اہتمام میں مس عطیہ فیضی اور مس زہرا فیضی بہت سرگرمی سے کوشش کرتی رہی ہیں اور اُسکی آرائش جس خوبی سے ہوتی تھی۔ اُس آرائش اور حسن انتظام میں اُن کا خاص حصہ ہوتا تھا۔ ابکے امرت سر کانفرنس میں اُنکی والدہ صاحبہ کے افسوسناک انتقال سے ایک فوری نقصان یہ پہنچا کہ زنانہ دستکاری کی نمائش اُنکی توجہ سے محروم رہ گئی۔ اور اُنکی کمی عام طور پر محسوس کیگئی۔ تاہم مقام شکر ہے کہ نمائش بجائے خود بہت کامیاب رہی۔ اور شیخ عبداللہ صاحب بی اے سکرٹری صیغہ تعلیم نسواں مبارکباد کے مستحق ہیں گو اُنہیں سخت مشکلات کا سامنا ہوا مگر نمائش ناغہ نہوئی۔ اور کامیابی سے ختم ہوئی۔ اس مرتبہ امرت سر میں بیماری کا اسقدر زور رہا کہ وہاں کی لوکل کمیٹی نے نمائش کا انتظام کرنیسے اپنی معذوری ظاہر کردی اور بہت تنگ وقت میں شیخصاحب موصوف کو خود انتظام کرنا پڑا۔ گر ہمت اور استقلال کی بدولت آخر نمائش ہوگئی۔ اور بہت خوبی سے انجام پائی۔ ۲۰ دسمبر سے افتتاح ہوا اور برابر دیکھنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ ۳۰ دسمبر کو ختم ہوئی۔ ۲۹ کا دن بروز جمعہ خواتین کے لیے رکھا گیا تھا اور اُس دن پردے کی پوری احتیاط کے ساتھ مستورات

جوق جوق وہاں پہنچیں۔ لاہور کے بہت سے معزز گھرانوں کی بیبیاں بھی اُس دن خاص نمائش کے دیکھنے کے لیئے آئیں اور خوش ہوکر واپس گئیں ۔

---

(۱۵) دسمبر کے مہینے کا آخری حصہ اب جلسوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے اور بہت سے بڑے بڑے مجمع انہی دنوں میں ہوتے ہیں کانگرس۔ کانفرنس اور لیگ یہ سب قومی اور ملکی جلسے بڑے دن کی تعطیلوں میں ہوتے ہیں۔ اور اِس دفعہ بھی حسب معمول کامیابی کے ساتھ ہوئے۔ مگر یہ بات دیکھکر بہت خوشی ہوئی ہے کہ اب یہ صرف مردوں کے علمی چرچوں اور مشغلوں کا وقت نہیں رہا بلکہ عورتوں کو بھی تھوڑا بہت حصہ اِس وقت کا ملنے لگا ہے۔ جالندھر میں ہندو لڑکیوں کی تربیت کے لیئے ایک بڑی تعلیم گاہ ہے۔ جسے کنیا مہاودیالہ کہتے ہیں اِس کا سالانہ جلسہ بھی ۲۶۔ ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء کو ہوا۔ ایک ہندو لیڈی صدر جلسہ تھیں اور مہاودیالہ کی لڑکیاں اپنی تعلیم کے نتائج حاضرین کے روبرو پیش کر رہی تھیں۔ ہندو صاحبان کے ہاں چونکہ عام طور پر پردے کا رواج نہیں۔ اِسلیے اِس جلسہ میں جو حصہ عورتوں کے لیئے تھا اور جس میں ایک نہایت کثیر تعداد ہندو عورتوں کی جمع تھی مردوں کو بھی شریک ہونے کا موقع دیا گیا تھا۔ لڑکیوں نے ہندی۔ اردو۔ سنسکرت۔ انگریزی میں تقریریں کیں۔ اور میٹھی میٹھی سروں میں قومی جوش سے بھرے ہوئے گانے گائے۔ ورزش اور تفریح کے طور پر کھیل کود کے جو سامان اُن کے مناسب حال اِس مدرسہ میں مروج ہیں۔ اُن کے نمونے حاضرین کے سامنے پیش کیئے۔ اور اپنے حسن تربیت کی بہت کچھ داد لی۔ اِس تعلیم گاہ کے مزید حالات

اور اس کے کام پر کسیقدر تفصیلی ریویو پھر کسی موقع پر کیا جائے گا۔

(۴) لاہور میں تعلیمی دنیا کی اُن کارگزاریوں میں جو مستورات کے لیئے دلچسپ ہیں۔ وکٹوریا مے گرل سکول کا افتتاح خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ یہ نیا مدرسہ جو شاہزادی ویلز صاحبہ کی یادگار میں قائم ہوا ہے صوبہ پنجاب میں تعلیم نسواں کی ترقی کے لیئے ایک بڑی نعمت ثابت ہوگا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تعلیم کی طرف اس قدر توجہ ہوتی جاتی ہے کہ اس نئے مدرسہ کے کھلنے سے لاہور کے موجودہ زنانہ مدارس کی رونق میں کسی کمی کا اندیشہ نہیں ۔

ضروری نوٹ

مخزن کی طرح عصمت کی بھی سال میں دو جلدیں ہم نے قرار دی تھیں اور نومبر ۱۹۰۸ء تک پہلی جلد کے چھ پرچے پورے بھی ہو چکے تھے۔ لیکن یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جلد کا آغاز بجائے دسمبر کے شروع سال سے ہو۔ اسلیئے ناظرین دسمبر کے پرچے کو بھی پہلی جلد میں شمار کریں۔ آیندہ جنوری ۱۹۰۹ء سے دوسری جلد کا پہلا نمبر شائع ہوگا۔

منیجر عصمت دہلی